حقائق القرآن
اِقرأ
مصنف
الحاج سید امتیاز حی

باسمہ سبحانہ

حقائق القرآن

مصنف

الحاج سید امتیاز حیدر صاحب پرتاپگڈھی

ناشر

ظفر پبلشنگ سینٹر رستم نگر لکھنؤ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

نام کتب: حقائق القرآن
نام مصنف: الحاج سید افتخار حیدر صاحب پرتاپگڑھی
تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)
سن اشاعت: مارچ ۱۹۵ء
ناشر: ظفر پبلشنگ سنٹر رستم نگر لکھنؤ
کتابت: اعظم سیر عمی ناظمیہ کالج لکھنؤ ۳
قیمت: ۳۰ روپے
سرورق: عالم

ملنے کا پتہ

- عباس بک ایجنسی رستم نگر درگاہ حضرت عباس لکھنؤ
- دفتر اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ

اِنتساب

میں اپنی کوتاہ علمی کا معترف ہوتے ہوئے اس ادنیٰ سی خدمت کو امام زمانہ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتے ہوئے مغفرت کا طالب ہوں۔

احقر

سید امتیاز حیدر

عرض ناشر

قرآن مجید کے بارے میں خلاق کائنات کا ارشاد ہے

"(یہ قرآن) پرہیزگاروں کا رہنما ہے اور اس کے کتاب خدا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے" (البقرہ آیت ۱)

"اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی طرح ایک سورہ ہی بنا کر لاؤ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور نہ قیامت تک ایسا کر سکوگے، تو اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔" (البقرہ آیت ۲۳-۲۴)

"اے رسول ہم نے تم پر ایسی نشانیاں نازل کی ہیں جو واضح اور روشن ہیں، نافرمانوں کے سوا ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔" (البقرہ ۹۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث برسالت ہوئے اس وقت عرب میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا اور جاہلوں وحشیوں میں بھی شاعرانہ ذوق بام عروج پر تھا وہ لوگ برجستگی کے ساتھ اشعار کی زبان میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور انھیں اپنی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ اپنی زبان کے مقابلہ میں ساری دنیا کی زبانوں کو گونگی کہا کرتے تھے ان کی عورتیں اور لڑکیاں بھی ایسے برجستہ شعر نظم کرتی تھیں کہ جو بڑے بڑے ممتاز اور نامور ادیبوں کے لیے فکر بن جاتے۔ ایسی حالت میں خداوند عالم نے اپنے رسول کو جہاں اور تمام معجزات سے نوازا وہاں ایک مستحکم معجزہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ یہ بھی عطا کیا کہ آپ پر قرآن نازل کیا اور وہ بھی اس دعوے کے ساتھ کہ اگر کسی کو اس کے کلام خدا ہونے میں کوئی شک ہو تو اس کے مثل ایک ہی سورہ بنا لائے یا بنوا لائے۔

خداوند عالم نے قرآن کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ہم نے قرآن میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔" یہ بھی فرمایا کہ "ہم نے تم پر جو کتاب نازل کی ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے" نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر تمام جن و انس اس بات پر اجتماعی قوت سے متحد و متفق ہوں کہ اس کا مثل پیش کریں تو ہرگز ہرگز اس کا مثل نہیں لا سکتے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے ایک سو چار کتابیں نازل کیں ہیں اور ان سب کے تمام علوم توریت، زبور و انجیل میں مخفی رکھے پھر ان تینوں کتابوں کے تمام ظاہری و مخفی علوم قرآن کے سپرد کر دیے۔

ابن عباس علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اگر میرے اونٹ باندھنے کی رسی گم ہو جائے تو اسے قرآن کے ذریعہ تلاش کروں گا۔ غرض کہ قرآن مجید تمام علوم و فنون کا مخزن ہے اور خشک و تر کا ہر شے اس میں موجود ہے اہل علم کی جستجو آمیز نظریں تلاش کرتی رہتی ہیں۔

الحاج سید امتیاز حسین صاحب [illegible] نے انھیں مختلف قرآنی علوم و امور کو جدید تحقیق کے ذریعہ سمجھنے اور سمجھانے کی ایک کامیاب سعی فرمائی ہے۔

امید کہ زیر نظر کتاب ناظرین کرام کے ذوق کی تسکین کا سبب بنے گی۔ والسلام

سید علی عباس طباطبائی - عباسی بک ایجنسی
درگاہ حضرت عباس رستم نگر - لکھنؤ ۳

فہرست

تقریظ

جناب ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی
پرنسپل ایم آر شروانی کالج صلاح پور۔ الہ آباد

حقائق قرآن جناب امتیاز حیدر اختر صاحب کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ مجھے ان سے ملاقات کا شرف صرف ایک مرتبہ حاصل ہوا ہے لیکن اس مختصر سی ملاقات میں مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ موصوف ایک سنجیدہ اور علم و ادب سے شغف رکھنے والے شخص ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے وہ انجینئر ہیں ریلوے کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اب وہ ہمہ وقت علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ حقائق قرآن تیس ابواب پر مشتمل ہے جس کے کچھ اہم ابواب کے عنوانات اس طرح کے ہیں۔

۱۔ قرآن ایک معجزہ یا کتاب آسمانی ۲۔ تخلیق کائنات ۳۔ علم الجنین اور قرآن ۴۔ مخلوق کی ابتدا پانی سے ۵۔ زمین کے حجم میں افزائش ۶۔ فضائے بسیط اور خلائیں ۷۔ زمین کا استحکام وغیرہ

ان مضامین میں تعقل پسندی اور دانشوری کے راستوں سے حیات اور کائنات کے متعلق قرآن حکیم کی آیات کی رہبری میں جن امور کی تصدیق ہو چکی ہے یا جنکی وضاحت کی کوشش کیجارہی ہے انکا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا۔ اس مجموعہ کے بیشتر مضامین ملک کے مقتدر رسائل و جرائد کی زینت بن چکے ہیں اور علماء و دانشوروں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں ان مضامین کو ایک کتابی شکل میں یکجا کرنے کی غرض و غایت راقم الحروف نے اپنے ایک ذاتی مراسلے میں ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

"اپنے بساط علم کے مطابق جو بھی معلومات علم جغرافیہ، علم الافلاکیات، علم طبقات الارض اور انسائیکلوپیڈیا سے حاصل کر سکا ہوں اور ان کے متعلق قرآن حکیم کے اشارات و ارشادات جہاں تک سمجھ سکا ہوں ایک جگہ جمع کر کے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے اسکا سبب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ بیدینوں، دوسرے عقیدوں اور مذہب سے متعلق لوگوں کے سامنے قرآن حکیم کو ثبوت کے ساتھ بحیثیت کتاب آسمانی پیش کر سکوں"

ان مضامین کے مطالعہ کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مصنف اپنے تحریر کردہ مقصد میں کامیاب ہے۔ اور اس کے احساس و ادراک، تخلیقی شعور، طرز فکر، مطالعہ کی وسعت، طرز استدلال اور زبان و بیان کی سنجیدہ روی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ انکی یہ پر مغز کوشش عربی مدارس کے نصاب تعلیم کے لئے جدید سائنس و ٹکنالوجی کی روشنی میں مذہبی تعلیمات کا بہتر جواز پیش کرتی ہے! اور سلیس زبان میں لکھے گئے یہ مضامین قرآن حکیم اور موجودہ سائنسی نظریات کی ہم آہنگی کا ایک نیا اور انوکھا زاویہ پیش کرتے ہیں امید ہے کہ اس علمی کاوش کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوگا۔

قرآن اور رموز کائنات

عالیجناب مولانا سید محمد جابر صاحب جوراسی
مدیر ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید ایک ایسی جامع ترین الہامی کتاب ہے جو اپنے اندر قیامت تک کے رموز و اسرار کائنات سموئے ہوئے ہے یہ ایک خوش فہمی اور عقیدہ ہی نہیں ہے بلکہ آئے دن کے سائنسی انکشافات اس حقیقت کا عملی اعتراف کرتے رہتے ہیں۔

مثلاً ارشاد رب العزت ہے

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں (سورہ رعد آیت ۴۱)

پھر کیا وہ غور نہیں کرتے کہ یقیناً ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں (سورہ انبیاء آیت ۴۴)

اور آج اس بات کا انکشاف ہو چکا ہے کہ سمندر کی سطح میں اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے زمین کے کنارے آہستہ آہستہ زیر آب آتے چلے آرہے ہیں۔

واشنگٹن کی خبر ہے

ایک امریکی فرانسیسی خلائی سیارہ نے گذشتہ دو برس میں [illegible] کی تصویریں لیں کہ کرۂ ارض پر سمندروں کی سطح میں نمایاں اضافہ ہوا ہے یہ بات امریکا کی قومی خلائی ایجنسی (ناسا) نے واشنگٹن میں کہی۔ مذکورہ خلائی سیارہ نے جس قسم کی معلومات بھیجی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سمندروں کی سطح میں تین ملی میٹر کا اضافہ ہوا ہے۔

(روزنامہ قومی آواز لکھنؤ ۹ دسمبر ۱۹۹۴ء)

یہ اور اسی طرح کے مختلف ایسے انکشافات ہیں جو قرآن کی آفاقیت کی دلیل بنتے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی سائنسی اور علمی ترقی کے ساتھ ساتھ مزید حقائق پر سے پردہ اٹھنے کی پوری توقع ہے۔

الحاج سید امتیاز اختر صاحب پرتابگڈھی اپنی ریلوے ملازمت کے دوران ہی تحریری کام کرتے رہے ہیں اور اب ریٹائرمنٹ کے بعد ایسے کاموں کی جانب دوبارہ متوجہ ہیں۔ حقائق قرآن پر انھوں نے مفید معلوماتی کام کیا ہے جو اس کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

امید کہ یہ کتاب حقانیت اسلام و قرآن کو ثابت کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگی خداوند عالم مؤلف کے توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

پیش لفظ

تمام مسلمان و اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم ایک کتاب آسمانی اور اس کی معجز نما آیات کلام الٰہی ہیں جیساکہ قرآن حکیم کے پہلے پارے کے پہلے سورہ کی پہلی اور ابتدائی آیات میں ہی خالق مطلق نے اس کے کلام اللہ ہونے کی سند دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"یہ وہ کتاب ہے جس کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے"

اور اس طرح قرآن حکیم پر عقیدہ نہ رکھنے والا نہ صرف ضعیف العقیدہ ہی ہوتا ہے بلکہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ قرآن مقدس کے کتاب آسمانی ہونے کے سلسلے میں بیشمار الہیاتی اسناد ہیں بلکہ اس کے حکیمانہ سائنسی اور کائناتی حقائق کے پیش نظر غیر مذہب اور غیر مسلم دانشور اور محققین بھی قرآن حکیم کو کتاب آسمانی قبول کر چکے ہیں اور جیسے جیسے علم کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں قرآن حکیم کی عظمتیں ذہن کائنات پر روشن ہوتی جا رہی ہیں اور یہی حقیقت میرے لئے "حقائق قرآن" لکھنے کی محرک ہوئی۔

قرآن حکیم میں سائنس اور دوسرے کائناتی علوم کا ذکر آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل ایسے بالغانہ انداز میں آیا ہے جو موجودہ دور کے جدید سائنس کو بڑی تلاش و تحقیق کے بعد آج حاصل ہو پا رہا ہے اور ان تعلیقات اور معلومات کی ایسی منظم اور مستحکم بنیادیں ہیں جن پر موجودہ دور کے سائنسداں اور محققین پختہ اصولی نظریات بھی قائم کر رہے ہیں قرآن حکیم میں علم و دانش کے ایسے بے بہا خزانے اور علم سائنس کی ایسی بلند اور حکیمانہ تعلیمات ہیں جو موجودہ دور کے دانشوروں اور سائنسدانوں کی رہبری کرنے کے ساتھ ساتھ انکی معاون بھی ثابت ہو رہی ہیں۔

قرآن حکیم میں ایسی عالمانہ تحقیقیں ہیں جنکا علم اس سے پہلے نہ تو کسی فرد واحد کو نہ تھا اور نہ کسی اجتماعی معاشرہ یا قوم کو جو اس بات کا منکشف ہے کہ قرآن حکیم نہ تو کسی شخصی دماغی افکار کا نتیجہ ہے اور نہ کسی اجتماعی ذہنی تفکرات کا حاصل ہے! یہ ایک آسمانی کتاب ہے۔ قرآن حکیم میں علم و دانش کے ایسے بے بہا خزانے اور تحقیق عالم کے ایسے علوم موجود ہیں جو نہ اس سے پہلے کے کسی دانشور کے علمی مجموعہ میں پائے جا سکتے ہیں اور نہ کسی قومی درسگاہ میں جن سے یہ کہا جا سکے کہ علم القرآن کسی دوسری اسناد سے ماخوذ ہیں۔

قرآن حکیم کو سمجھنے کیلئے دینی اور مذہبی تعلیمات کے ساتھ ساتھ علم تخلیق کائنات اور سائنسی نظریات کی خصوصی معلومات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کیلئے اگر انسان کے پاس انسائیکلوپیڈیا جیسی معلومات نہیں ہے تو کم از کم انسائیکلوپیڈیا کی مدد حاصل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اسکا ایک حصہ دینیات مذہبیات معاشرہ و تقویٰ اور پرہیزگاری اور نظام زندگی کو باربط اور با اصول بنانے سے متعلق ہے تو اسکا دوسرا سائنسی اور تخلیقی حصہ سمجھنے کیلئے نہایت ہی معیاری اور اعلیٰ سطح کے علم سائنس، علم طبیعیات، علم جغرافیہ، علم طبقات

الارض، علم نباتات، علم حیوانات اور ہر طرح کے کائناتی مشاہدات کی ضرورت ہے اسی وجہ سے محققین اور دانشور چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں قرآن کے عالمانہ اور حکیمانہ کلام سے متاثر ہو کر اسے کتاب آسمانی قبول کرنے پر مجبور رہیں۔

میں نے خدا کی رحمت اور رہبری اور باب مدینۃ العلم کی مدد سے اپنے محدود سائنسی اور دیگر علمی معلومات کے سہارے، دور جدید سائنس کی تحقیق اور دریافت سے متعلق قرآن حکیم کی محترم آیات کو ابھی اس ادنیٰ سی کتاب میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اپنی اس کاوش میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں اسکا فیصلہ قارئین ذی ارباب نظر پر چھوڑتا ہوں ــ!!

میں اس سلسلہ میں مولانا سید محمد جابر صاحب جوراسی کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے ہر موقع پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

میں اپنی دختر ڈاکٹر زرینہ زیدی کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے اس موضوع سے متعلق بہت سے کار آمد مضامین اور مقالات کے فوٹو اسٹیٹ علیگڑھ یونیورسٹی سے مہیا کر کے میری مدد کی۔ ساتھ ہی ساتھ میں اپنے بھتیجے عزیزم سید دلدار حیدر کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے شبر دانش کالج کی لائبریری سے انسائیکلوپیڈیا کی جلدیں فراہم کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

فقط:

الحاج سید امتیاز اختر نقوی چاندپوری

دیتے ہیں ۱۔ بحر الکاہل کی پلیٹ PACIFIC PLATE ۲۔ عریبین پلیٹ ARABIAN PLAT
۳۔ ہند آسٹریلین پلیٹ INDIAN AUSTRALIAN PLATE ۴۔ یوریشین پلیٹ URATIAN PLATE
۵۔ افریقین پلیٹ AFRICAN PLATE ۶۔ شمالی امریکن پلیٹ N. AMERICAN PLATE ۷۔ جنوبی
امریکن پلیٹ S. AMERICAN PLATE اور اسطرح ان پلیٹوں کے انتہائی سروں پر موجود پہاڑی سلسلے
دیکھ کر اس نظریہ کو مکمل تقویت مل جاتی ہے۔

ماہرین نے پہاڑوں کی ساخت بناوٹ اور ترتیبات کے پیش نظر انہیں پانچ بنیادی انواع میں
تقسیم کیا ہے جن پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی ہیئت میں لگاتار ہوتی رہنے
والی تبدیلی اور ان کی تشکیل پر حرکات کا زمینی طبقات میں ہونے والی حرکات سے کتنا گہرا تعلق ہے اور یہ پہاڑ
زمین کی اندرونی حرکت و عمل کی مناسبت سے ہر آن حرکات و تغیرات میں رہتے ہیں بہت سے عظیم اور دور
تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں میں یہ ترتیب بیک وقت ایک سے زیادہ قسموں کا بھی پایا جا سکتا ہے۔

آتش فشاں پہاڑ VOLCANIC MOUNTAINS

ان پہاڑوں کی تعمیر زمین کی ان پگھلی ہوئی
دھاتوں اور پتھروں کی وجہ سے عمل میں آتی
ہے جو زمین کے طبقاتی تہوں کی انتہائی گرمی
کی وجہ سے پگھل کر لاوے اور ابل پڑتی ہیں۔ اور پھر یہی لاوے۔ پگھلی ہوئی دھاتیں اور جمادات ٹھنڈی
ہو کر بعد میں پہاڑوں کی تشکیل اختیار کرتے رہتے ہیں اس طرح سے ان آتش فشاں پہاڑوں کا سلسلہ
اندرونی گرمی کے بہت زیادہ دباؤ والے علاقوں SUBDUCTION ZONES میں پایا جاتا ہے اور یہ
منطقات وہ علاقے ہوتے ہیں جہاں دو پلیٹیں BIG PLATES زمین کی تہوں کے نیچے ایک دوسرے کے
[illegible] قریب آتی ہیں مگر بعض حالتوں میں وہ ہو کر یہ پلیٹیں ٹکرانے اور ہو کر جب ٹکراتی ہیں
ایسی صورت میں ایک پلیٹ کا سرا دوسرے پلیٹ کے سرے کے نیچے دب جاتا ہے اور پھر اوپری پلیٹ
کے دباؤ بھاری وزن اور اندرونی گرمی کی وجہ سے نیچے دب جانے والی پلیٹ کا سرا پگھلنے اور ابال
کھانے لگتا ہے اور پھر یہ سیال مادہ زمین کی اوپری سطح پر زوردار آواز اور مہیب زلزلوں کے ساتھ
ابل پڑتا ہے اور آتش فشاں پہاڑوں کی شکل میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ اور اسطرح آتش فشاں پہاڑوں
کا ایک سلسلہ ان دونوں پلیٹوں کے حدود آخر میں پھیلا ہوا ملتا ہے۔ اور یہ آتش فشانی کا سلسلہ اور ان
پہاڑوں کے بننے کا سلسلہ بھی [illegible] کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

اس قسم کا عمل بحر الکاہل سمندر کی تہہ میں بھی جاری ہے جس کے نتیجے میں جزیروں کا ایک قوسی
سلسلہ سمندر کی سطح پر ظاہر ہوا ہے۔ جیسے شمالی بحر الکاہل میں یوریشین پلیٹ اور پیسفک پلیٹ کے
انتہائی حدود پر پھیلے ہوئے جزیروں اور ان پر آئے دن آنے والے آتش فشاں دھماکہ خیزیوں سے
دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ زیر آب طبقات میں ایک دوسری طرح کا تخلیقی عمل بھی ہوتا ہے جب
دو عظیم پلیٹیں مخالف سمت کی طرف حرکت کرتے اور ایک دوسرے سے دور ہونے لگتی ہیں ایسے میں

نیا اور زمینی تہوں کا پگھلا ہوا لاوا اور مادہ دور ہوتی ہوئی پلیٹوں کے درمیانی گہرائیوں میں پھیل
ہے۔ اور زیر آب سمندر کی تہوں میں ناہموار پہاڑوں اور گھاٹیوں کی شکل اختیار کرتا رہتا ہے۔
دوسری ساتھ دور ہوتی ہوئی چٹانوں کے درمیان پھیل کر سمندر کے لیے نئے فرش کی تشکیل کرتا رہتا
ہیں بے شمار پٹیاں اور حلقے بحر اوقیانوس کے پلیٹ باؤنڈریز پر پائی جاتی ہیں۔

پربلے پہاڑ FOLD MOUNTAINS

دور حاضر کی معلومات کے مطابق جب دو
بڑی پلیٹیں ایک دوسرے کی طرف سامنے
سے ایک ہی سطح پر ٹکراتی ہیں تو ان کے شدید
دباؤ کے زیر اثر ان پلیٹوں کے سروں پر مروڑ اور ٹیڑھی میڑھی شکنیں اور لہریں پیدا ہوتی ہیں جن سے
دوران پلیٹوں کے اوپر تمام زمینی طبقات بھی پرشکن اور لہردار ہو جاتے ہیں اور پھر اسی طرح
ناہموار پہاڑوں اور وادیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس قسم کے پہاڑوں کا سلسلہ
ہمیشہ متعلق پلیٹوں کے تصادم کے مرکزوں پر ان کے آخری حدود پر دور تک پھیلا ہوا نظر آتا
ہے جس کی مثال جنوبی ہند کے مشرقی گھاٹ اور مغربی ارجنٹ اور جنوبی افریقہ میں بھی دیکھی جا سکتی
ہے یہ پہاڑ براعظموں کے کنارے پر بھی نظر آتے ہیں ساحلوں کے قریب سمندر میں تہ نشین ہونے والے مادوں
اور مٹی کے تلچھٹ کی پرتیں جمنے اور پھر سخت ہو کر سنگلاخی پرتوں میں تبدیل ہو چٹانوں سے
وجود میں آتے ہیں جب یہ دو عظیم پلیٹوں کے دونوں طرف سے متوازی اور سطح دباؤ کی وجہ سے
ابھرتی ہیں اور پھر انہیں لگاتار پہاڑوں اور گھاٹیوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ دونوں طرف
پلیٹوں کے ایک دوسرے کے مقابل ٹکرانے کے نتیجے میں پرشکن اور لہردار پہاڑوں کے وجود کی مثال
کاغذ سے دی جا سکتی ہے جس کو دونوں طرف سے دبا کر پرشکن کر دیا گیا ہو۔

ان پہاڑوں میں لگاتار بلندیاں اور گھاٹیاں ان دو پلیٹوں کے دباؤ کی شدت، سمت اور ان
تمام سنگلاخی تہوں کی موٹائی کے مطابق ہی ہوتی ہیں اور اسطرح ان پہاڑوں کے ایجاد اور خلق
کا یہ رد عمل ہر رہتا ہے اور یہ پلیٹوں کے لگاتار کھسکنے اور ایک دوسرے کو
دھکیلنے کے ردعمل کے نتیجے میں انکی بلندیاں اور وسعتیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہاڑوں میں
یہ عمل اس قدر آہستہ روی کے ساتھ ہوتا ہے کہ انکا شمار جدید سریع الاثر آلات سے ہی لگایا
جا سکتا ہے۔

۲۔ توڑوں والے رخنہ دار پہاڑی سلسلے FAULT BLOCK MOUNTAINS

اس قسم کے پہاڑوں کا وجود بھی پلیٹوں PLATS کی اسی ڈھنگ کی طرز رفتار اور سمت سے عمل میں آتا ہے
کے مخالف پربلے پہاڑوں FOLD MOUNTAINS کا وجود ہوتا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلے بھی اسی طرح زمین

زمین کے اندرونی طبقات کے اوپر کی طرف کو ابھار گئے ہیں جس میں زمین کی سطح پر نمودار ہوتے رہتے ہیں جب
دو دو پلیٹیں آمنے سامنے سے ایک ہی سطح پر قریب آتی اور ٹکراتی ہیں مگر یہاں پر ان کے ابھرنے کا انداز دونوں
طرف سے مساوی اور متوازی نہیں رہا کیونکہ ان کے ایک طرف زمین کے اندرونی چٹانوں اور طبقات میں
دراڑیں اور رخنے ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں یہ پہاڑ اسی طرف کو مائل ہو کر اندر کی طرف کو دبنا اور
جھکنا شروع کر دیتے ہیں اور اسطرح یہ پہاڑ دونوں طرف سے یکساں طریقہ پر متوازی ہو کر نہیں ابھر پاتے۔
اسطرح یہ پہاڑ بلند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرف کو جھکتے رہتے ہیں اور پھر کافی بلند ہونے کے بعد ان کی
چوٹیاں غیر متوازی ہو کر زمین کی کشش ثقل کے تحت اوپر کی طرف سے ٹوٹتی اور نشیب کی طرف گر کر بکھرتی
رہتی ہیں۔ اور پھر آخری شکلوں میں یہ پہاڑ ایک طرف بلند ہوتے رہتے ہیں تو دوسری طرف ڈھلوان
ہو کر سطح زمین سے مل جاتے ہیں اوپر سے ٹوٹتے رہتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا سلسلہ انکی بلندیوں کے ساتھ جاری
رہتا ہے جس کے نتیجے میں پہاڑوں کے پھٹ پڑنے یا LAND SLIDE کے حادثات اکثر رونما ہوتے رہتے
ہیں اور اسطرح ان پہاڑوں میں بھی انکی بلندیاں اور گھاٹیاں اکثر اپنی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔

۴۔ گنبد نما پہاڑی سلسلے DOM MOUNTINS

اکثر دو عظیم پلیٹوں کے دباؤ میں آکر جب زمین کے اندرونی طبقات کی پرتیں زمین کی سطح پر ابھرتی ہیں
اور ان میں کسی طرح کا کوئی رخنہ یا دراڑ کا وجود نہیں ہوتا ایسی صورت میں یہ دونوں طرف سے برابر اور متوازی
طریقے سے وسیع و عریض شکلوں میں بہت اونچے پہاڑوں کی شکلیں اختیار کرتی رہتی ہیں اور انکی گنبد نما چوٹیاں
بہت اونچی بلندیوں تک پہنچ جاتی ہیں یہ گنبد نما شکلوں کے پہاڑ بہت عظیم ہوتے ہیں ان پہاڑوں کا بالائی
حصہ گداز اور نیز زمین کی نچلی چٹانوں پر مشتمل ہوتا ہے جسکی وجہ سے ان میں کاٹ چھانٹ اور ٹوٹتے
رہنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے جسکی وجہ سے اسطرح کے پہاڑوں پر طبقات کے پھٹ پڑنے ROCK SLIDE
کے بھیانک واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ چونکہ کسی طرف کوئی رخنہ یا دراڑ نہ ہونے کی وجہ سے یہ پہاڑ کافی
بلندیوں تک پہنچ کر بھی نہ تو غیر متوازن ہوتے ہیں اور نہ کشش ثقل سے متاثر ہو کر کسی طرف کو جھک
ہی پاتے ہیں۔ اسلئے ان کی چوٹیاں برف کی موٹی موٹی تہوں سے ڈھکی رہتی ہیں اور پھر ایسی بنیادی پھسلن
اور نیچے کی چٹانوں میں ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے اوپر کی برف کی تہیں بھی ٹوٹتی اور پھسلتی رہتی ہیں اور ایسے
مقامات اور پہاڑی خطوں میں بہت بلندیوں پر برف کے طوفان آیا کرتے ہیں جنکو ایولانچیز AVALANCHES -
کا نام دیتے ہیں۔ اور اسطرح ان پہاڑی سلسلوں میں بھی یہ حرکت و عمل اور شکلوں
کے تبدیل ہوتے رہنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۵۔ کٹتے چھٹتے رہنے والے پہاڑ EROSION MOUNTAINS

بڑی بڑی سیلابی دریاؤں یا تیز رو آبشاروں میں تہہ نشین ہوتے رہتے

ریت اور مٹی کے ساتھ دوسرے مادوں کی پرتیں جمع ہوتی اور بلند ہو کر سخت پڑتی رہتی ہیں یہ پرتیلی چٹانیں SEDIMENTARY ROCKS- تہ بہ تہ جمع ہونے کے ساتھ زمین کے اندرونی حرکت و عمل کے تحت آہستہ آہستہ ابھرتی اور بلند ہوتی رہتی ہیں اور پھر اونچے اونچے ڈھیلوں اور ٹیلوں کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں جو سیلابی پانی کی تیز روانی یا سرد علاقوں میں یخ بستہ برفانی تودوں سے کٹتے ٹوٹتے اور گھستے رہنے کے نتیجہ میں ان کے باقیات پہاڑوں کی شکلوں میں نمودار ہوتے رہتے ہیں ان پہاڑوں کو EROSION MOUNTAINS کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے یہ پہاڑ بڑی بڑی دریاؤں کے ڈیلٹوں اور وادیوں میں دیکھے جا سکتے ہیں سیلاب طغیانی اور پانی کی تیز روانی کے ساتھ جمع ریت اور پتھروں کی مناسبت سے یہ پہاڑ بھی بلندی اور ضخامت میں اپنی شکلیں بدلتے رہتے ہیں اور اس طرح انہیں بلندیاں اور وادیاں نئی اور گہری اور نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہتی ہیں۔

علم طبقات الارض کے ماہرین کے اس نظریہ پلیٹ ٹکٹانکس PLATE TECTONICS کی علم زلزلیات کے ماہرین SEISMOLOGISTS نے بھی تائید کی ہے اور انھیں بنیادوں پر انھوں نے زیر زمین ہونے والی حرکتوں کو دریافت کرنے کے آلات سیزموگراف SEISMOGRAPH بنائے ہیں جو زیر زمین ہونے والی حرکتوں اور اس کے نتیجہ میں آنے والے زلزلوں اور جھٹکوں کی اطلاع پہلے ہی دیتے رہتے ہیں سیزموگراف زمین کے اندر ہونے والی انتشاری اور زلزلیاتی حرکات کی عمودی VERTICAL اور افقی HORIZONTAL حرکتوں کو بھی نوٹ اور درج کرتے رہتے ہیں سیزموگراف اپنے گرد ۸۰۰ کیلومیٹر تک زیر زمین ہونے والی حرکات کو نوٹ کر لیتے ہیں اس وقت دنیا میں ایک ہزار سے بھی زیادہ سیزموگراف لگائے جا چکے ہیں۔ ماہرین زلزلیات کی تحقیقات نے پلیٹ ٹکٹانک تھیوری کو تقویت دی ہے اور ان کے مطابق بھی ان پلیٹوں کے آپس میں تصادم ہونے کٹنے اور نیچے اوپر ہو کر پھیلنے کے اثرات اور شدت ان پلیٹوں کے حدود آخر اور بازو شدہ پٹیوں پر مرکوز ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم نے پہاڑوں کی ٹوٹ پھوٹ اور ان کی حرکت و عمل کی بادلوں سے مثال دے کر عام فہم انداز میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کیا ہے جس کے سمجھنے کے لئے نہ تو سائنس کے کسی خشک اور دقیق نظریہ میں سر کھپانے کی ضرورت ہے نہ ٹیکنالوجی کے کسی دشوار ناہموار میں سر مارنے کی ضرورت ہے آیت قرآنی کا انداز بیان معجزانہ اور عالمانہ ہے جو آج چودہ سو سال بعد علماء طبقات الارض کی تحقیق اور معلومات کے عین مطابق ہے

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ۔

تم پہاڑوں کو خیال کرتے ہو کہ یہ جامد اور مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے (ساکن) ہیں اور جنبش نہیں کر سکتے حالانکہ یہ بادلوں کی طرح اندرونی طور پر گردش (حرکت) میں ہیں اور جمادات میں بھی گزر رہے ہیں یہ خدا کی صنعت اور حرکت دروں زندگانی ہے کہ جس نے ہر چیز کو صحیح اسلوب اور مقصد کے تحت پیدا کیا وہ تمھارے اعمال اور رفتار سے آگاہ ہے۔ (۲۷ — ۸۸)

ابھی حال ہی میں پہاڑوں کی حرکت اور تبدیلی پر ایک مضمون ۲۳ مئی ۱۹۹۳ء کے ٹائمس آف انڈیا کے سنڈے ریویو میں شائع ہوا۔ مضمون کے تحت اس عالمی حقیقت کی باقاعدہ اور باضابطہ طور پر جدید سائنس کے کوہ پیما آلات لیزر شعاعوں اور مصنوعی سیاروں جدید آلات اور وسائل کی مدد سے اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ پہاڑوں میں افقی اور عمودی دونوں طرح کی حرکتیں پائی جاتی ہیں اس سلسلے میں قارئین کی نذر معلومات کے لیے اس جائزے کے کچھ اقتباسات اردو میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

آج سے ٹھیک چالیس برس پہلے ۲۹ مئی کے دن ایورسٹ کی چوٹی MOUNT EVEREST کو سر ایڈمنڈ ہلیری SIR EDMOND HILLARY اور شیرپا تنزنگ SHERPA TENSING نے کامیابی کے ساتھ سر کیا تھا۔ اس سال تقریب کی ایک خصوصی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس سلسلے میں دوبارہ سروے کرنے کے دوران یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ ہمالیہ کے پہاڑوں کا سلسلہ قابل ذکر رفتار سے حرکت کر رہا ہے اس سے متعلق ایورسٹ کی چوٹی دنیا کی سب سے بلند چوٹی ہونے کی وجہ سے زمین کے گذشتہ اور آئندہ ادوار پر کچھ اہم روشنی ڈال سکتی ہے۔

ہمالیہ کے پہاڑ اپنے متعلقہ سطح سمندر سے متعلق اس لیے کہ دنیا کے تمام سمندروں کی سطح برابر نہیں ہے اتنے بلند پچاس لاکھ برس میں ہوئے ہیں اور آج بھی یہ پہاڑ اپنے اندر انتہائی توانائی، جوش، حرکت، عمل اور سرگرمی رکھتے ہیں۔ چائنا نیشنل بیورو آف سروے اینڈ میپنگ (N.B.S.M) CHINESE NATIONAL BUREU OF SURVEYING AND MAPPING کے ڈائرکٹر ڈاکٹر جن یانگ چن DR. JUN YONGCHEN جو ایورسٹ کی چوٹی کا گذشتہ تیس برسوں سے سروے کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ایورسٹ کی چوٹی ہر سال ۵ سینٹی میٹر بیجنگ HORIZONTAL افقی سمت میں حرکت کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ یہ چوٹی شمال کی سمت یعنی منگولیا کی طرف جھک رہی ہے۔

یہ بھی ایک شاہراہی حقیقت ہے کہ گذشتہ پچاس ہزار برسوں میں سمندر کی سطح ہر سال ۲ ملی میٹر (انچ کا تقریباً ۱/۱۰) بلند ہو رہی ہے۔ ۱۹۹۲ء سے N.B.S.M نے ایورسٹ کے پہاڑ کا گہرا اور صحیح صحیح مطالعہ کرنے کے لیے ایورسٹ کے شمال کی طرف تبت کے بلند پہاڑوں پر نہایت ہی اہم اور مخصوص بنیادوں پر TRANGULATION مثلثی طریقوں سے باریک بین آلات قائم کیے ہیں۔ اور انھیں پر یقین اور اعتماد طریقوں پر ۱۹۹۲ء میں پہلی بار ایورسٹ کی چوٹی کا نیپال کی سمت سے اور تبت کی سمت سے باریک بینی کے ساتھ سروے کیا گیا جس کا خیر مقدم اس صدی کی عظیم عالمی سطح پیمائش کے نام سے کیا گیا۔ اسی طرح سے بینوائٹ چامولکس BENTOITCHAMOLIX نام کے ایک فرانسیسی کوہ پیما نے اوسوالڈ سینٹن OSWALD-SANTIN-EQUIRE کے ساتھ اطالوی پہاڑوں پر کوہ پیما کی بلند چوٹی کا سروے کیا۔ انھوں نے اس تجربے کے دوران طرح طرح کے آلات REFLECTOR کی مدد سے بلند بلند چوٹیوں کو اور لیزر ریز LASER-BEAMS کی مدد سے فاصلوں کو صحیح صحیح معلوم کیا اور پھر اسی طرح کے آلات اور لیزر شعاعوں کی مدد سے ہمالیہ اور خصوصی طور سے ایورسٹ کی چوٹی اور تبت کے پٹھار کا بھی پہلی بار سروے کیا گیا۔ یہ آلات

ساتھ ہو پانے سکنے کے لائق اور قابل رسا مقامات اور مراکز پر ہمالیہ کی ان وادیوں اور تبت کے
نصب کئے گئے جو سطح سمندر سے ۵۰۰۰ میٹر بلند تھے اس ضمن میں SATE LITE مصنوعی سیارہ
کی مدد لی گئی اس سلسلے میں انھوں نے ایورسٹ کی نشیبی وادیوں میں ایکدوسرے سے ہم آہنگی اور
رکھنے والے ایسے چار اسٹیشنوں کا تعین کیا جو ایک دوسرے سے بالمقابل رابطہ قائم رکھ سکتے تھے۔
چنانچہ ان کے سروے کے نتائج ایک ملی میٹر کی حد تک درست تھے۔ ورنہ سطح سمندر کی ہر سال
بلند ہونے کی اطلاع اور معلومات عام حالات میں عام آلات کی مدد سے ممکن نہیں ہو سکتی
اسی سلسلے میں اس بات کی معلومات بھی ہو سکی کہ سمندر کی سطح ہر جگہ پر یکساں نہیں ہے۔ مثال
کے طور پر CHINA SEA اور بحر زرد YELLOW SEA کی سطح میں ۷۰ سینٹی میٹر (تقریباً ۲۸ انچ) کا فرق
ہے۔

غرض دور جدید سروے کے مطابق تبت کے پٹھار ہر برس میں ۴ ملی میٹر اور چین کے اکثر ساحلی
علاقے ہر برس ۲ ملی میٹر کی رفتار سے بلند ہو رہے ہیں۔ اسقدر سریع التاثیر اور ایک ملی میٹر کی درستی تک
بتانے والے آلات اور وسائل فراہم ہو جانے کے بعد ایورسٹ کے پہاڑ کا دوبارہ سروے کرنا ضروری
ہو گیا ساتھ ہی ساتھ زلزلوں کے آتے رہنے اور آتش فشاں پہاڑوں کے ابھرتے رہنے کے واقعات سے
رونما ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا اور باریک مطالعہ کرنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا جس کے ساتھ زمین
کی طبقات اور پلیٹوں کی حرکت کی اور بھی پر اعتماد دلیلیں سامنے آئیں کہ زمین کی اندرونی تہوں اور
پلیٹوں کا ساتھ اور طبقاتی عمل آج بھی پوری توانائی اور قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں ان کا مشاہدہ جدید
ترین آلات کی مدد سے بڑے محتاط ڈھنگ سے کیا جا رہا ہے۔ مگر کہ ان طریقوں میں اب بھی کچھ
خامیاں اور دقتیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایورسٹ کے پہاڑ اور تبت کے پلیٹو کے سروے سے معلوم ہوا کہ زیر زمین
موجود پلیٹوں میں سے انڈو آسٹریلین پلیٹ INDO-AUSTRALIAN PLATE جنوب سے شمال کی طرف
اور یوریشین پلیٹ EURASIAN PLATE شمال سے جنوب کی طرف ایکدوسرے کے مقابل اور ٹھیک
آمنے سامنے سے گزر رہی ہیں جسکے نتیجے میں ہمالیہ کے پہاڑ اور تبت کے پٹھار ان دونوں پلیٹوں کے درمیانی
دباؤ کی وجہ سے اوپر کی طرف بتدریج بلند ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان
پہاڑوں ہمالیہ کے سلسلے اور تبت کے پٹھار کے بلند ہونے کی رفتار دنیا کے اور تمام زمینوں سے زیادہ
ہے۔ یہ سب ان کے ماضی اور مستقبل کی ایک مبہم سی تصویر کشی کرتے ہیں۔

اس طرح دور حاضر کے جدید سائنس اور ترقی یافتہ آلات کی مدد سے ہونے والے ان انکشافات
سے قرآن حکیم کی ان آیات کی مکمل تائید اور ترجمانی ہو جاتی ہے کہ:-
تم جن پہاڑوں کو جنکو تم جامد اور غیر متحرک سمجھ رہے ہو یہ بھی بادلوں کی طرح اندرونی طور
سے گردش میں ہیں اور شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔
ان پہاڑوں سے معدنیات اور پتھر وغیرہ نکالے جانے کا سلسلہ ہر آن جاری رہتا ہے اور اگر

خدا کی قائم کردہ ہے تحت انہیں حرکت و عمل کے ساتھ ساتھ فرائش اور پائندگی کی صفت نہ ہوتی اور یہ اسی تیزی کے ساتھ بڑھتے رہتے تو اب تک پہاڑوں کا وجود ہی ختم ہو گیا ہوتا جسکے نتیجے میں دنیا اپنے توازن ہی کو کھو بیٹھتی اور پھر اپنے اوپر رہنے بسنے والوں کے ساتھ غیر متوازن ہو کر کب کی فنا کے آغوش میں چلی گئی ہوتی جس کے استحکام کے سلسلے میں قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ کیا ہے۔

"اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے تاکہ یہ تم کو لے کر کہیں جھک نہ جائے" (۱۶-۱۵)

اور ہم نے زمین پر پہاڑ بنا دیئے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے ہلنے اور جھکنے نہ لگے۔" (۲۱-۳۱)

پہاڑوں سے توڑنے اور پتھروں کے نکالنے کا یہ سلسلہ آج دنیا کے تمام ملکوں میں بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے موجودہ دور کے تعمیری کاموں، شاہراہوں، سڑکوں، ہوائی پلوں، ڈیم اور برجوں اور فلک بوس عمارتوں میں پتھروں کا استعمال ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود ان کی بلندی اور پھیلاؤ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی اور یہ سب اسی قادر مطلق کی نوازشوں کا ہی فیض ہے جسنے انہیں متحرک اور تغیر پذیر بنا کر برابر بڑھتے رہنے کی صفتیں عطا فرمائی ہیں اپنی مصلحتوں کو وہی بہتر جانتا ہے جس نے کائنات کی کسی چیز کو بیکار نہیں پیدا کیا۔

"اور ہم نے زمین اور آسمان اور جو کائنات میں ہے اسکو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا" (۳۸-۲۰)

یہ آیت گویا انسان کو آئندہ کے لئے بھی دعوت فکر و عمل دے رہی ہے۔ مگر کیا انسان کی پرواز تخیل اور وسعت علم کبھی اس سچائی تک پہنچ سکے گی — !کون جانے — !!

بار آور ہوائیں

بیسویں صدی کے اوائل تک یہ حقیقت پردۂ راز میں تھی کہ بادلوں کو حاملہ اور بار آور کر دینے والی ہوائیں بھی ہوتی ہیں جو بارش لانے کا ذریعہ بنتی ہیں اور بادلوں کے اندر آبی بخارات اور پانی کی کمی رہتے ہوئے بھی بارش بار آور ہواؤں کے حاملہ کر دینے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ علم موسمیات نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیق و جستجو کے بعد اب یہ بات معلوم کر لی ہے اور آج کے دور میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بادلوں کا محض پانی کے ابخرات سے پُر ہونا، مناسب حرارت کے ساتھ انکو ہواؤں کا حرکت دینا ہی بارش کا ذریعہ نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک خاص قسم کی بار آور ہوائیں ان بادلوں کو حاملہ نہ کریں۔ ان نظریات کو اور بھی وسعت اور فروغ دینے اور آئندہ بھی تجسس اور دریافت کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے محکمہ موسمیات کا ایک علیحدہ شعبہ بھی قائم ہو چکا ہے اور انہیں نظریات اور اصولوں کے تحت دور حاضر میں خصوصی کیمیاوی آمیزوں کے ساتھ نمکین اور برفیلے سالمات کے ذریعے

صوتی بارش کی جاسکتی ہے۔ جبکہ قرآن حکیم نے اس نظریے کی طرف آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے رہبری کی ہے
اور ہم ہی نے ہواؤں کو
جو بار آور کرنے والی ہیں اور اس وقت آسمان سے پانی برسایا۔" (۱۵ – ۲۲)
اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک سربستہ راز تھا جس سے قرآن حکیم نے صدیوں پہلے پردہ اٹھایا ہے یعنی بادلوں کا
بار آور ہونا اور مخصوص بار آور ہواؤں کا ان بادلوں کو حاملہ کرنا۔ اس بات سے فطرت کے اس عالمی
قانون کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ دنیا کی ہر شے کی طرح اس حرکت و عمل میں بھی رشتہ زوجین قائم ہے۔
ابتک علم موسمیات کے ماہرین نے جدید قسم کے حساس آلوں کی مدد اور جوہری دوربینوں کے
ذریعے یہ بات معلوم کرلی ہے کہ بارش کے لئے بادلوں میں پانی کے اجزات کا ہونا اور مناسب حرارت
کا پایا جانا ہونے کے اسباب نہیں بن سکتے بلکہ بارش کے لئے ایک تیسری اور سب سے اہم چیز ہے بار آور
ہواؤں کا ہونا اور شاید اسی وجہ سے اور ان بار آور ہواؤں کے فقدان کی وجہ سے بارش کے سلسلے میں
کوشش اور ناکامی بھی دیکھی گئی ہے خالص پانی کے لئے یہ ممکن ہے کہ زیرو ڈگری (۰) سینٹی گریڈ سے نیچے
درجہ حرارت پر بھی وہ منجمد نہ ہو سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ خالص پانی سو ڈگری سینٹی گریڈ (۱۰۰) سے
زیادہ گرم ہو جانے کے بعد بھی نہ ابل سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اجزات پانی بن جانے کی منزلوں تک
پہنچ جانے کے بعد بھی قطرات میں تبدیل نہ ہو سکیں یا پھر اگر وہ قطرات میں تبدیل ہو بھی جائیں تو
ہواؤں میں ہی تحلیل ہو کر معلق رہ جائیں اور اس کے قطرات زمین تک نہ پہنچ سکیں۔
بارش ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تیز ہوائیں اور سطح سمندر سے نمک کے غیر مرئی ذرات بادلوں
تک پہنچ جائیں تاکہ وہ بادلوں میں جوہری کشش اور باہمی ردعمل پیدا کر کے بارش کا ذریعہ بن سکیں۔
اس سلسلے میں موجودہ دور کے ماہرین موسمیات اور جغرافیہ نے اب تک کے اپنے تجربات کی بنیادوں پر بارش
کے اجزات اور بار آور ہواؤں کے سلسلے میں جو نظریات قائم کئے ہیں انکا اجمالی خاکہ اس سلسلے کی
بارش ہونے کے ساتھ خدا کی قدرت، حکمت اور صناعی کا بھی مظہر ہے۔ اب تک کی معلومات اور مشاہدات
کی بنیاد پر انکا نظریہ ہے کہ اگر ہواؤں میں پانی کے اجزات اور بخارات وافر مقدار میں موجود نہ ہونے کے
ساتھ ساتھ ہواؤں میں سردی اور ٹھنڈک زیادہ ہے تو ان ہواؤں میں اور زیادہ نمی اور رطوبت
جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رہے گی اور بہت زیادہ ٹھنڈک اور گھٹن کے باعث ہواؤں میں موجود
تمام نم اجزات رقیق یا نیم کثیف شبنم کے باریک قطروں میں تحلیل ہو کر فضاؤں میں پھیل جائینگے
اور افق پر کہرے کی دھند چھا جائے گی۔ ٹھنڈک کے جس نقطے پر پہنچ کر ہواؤں میں موجود نمی کے
بخارات قطروں میں بدل سکتے ہیں انہیں ڈیو پوائنٹ DEW POINT یا شبنمی نقطہ کہتے ہیں۔ ان
شبنمی قطرات کی وجہ سے ہواؤں کا درجہ حرارت اور بھی گر جاتا ہے اور جاڑوں کی لمبی اور سرد
راتوں میں تو ہواؤں میں ٹھنڈک نقطہ انجماد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور یہی رقیق یا نیم سیال شبنم کے قطرے
کبھی تو گاڑھے اور سفید رنگ کے آبگینوں میں تو کبھی منجمد اور نیم منجمد برف بن کر زمین پر

ترشح کرتے ہیں۔ ہواؤں میں ٹھنڈک اور خنکی جسقدر زیادہ ہوگی اسمیں پانی کو ابخرات کی شکل میں قائم
رکھنے کی صلاحیت اسی اندر کم ہوجائے گی اور ایسی حالت میں ہوا میں موجود تھوڑی بہت نمی بھی منجمد شکل
اختیار کرے گی۔ اور اسی حرارت نقطہ انجماد کو ڈیو پوائنٹ DEW POINT کہتے ہیں جو جغرافیائی زبان
میں نقطہ ابخارات BOILING POINT اور نقطہ انجماد FREEZING POINT کی طرح اور اتنا ہی اہم ہے۔
ڈیو پوائنٹ کا معیار ۵ سے ۲ ڈگری تک قائم کیا گیا ہے۔ ویسے تو ہواؤں میں ڈیو پوائنٹ کا تعلق اسمیں پائی جانے والی
پانی کے بخارات سے براہ راست ہوتا ہے۔ ہوا میں اگر نمی کے ساتھ ساتھ ٹھنڈک اور سردی بھی ہوتی ہے تو ایسے
حالات میں تھوڑی سی ٹھنڈک اور خنکی بھی انھیں ڈیو پوائنٹ تک لے جاسکتی ہے مگر اس کے برخلاف اگر ہوا
میں پانی کے ابخرات کا فقدان ہے جیسا کہ گرم ریگستانی علاقوں میں پایا جاتا ہے تو ایسی حالت میں ڈیو پوائنٹ
تک پہنچنے میں ہواؤں کو کافی ٹھنڈک اور خنکی کی ضرورت ہوگی۔ اور اسطرح ڈیو پوائنٹ تک پہونچنے اور
ابخرات کو سیال یا نیم سیال حالت DEW POINT پانے کے لئے ہواؤں میں حرارت کا کم سے کم ہونا
اور ہواؤں میں پائی جانے والی نمی ہی ہوگی۔

ڈیو پوائنٹ کے اجمالی تذکرہ کے بعد پانی کے قطروں اور کثیف دھندوں کا بارش کی شکل میں تبدیل
ہوجانے کا نظریہ ہی اصل مضمون ہے جس کے سلسلے میں آیات قرآنی نے بتلایا ہے کہ ہم ہی نے ان مخصوص اور
بار آور کردینے والی ہواؤں کو بھیجا اور اسطرح آسمان سے پانی برسایا۔ جغرافیہ اور علم موسمیات کے ماہرین
قرآن حکیم کی ان آیات سے بہت دنوں تک کوئی نظریہ قائم کرنے کے قابل نہ تھے اور اس بات کا علم
انسان کو موجودہ دور میں ہی ہوسکا۔ موجودہ صدی کے ابتدائی دور تک ماہرین کا یہی خیال تھا کہ ہواؤں
میں [illegible] اور بادلوں کا پانی کی نمی سے بھرا ہونا ہی بارش کا باعث ہوتا ہے۔ مگر آج یہ بات صاف ہوچکی
ہے کہ پانی کے ابخرات سے بھری ہوئی ہوائیں اور بادلوں کے ساتھ بارش ہونے کے لئے بار آور ہواؤں کا
ہونا بھی بیحد ضروری ہے جو کہ عمل پانی کے بخارات اور بادلوں کے درمیان ایک کیمیائی ردعمل پیدا کردیتا ہے
جسکے نتیجے میں ہی بارش ہوسکتی ہے۔ بارش کے معیاری نظریات کے مطابق پانی کے ابخرات ہواؤں میں
اسی وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب تک انمیں سو فیصدی ۱۰۰٪ نمی اور تراوٹ نہیں آجاتی پھر ایسے
بھی فضاؤں میں خنکی اور نقطہ انجماد سے کم یا زیادہ ہونے کے مطابق یہ کبھی تو بارش کے قطروں کی صورت
میں اور کبھی نیم کثیف یا کثیف برف کے گالوں کی شکلوں میں یا پھر کبھی کبھی منجمد برف (اولوں) کی شکلوں
میں برسنے لگتے ہیں۔ جن ہواؤں میں حرارت نقطہ انجماد سے نیچے ہوتی ہے انمیں پانی کے سیال قطرے نہیں
پائے جاتے اور ایسی ہواؤں میں ہی سیال قطرے نیم سیال آمیزوں اور برف کے بہت باریک ذرّوں
اور ریزوں میں بدل جاتے ہیں اور اسطرح جن ہواؤں میں حرارت نقطہ انجماد سے نیچے ہوتی ہے ان میں
پائی جانے والی آبی گیس اور ابخرات براہ راست منجمد برف کی شکل اختیار کرلیتے ہیں جسکو علم جغرافیہ اور
علم موسمیات کی زبان میں سبلی میشن (SUBLIMATION) ارتفاع کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ بنیادی مفروضہ
محض ایک حد تک ہی قابل قبول ہوسکتے ہیں کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فضاؤں میں شبنم اور کہرا اسوقت

ہو جاتا ہے جب اس میں نمی HUMIDITY سو فیصدی ہوتی ہے اور ٹھنڈک نقطہ انجماد سے نیچے ہوتی ہے۔

عرصہ دراز تک عالمی سطح پر یہ بات تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ کثیف بوندیں اور بڑی رقیق بوندیں اسی وقت ممکن ہو سکتی ہیں جب فضاؤں میں ایسے خوردبینی سالمات موجود ہوں جنکی قوت جاذبہ کے زیر اثر ننھے آبگینے ان کے گرد جمع ہو کر پانی کی بوندوں کی شکل اختیار کر سکیں۔ ان خوردبینی سالمات کے متعلق بہت دنوں تک یہی قیاس کیا جاتا تھا کہ یہ ذرات کسی بھی طرح کی دھول یا گرد و غبار کے ہو سکتے ہیں۔ اب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ یہ ذرات عام دھول اور گرد و غبار کی طرح بے حرکت و عمل نہیں ہیں بلکہ ان خصوصی سالمات میں نمی کو اپنے گرد اکٹھا کر لینے اور ننھے ننھے آبگینوں میں بدل دینے کی ایک ایسی جوہری توانائی ہوتی ہے جنھیں نمی کو اپنی طرف مائل کرنے کی ہائی گروس کوپک HIGROS COPIC صفت ہوتی ہے اور ان سالماتی ذرات میں پانی کے ابخرات سے ایک خاص قسم کا لگاؤ اور تعلق پایا جاتا ہے یہ خصوصی جوہری سالمات ان ابخرات کو پانی کی بوندوں میں بدل دیتے ہیں۔

ان سالمات کا خاص جزو نمک یا نمکین ذرات ہوتے ہیں جنکا چھڑکاؤ اور ترشح سمندری ہواؤں MONSOON کے ذریعے ہوتا ہے۔ سمندر سے قریب خشک اور ساحلی علاقوں پر اسکا چھڑکاؤ سمندر کی لہروں سے اور پھر فیکٹریوں اور ملوں سے نکلتے ہوئے دھوئیں میں کوئلے اور تیل میں پائے جانے والے فاسفورس اور گندھک کے کیمیاوی مرکبات کے ذریعے بھی ہوتا ہے گو وافر مقدار میں ان نمکین سالمات کے چھڑکاؤ کا عمل سمندروں سے ہی ہوتا ہے جو مانسون کے ساتھ اوپر اٹھ کر دور دراز علاقوں تک پھیل جاتا ہے اور اس طرح بارش کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان نمکین سالمات کے لاتعداد ذرات سطح سمندر اور ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ ان شہروں پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں جہاں ملوں اور کارخانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ بعض نمکین سالمات کے کیمیاوی عمل کے ذریعے بہت کم مقدار میں نمی اور ابخرات رکھنے والی فضاؤں میں بھی سمندر کے ساحلوں اور صنعتی شہروں کے اوپر کہرے اور شبنم کی دبیز دھند نظر آتی ہے بارش کے انھیں نظریات اور مشاہدوں کی بنیادوں پر ہی نمک فاسفورس اور زنک کے ذرات کے ترشح کے چھڑکاؤ کی مدد اور ذریعوں سے علم موسمیات کے ماہرین مصنوعی بارش لانے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں اور یہی ہیں وہ مخصوص ہوائیں جو سالماتی ذرات رکھتی ہیں اور جو بادلوں اور ابخرات میں پہونچ کر اپنا خصوصی کیمیاوی عمل کرتی اور بارش لانے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اور اس طرح بارش کے ابخرات کو پانی کی رقیق بوندوں میں تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ ان پانی سے کشش رکھنے والے سالمات کو ہائی گروس کوپک پارٹیکلس HYGROSCOPIC PARTICLES کہتے ہیں اور اس طرح ان خصوصی سالمات ہائی گروس کوپک ذرات سے متاثر ہو کر پانی کے ابخرات ان کے گرد ننھے ننھے آبگینے ایک دوسرے سے مل جل کر ننھی بوندوں کی شکل میں اکٹھا ہوتے ہیں اور پھر بڑی بوندیں بنتے اور اس طرح بارش کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں انکا ابتدائی منظر ایک طرح کی دھند یا بھاپ HAZE سے شروع ہوتا ہے اور پھر برودت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دھند کی یہ شکل

قرآن ایک معجزہ یا کتاب آسمانی

قرآن خداوند کریم کا نازل کیا ہوا ایک عطیہ نورانی ہے۔ ایک علم کا خزانہ ہے۔ ایک عظیم رہبر ہے
تمام عالم انسانیت کو جسکے کتاب آسمانی ہونے کوئی شک نہیں ہے۔ قرآن پاک کی عربی زبان نہایت
ہی سلیس اور سادہ مگر جاذبیت سے بھرپور جو عرب کے تاریک دور میں بھی عام فہم تھی اور آج بھی عام فہم
ہے انداز بیان نہایت ہی سلیس اور سادہ مگر پر از حکمت جسکے طرز بیان کی قدرت اور حیرت انگیز
جاذبیت نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اپنے وقت کے سارے عربی زبان
کے دانشوروں کے ذہنوں پر چھا گیا۔ کفار و مشرکین عرب حقائق کے حصار میں محصور ہو کر رہ گئے۔
قرآن پاک کے عبارات و الفاظ کی موزونیت اور کلمات کی ترتیب اپنے دامن میں بہت ہی حکیمانہ اور
پر معنی گہرائیاں لیے ہوئے ہیں۔ آیات میں الفاظ کی بندش ایسی یا وزن اور کشش ہے کہ اگر کسی آیت کو
یا اس کے کسی الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا جائے تو نہ پھر اسمیں وہ روانی رہ جائے گی۔
اور نہ وہ تسلسل پیدا ہو سکیگا۔ اور یہ ہے قرآن حکیم کا ایک معجزہ دائمی اور قیامت تک کیلئے ......
نزول قرآن کے بعد اہل عرب ایک ایسے لٹریچر سے شناسا ہوسکے اور عربی زبان کو ایک ایسی ادبی عبارت
مل سکی جو نہ تو نظم ہے نہ نثر مگر ہاں یہ اپنے طرز کی ایک علیحدہ صنف ہے جسکا نہ کوئی ہم پلہ ہے اور نہ
ہمسر اور اسکو صرف قرآن ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ لاثانی ہے۔ اپنی ذات کا اکیلا اور واحد۔ آغوش وحدت
سے نکلا ہوا اور خدا کی یکتائی کا گواہ۔!! اہل عرب اور مشرکین زبان داں جب قرآن کی جادو بیانی
سے بے حد متاثر ہونے لگے۔ جب کوئی جواب نہ لا سکے تو مضطرب ہو گئے اور جب انکے کافر ذہن مفلوج
ہونے لگے تو آیات قرآنی کو جادو اور سحر کا نام دیکر اسکی گراں باری سے بلکہ وحشی کی مصنوعی راہیں نکالنے
لگے!!

قرآن بے مثال ہے۔ اسمیں جو قصے ہیں۔ جو تاریخی یادگاریں ہیں جو علم سائنس اور تخلیقات کے
تذکرے ہیں وہ سب حقائق پر مبنی ہیں جنکے اثبات یا تاریخ اور علم و ادب اور سائنس کے صفحات پر اور
یا پھر آثار قدیمہ کی شکلوں میں اسکے صداقت کی گواہی دے رہے ہیں۔ علمی حقائق کے تذکروں سے
تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک عظیم الشان بحر علم موجیں مار رہا ہے۔ قرآن کریم کو جتنی بار پڑھیے ہر بار ملے
گی ایک روحانی مسرت اور ایک جدید ایمانی تقویت۔۔
جیسے جیسے علم کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے لاعلمی کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ سائنس فزکس
فزیالوجی۔ میڈیکل سائنس اور علم کیمیا وغیرہ جیسے علوم میں نئی نئی تحقیق و جستجو کے ساتھ ساتھ معلومات

تھی بوندیں پانی کی بڑی بوندوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اس سے پہلے کہ بارش ہو یہ دھند بڑی تیزی کے ساتھ فضاؤں میں بڑھتی ہوئی سوانی ہواؤں کی سمت دلکش انداز میں بارش کا پیغام دیتی ہوئی چلی بڑھتی ہیں جس کی طرف قرآن کی آیات سے اشارہ کیا ہے۔

ھوالذی ارسل الریٰح بشرًا بین یدی رحمتہ وانزلنا من السماء ماءً طہورًا لنحیی بہ بلدۃً میتًا ونسقیہ مما خلقنا انعامًا واناسی کثیرًا ۵

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے مینہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا کہ اس سے شہر مردہ زمین کو زندہ کر دیں اور پھر چوپائے جو ہم نے پیدا کئے ہیں انکو اور بہت سے آدمیوں کو وہی پانی پلاتے ہیں۔ (۲۵ — ۴۸ — ۴۹)

علم موسمیات اور جغرافیہ کے ماہرین نے اپنے مشاہدات اور تجربات کی بنیادوں پر مانسون اور بارش کے تحت بادلوں کی قسموں انکی ترتیب اور علاقائی نشانات کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بنیادوں پر وہ موسمیاتی پیشین گوئی بھی کر سکتے ہیں بادلوں کی تقسیم و سحابات باہم از دواجی ہے۔ ماہرین نے اپنے تجربات اور مطالعات کے بعد ان سے بڑے محسوس اور قابل قبول نتائج اخذ کئے ہیں بادلوں کے ذریعہ ان سے لگے والے قابل فہم علامات کو ایک درجن قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کو علم جغرافیہ میں بین الاقوامی سطح پر قبول کیا ہے اور جس کا ایک مختصر سا ذکر کر دینا معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہوگا۔

A (اے) بادلوں کا وہ مجموعہ جو زمین سے کم از کم بیس ہزار فٹ (۲۰۰۰۰) کی بلندی اور اس سے اوپر نظر آتا ہے اور اسکی مندرجہ ذیل تقسیم کی گئی ہیں۔

(۱) سائرس (C I) CIRUS۔ یہ بہت ہی پتلے اور پروں جیسے نازک اور ریشہ نما ہر کے ٹکڑے آسمان پر جا بجا جیسے بے ترتیبی سے پھیلے نظر آتے ہیں۔ یہ اچھے اور رواں معتدل موسم کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن اگر یہی بادل کے ریشے بے ترتیبی سے پھیلے ہوئے ٹکڑے سخت ہو کر لمبی لمبی دھاریوں میں نظر آتے ہیں تو ان سے آنے والے خراب موسم کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(۲) سیرس ٹریٹس (C.S) CIROSTRATUS بادلوں کی سفید دودھیا پتلی اور ہلکی سی چادر آسمان پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے اور ان بادلوں سے چاند اور سورج کے گرد ایک ہالہ سا نظر آتا ہے جو آنے والے طوفان برف و باراں کی نشاندہی کرتا ہے۔

(۳) سیرو کیومولس (C.C) CIROCUMULUS۔ گول گول سفید برف کے گالوں جیسے بادلوں کے ٹکڑے جنہیں چھوٹا میں بڑے ٹکڑے کم ہی ہوتے ہیں دھاریوں میں ترتیب سے نظر آتے ہیں۔ یہ بادل رنگوں میں سفید اور کچھ کسی ملاوٹ سے ہوتے ہیں یہ بادل برف کے ذرات کے حامل ہوتے ہیں اور برف باری کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔

B (بی)۔ بادلوں کا وہ مجموعہ جو بیس ہزار فٹ سے چھ ہزار یا پانچ سو ۶۵۰۰ فٹ کی اونچائی تک نظر آتا ہے۔

(۴) آلٹو سٹریٹس (A.S) ALTOTRATUS یہ بھورے رنگ کے یکسانیت رکھنے والے بادل ریشے اور دھاری دار نظر آتے ہیں۔ یہ بادل گھنے اور بہت زیادہ گہرے نہیں ہوتے اور ان بادلوں سے سورج اور چاند دھندلے اور ہلکی سی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ان بادلوں سے اکثر چوبیس گھنٹوں کے اندر بارش ہونے اور تیز ہواؤں کے چلنے کے آثار ملتے ہیں۔ ایسے بادل سرد علاقوں میں چوبیس گھنٹوں کے اندر طوفانی برف باری کا پیش خیمہ بھی ہو سکتے ہیں۔

(۵) آلٹو کیومیلس (A.C) ALTOCUMULUS یہ ناہموار اور غیر مسطح قسم کے [illegible] بادل عموماً دھاری دار نظر آتے ہیں اور گھنے ہونے کی وجہ کر اپنا دبیز سایہ زمین پر ڈالتے ہیں۔ ایسے بادل عام حالات میں نظر آنے والے کسی خاص موسمی تبدیلی کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔

(ع) بادلوں کا گروہ جو عموماً چھ ہزار یا پانچ سو ۶۵۰۰ فٹ کی بلندی سے زمین کے نزدیک ترین حدود تک نظر آتا ہے۔

(۶) اسٹریٹو کیومیلس (S.C) STRATO CUMULUS یہ بادل عموماً مختلف ڈلی اور گردی شکلوں کے بھورے رنگ کے ہوتے ہیں جن کے درمیان میں خلا بھی اور وقفے ہوتے ہیں مگر ان میں بھی ایک تسلسل نظر آتا رہتا ہے یوں لگتا ہے کہ یہ بادل ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ ان بادلوں میں گرج اور چمک زیادہ ہوتی ہے مگر بارش کے امکانات محض برائے نام ہوتے ہیں۔

(۷) اسٹریٹس (S.T) STRATUS زمین کی سطح کے قریب نظر آنے والے یہ بادل کہرا جیسے چھائے ہوئے ہوتے ہیں مگر زمین پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۸) نمبو سٹریٹس (N.S) NIMBOSTRATUS یہ بالکل بے شکل ہموار اور گھنے بادل ہوتے ہیں اور تاحد نظر پست اور تنگ نظر آتے ہیں جن سے مسلسل بارش کے امکانات قوی ہوتے ہیں۔ اور اکثر طوفانی بارش کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سرد علاقوں میں ایسے بادلوں سے مسلسل برف باری بھی ہوتی ہے۔

(ذ) بادلوں کا وہ گروہ جو عمودی شکلوں میں سولہ سو ۱۶۰۰ فٹ کی بلندی تک نظر آتا ہے۔

(۹) کیومولس (C.U) CUMULUS عمودی انداز اور شکلوں میں قائم یہ گھنے اور گہرے بادل جن کی چوٹیاں اور ابھار کی شکل گنبدوں یا تہہ بندیوں جیسی نظر آتی ہے اور جن کے نچلے اور بنیادی حصے ہموار اور مسطح ہوتے ہیں۔ یہ بادل معتدل موسم اور عام حالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن یہی بادل اگر گھنگھور گھٹاؤں کی شکل میں اور بہت اونچے نظر آتے ہیں تو انہیں بجلیوں کی گرج اور چمک بھی ظاہر ہوتی ہے اور بجلیاں عمودی شکلوں میں لہراتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر ایسے بادل اکثر موسمیات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۱۰) کیومولونمبس (C.B) CUMULONIMBUS یہ بہت گھنے قسم کے عمودی اٹھتے ہوئے بادل ہوتے ہیں جن کی اوپری سطح اور لمبائی پہاڑوں جیسی نظر آتی ہیں۔ ایسے بادلوں سے شدید طوفانی بارش بجلیوں کی چمک اور گرج کے ساتھ لگاتار طوفانی بارش اور ژالہ باری بھی ہو سکتی ہے۔

موسمیات کے تحت سطحی رجحانات اور ابر آلود ہونے کے سلسلے میں کچھ اشاراتی ہندسوں کا استعمال

بھی کیا جاتا ہے اور اسی طرح اگر مطلع بالکل صاف ہے اور آسمان پر بادل نہیں ہیں تو ایسے آسمان کو "زیرو ابر آلودگی" یا "CLOUDINESS -0" کہتے ہیں اسی طرح اگر آسمان مکمل طور سے ابر آلود ہے تو اسے "١٠ درجہ ابر آلودگی" یا "CLOUDINESS -10" کے جملے سے ظاہر کرتے ہیں۔

آیات قرآنی نے خصوصیت کے ساتھ جن بادل اور ہواؤں کا ذکر کرتے ہوئے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہماری رہبری کی ہے وہ آج کے دور میں ایک عالمی حقیقت بن چکی ہیں اور آج دنیا کے تقریباً ہر زرعی ملک میں مصنوعی بارش کا جو طریقہ رائج ہے جس کا نام ماہرین موسمیات نے اپنی زبان میں "کلاوڈ سیڈنگ" CLOUD SEEDING یا بادلوں پر تخم ریزی کرنا رکھا ہے۔

حق الحسان نے اس مضمون کو تمام کرنے کے ذریعہ مصنوعی بارش پر ایک رپورٹ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۳ء کے ٹائمس آف انڈیا میں نگاہوں سے گذری مضمون کی افادیت کو دیکھتے ہوئے اس کے کچھ اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

" وزیر زراعت ڈاکٹر بلرام جاکھڑ نے ملک کے ان علاقوں کے لئے جو اکثر قحط باراں کا شکار ہو جاتے ہیں ہوائی جہازوں کے ذریعہ بادلوں پر مخصوص کیمیاوی چھڑکاؤ کر کے مصنوعی بارش لانے کا اعلیٰ قومی سطح پر ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے محکمہ زراعت کے ان ۳۳ ہوائی جہازوں کو استعمال میں لانے کی ہدایت دی جو ۱۹۸۰ء میں "ٹڈی دل" ختم کرنے کے لئے تھے اور جن کا استعمال ابتک شاید ہی کبھی کیا جا سکا ہے۔ وزیر زراعت نے ان ہوائی جہازوں کو ٹڈیوں پر چھڑکاؤ والی مہمات میں بھی استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر بلرام جاکھڑ نے صحافیوں کو بتایا کہ وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے مصنوعی بارش کے منصوبہ کو اپنی منظوری بھی دیدی ہے اور اس کی تفصیلات جلد ہی مرتب کی جائیں گی تاہم کئی ماہرین موسمیات اور سائنسداں اس منصوبے سے متفق نہیں ہیں اور بادلوں سے مصنوعی تخم ریزی کے ذریعہ بارش لانے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بادلوں پر تخم ریزی کے ذریعہ مصنوعی بارش لانے کا تجربہ ۱۹۸۳ء میں مدراس میں کیا گیا تھا اور پھر اس سال پھر حیدرآباد میں بھی کیا گیا۔ ان تجربات کے بعد وہ اس حد تک پر یقین نہیں ہیں کہ یہ عمل عام حالات میں کامیاب ہو سکے ڈپارٹمنٹ آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی
& TECHNOLOGY — DEPARTMENT OF SCINCE —
(DST) نے بادلوں پر تخم ریزی کے تجربات مہاراشٹر کے دو قحط زدہ علاقوں میں کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اس سلسلے میں کوئی یقینی دستور العمل مرتب کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ خود مشکوک ہیں کہ تجربات کے دوران جو بارشیں ان علاقوں میں ہوئیں وہ مصنوعی تخم ریزی کی وجہ سے ہوئیں۔ لیکن ان تجربات کے بعد سائنسدانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بادلوں پر مخصوص کیمیاوی چھڑکاؤ کرنے سے بارش ہو سکتی ہے ان کے مطابق ہوائی جہاز والے سلور آئیوڈائڈ SILVER IODITE کا چھڑکاؤ بادلوں کے مرکزی اور بیرونی حصے CORE درجہ حرارت پر کرتے ہیں تب بارش ہو سکتی ہے اور یہ کیمیاوی چھڑکاؤ مخصوص حالات میں اور

تک بادلوں میں ہی کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ حرارت رکھنے والے اور گرم بادلوں کے مرکزی مغز (بیج) دانی یعنی نمک — SODIUM CHLORIDE کا چھڑکاؤ ہی کافی ہے۔

اس طرح بارآور ہواؤں، موسمی ہواؤں، بارش اور بادلوں کے سلسلے کا اجمالی تذکرہ جسکا ذکر قرآن مجید کئی جگہوں پر آیا ہے ان مقدس آیات پر ختم کرتا ہوں۔

الم تر ان اللہ یزجی سحابا ثم یولف بینه ثم یجعله رکاما فتری الودق یخرج من خلله وینزل من السماء من جبال فیها من برد فیصیب به من یشاء ویصرفه عن من یشاء یکاد سنا برقه الخ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر انکو آپس میں ملا دیتا ہے پھر انکو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل کر برس رہا ہے۔ اور آسمان پر جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر اسکو چاہتا ہے اسکو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا رکھتا ہے اور بادل میں جو بجلی ہوتی ہے اسکی چمک آنکھوں کو خیرہ کر کے بینائی کو اچکے لئے جاتی ہے۔ (۲۴ — ۴۳)

ہوائیں اور ادراک

ہواؤں کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر آیا ہے ہوائیں موسمی حالات پر دو بنیادی طریقوں سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان کا پہلا عمل زیر زمین اور زمین کے سطحی کرہ کی گرمی اور حرارت کو اوپری کرہ کی طرف منتقل کرنے اور لے جانے کا ہے اور اس طرح زمین پر سطحی اور طبقاتی حرارت کو حد اعتدال اور متوازن حدود کے اندر ہی رکھتا ہے۔ ہواؤں کا دوسرا اہم کردار زمین کے خشکی والے اور میدانی علاقوں پر مرطوب ہوا (نمی) پہنچانے اور بارش لانے کا ہوتا ہے۔

ہوائیں پانی کے ابخرات سمندر کی سطح سے ابھار کر خشکی کی طرف لے جاتی ہیں جہاں کبھی چند عوامل اور عمل کے تحت یہ کبھی تو رحمتیں اور ہریالیاں، کبھی منجمد گالوں جیسی برف تو کبھی پتھروں اولوں کی شکل میں برس پڑتے ہیں۔ یہ ایک جغرافیائی حقیقت ہے کہ بارش کی کمی اور زیادتی کا ہواؤں کے دباؤ اسکے چلنے کے نظام اور سمتوں سے گہرا تعلق ہے۔ ہواؤں کے چلنے اور ان کی سمتوں کا حالات اور موسم سے براہ راست تعلق ہے۔ ہواؤں کے تیز یا دھیمی رفتار میں چلنے ہواؤں کے دباؤ AIR PRESSURE اور حرارت TEMPERATURE کے سلسلے میں علم جغرافیہ اور علم موسمیات نے مشاہدات و تجربات کی بنیادوں پر بڑے اہم نظریات قائم کئے ہیں۔ یہ ایک بہت وسیع علم ہے جس پر قرآن مجید کی آیات نے اشارہ کیا ہے۔

وتصریف الریاح آیات لقوم یعقلون

ہواؤں کے چلنے میں حرارت اور نمی کا نمایاں اثر پڑتا ہے۔ ہواؤں کے چلنے، سمتیں بدلنے اور ایک خاص
سمت کی طرف جاری رہنے کا عمل ہواؤں کے دباؤ AIR PRESSURE کے تحت ہی عمل میں آتا ہے۔
جبکہ ہواؤں کے دباؤ اور پریشر کا حرارت TEMPERATURE سے براہ راست تعلق علم جغرافیہ کے نہایت
ہی منطقی اور مستدلانہ بنیادوں پر قائم اور تسلیم شدہ ہے۔ علم جغرافیہ کے ماہر اور مصنف پروفیسر گلن ٹی
ٹریورتھا GLENN T. TREVERTHA رقم طراز ہیں کہ:

"علم جغرافیہ ہواؤں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دو مقامات کے ہواؤں
کے دباؤ PRESSURE کی وجہ کر ہواؤں میں حرکت اور روانی پیدا ہوتی ہے۔"

پریشر اور دباؤ کے غیر متوازن ہونے کے نتیجے میں ہوائیں کبھی نرم اور آہستہ آہستہ چلتی ہیں تو کبھی
آندھیوں کی رفتار اختیار کرلیتی ہیں چونکہ ہواؤں کے ذریعہ ہی ٹمپریچر اور حرارت کے ساتھ پانی کے بخارات
کا بھی تعلق ہے اس لئے ہواؤں کے دباؤ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر ان کے غیر متوازن ہونے کی
وجہ کو سمجھنے کے بعد علم جغرافیہ کی ہواؤں سے متعلق نظریہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ہواؤں کے دباؤ کے سلسلے میں دو مختلف خطے پائے جاتے ہیں۔

(۱) زیادہ دباؤ والے HIGH PRESSURE خطے جہاں ہوا کا دباؤ گرد و پیش کے علاقوں سے نسبتاً
زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) کم دباؤ والے LOW PRESSURE خطے جہاں پر ہوا کا دباؤ گرد و پیش کے علاقوں سے نسبتاً کم ہوتا
ہے اور اس کے علاوہ ہواؤں کے دباؤ کا کوئی تیسرا معتدل یا اوسط دباؤ والا خطہ نہیں ہو سکتا۔ اور
ہواؤں کے کبھی دھیمی اور کبھی تیز رفتار سے چلنے کا بھی راز ہے جس میں خدا کی عظیم حکمت ہے اور عقلمندوں کے
لئے اسکی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

علم جغرافیہ نے اس عقدہ کو بڑی حد تک حل کرلیا ہے ہواؤں کے ایک مقررہ حجم VOLUME کی
ڈینسٹی DENSITY (گھنا پن) اور اسکا وزن WEIGHT درجہ حرارت TEMPERATURE کے مطابق
کم یا زیادہ ہوا کرتا ہے اور اسطرح جب ہوا گرم ہوتی ہے تو حرارت کے زیر اثر وہ پھیلتی ہے جس کے
نتیجے میں اسکا حجم بھی بڑھ جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسکا وزن اسکی ڈینسٹی کے مطابق کم ہو جاتا ہے
اسی طرح ٹھنڈی ہواؤں کا حجم گھٹ کر زیادہ گھنا اور دبیز ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا وزن
اور دباؤ بھی بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ کر ہواؤں میں عمودی VERTICAL اور افقی HORIZANTAL
سمت میں اسکی گردش اور رفتار بھی یکساں ہوا کرتی ہے جو ہمیشہ زیادہ دباؤ والے خطوں سے کم
دباؤ والے خطوں کی طرف چلتی ہے۔ اور اس طرح خدا کی قدرت اور حکمت کے تحت ہواؤں کے چلنے
کا یہ سلسلہ مسلسل اور لگاتار قائم رہتا ہے اور کبھی ساکن نہیں ہوتا۔

اسی طرح ہواؤں کے عمودی VERTICAL سمت میں چلنے کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین

یہی وجہ ہوگی کہ ہوائیں اپنے اندر دب جانے اور سکڑ جانے COMPRESSIBILITY کی صفت بھی رکھتی ہے اس طرح یہ ہوائیں جسقدر بلند کرۂ باد میں ہوں گی اسی قدر انہیں پھیلاؤ ہوگا اور پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ان کا وزن اور دباؤ میں بھی کمی ہوگی جبکہ نچلی سطح کرۂ باد زیادہ گھنے اور وزنی ہوں گے کیونکہ ان پر بالائی ہواؤں کا دباؤ زیادہ ہوگا۔ اور اسی نظریہ کے تحت یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ہزار فٹ کی بلندی پر ہواؤں کا دباؤ AIR PRESSURE - ایک انچ کم ہو جاتا ہے اور ہواؤں کا دباؤ بلندی کے اسی تناسب سے کم ہوتا ہے جو اٹھی ہوتی جاتی ہے اور آخر کار اٹھارہ ہزار فٹ (۱۸۰۰۰ فٹ) کی بلندی پر ہوا کا دباؤ زمین کی سطح پر ہونے والے دباؤ کا نصف ہی رہ جاتا ہے۔ ہوا اگرچہ زمین کی سطح سے کئی سو میل اوپر تک پائی گئی ہے۔ لیکن وہاں پر اس کا دباؤ مندرجہ بالا منطقی اور استدلالی قوانین فطرت کے تحت بہت ہی کم رہ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانی جسم عام حالات میں اتنی بلندیوں پر قائم نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندیوں تک جانے کے لئے انہیں مصنوعی امداد کا سہارا لینا پڑتا ہے اور انہیں اپنے ساتھ آکسیجن گیس سلنڈر رکھنے پڑتے ہیں۔ اونچی بلندیوں پر بے ربط جنگی پروازوں یا چڑھائیوں کے دوران آکسیجن اور دوسرے حفاظتی انتظام کے نہ ہونے سے ہواؤں کے کم دباؤ کی وجہ سے جسمانی مسامات اور ناک اور کان سے خون آنے، متلی ہونے اور بے ہوش ہونے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے طے شدہ اور باضابطہ پہاڑوں کی چڑھائیوں یا زیادہ بلندیوں تک پرواز کرنے والے ہوائی جہازوں کے لئے آکسیجن گیس سلنڈروں کا دوسرے اہم سامانوں کے ساتھ نہایت ضروری ہے۔

علم جغرافیہ اور علم موسمیات کے مشاہدوں کے مطابق ہوا کا سب سے زیادہ دباؤ سطح سمندر یا سمندری ساحل کے برابر ۲۹.۹۲ انچ ہوتا ہے پھر سطح سمندر سے جس قدر بلندی کی طرف چلیں اسی قدر ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار فٹ ۱۸۰۰۰ فٹ کی بلندی پر یہ دباؤ گھٹ کر ۱۴.۹۶ انچ۔ پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہواؤں کا یہ دباؤ سطح سمندر سے ایک ہزار فٹ کی بلندی پر ۲۸.۸۶ انچ۔ پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ۲۴.۸۹ انچ۔ دس ہزار فٹ کی بلندی پر ۲۰.۵۸ انچ اور پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ۱۶.۸۸ انچ ہو جاتا ہے۔

علم جغرافیہ اور علم موسمیات کے تحت کرۂ زیریں اور سطح زمین سے تعلق کی ہوائیں لگاتار بلندیوں کی طرف اوپر حرارت کا توازن قائم رکھتی ہیں۔ اور اس طرح سطح زمین کی حرارت اور گرمی بالائی کرۂ باد تک پہنچاتی ہیں اور درجہ حرارت کو ناقابل برداشت نہیں ہونے دیتیں۔ اور اس طرح زیریں اور بالائی فضا حرارت کو متوازن رکھنے میں ہواؤں کو بڑا دخل ہے۔ ہواؤں کے اوپر کی طرف عمودی نقل و حرکت ان کی سب سے بڑی کارفرمائی بارش لانے کی ہے جو پانی کے بخارات سمندر کی عام سطح سے بادل ساحلوں اور خشکیوں تک لاتی ہیں اور بارش ہونے کا ذریعہ بنتی ہیں اگرچہ عمودی ہواؤں WINDS VERTICAL کی نسبت افقی ہواؤں HORIZONTAL WINDS سے نسبتاً کم ہوتی ہے مگر یہ بارش لانے کا ایک اہم ذریعہ ہوتی ہیں آندھیاں WINDS بھی ہوائیں ہی ہوتی ہیں جو کسی گرد و غبار کے مقامات پر

حرارت کے بڑھ جانے کی وجہ سے ان کم دباؤ والے خطوں کی طرف بڑی سرعت سے چلنے لگتی ہیں اس طرح ہواؤں میں تنظیم اور ترتیب خدا کی قدرت کاملہ کی زندہ مثال ہے۔

ہواؤں کے سلسلے میں چند بنیادی اور اصولی نظریات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اب ایک نظر موسمی ہواؤں MONSOON پر بھی ڈالنا ضروری ہوگا۔ جس کی طرف قرآن حکیم نے کئی جگہ اشارہ کیا ہے مانسون کا لغوی اشارہ ہواؤں کے اس مسلسل نظام کی طرف کیا گیا ہے جو سمندری حلقوں اور مخالف سمتوں کی طرف موسم سرما اور موسم گرما میں چلا کرتی ہیں۔ مانسون عربی کے لفظ موسم سے ماخوذ ہے۔ جس کا اشارہ عرب سے اٹھتی ہوئی ان ہواؤں کی طرف ہے جو تقریباً چھ مہینے شمال مشرق کی طرف سے اور چھ مہینے جنوب مغرب کی طرف سے چلتی ہیں۔ علم موسمیات میں بھی مانسون ایسی ہی ہواؤں کو کہتے ہیں جو حرارت اور تپش کے اختلاف اور غیر متوازن ہونے کے زیر اثر میدانی اور سمندری علاقوں کے مابین چلا کرتی ہیں۔ یہ بھی خدا کا ایک عجیب نظام ہے کہ دنیا متجانس (ایک ہی جنس کی بنی ہوئی) نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا اور یہ دنیا ساری کی ساری پانی ہی پانی ہوتی یا ساری خشکی ہی خشکی ہوتی تو ایسی حالت میں حرارت اور حدت کے غیر متوازن ہونے کا سوال ہی نہ اٹھتا۔ دونوں عناصر تپش کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مخالف اور غیر متوازن ہو سکے تو مانسون ہواؤں کا وہ سلسلہ جو سمندر سے خشکی کی طرف اور خشکی سے سمندر کی طرف چلا کرتا ہے ممکن ہو پاتا۔ انھیں بنیادوں پر ہم مانسون ہواؤں کے چلنے، ان کے سمت اور رفتار کا تعین خشکی اور سمندر کی موسمی حرارت کے درجوں اور تغیرات کی رہبری میں کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح ہواؤں کے دباؤ کو کسی جگہ کے درجہ حرارت کے ذریعہ سے ہی معلوم کر کے رونما ہونے والے حالات اور عظیم آنے والے طوفانوں اور بارش کی پیشین گوئیاں کر سکتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں جب سورج بیچ میں سروں پر چمکتا ہے۔ اس وقت خشکی کے علاقے اطراف کے سمندری علاقوں سے فطری طور پر زیادہ گرم ہو جاتے ہیں اور مسلسل حرارتی اختلاف اور اس کے غیر متوازن ہونے کے بعد ہواؤں کے زیادہ تپش کی وجہ سے پھیلنے اور ہلکی ہو کر اوپر کی جانب اٹھنے اور پھیلنے کی وجہ سے خشکی پر ہواؤں کے کم دباؤ کے مراکز بن جاتے ہیں۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں اس کے اطراف میں واقع سمندروں میں ہوا کا دباؤ زیادہ ہونے کی وجہ سے مانسون ہوائیں خشکی کے ان خطوں اور کم دباؤ والے مراکز کو پُر کرنے کے لیے خشکی کی طرف بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ پانی کے اثرات کو اپنے ساتھ ساتھ اٹھا لاتی ہوئی چلتی ہیں۔ اسی وجہ سے خشکیوں پر گرمی کے موسم میں ان سمندری ہواؤں کے ذریعے بارش ہوتی ہے۔ چونکہ سمندر کی سطح بدلی سے پُر ہوتی ہیں۔ سمندر SEA کے لغوی معنی ہی کھاری پانی کے اس عظیم حصے کے ہیں جو زمین کے تین چوتھائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ اور انھیں ہواؤں کی حرکات کی طرف قرآن اشارہ کر رہا ہے۔

وھو الذی ارسل الریح بشرا بین یدی رحمته وانزلنا من السماء ماء طھورا ○

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک اور (ستھرا ہوا) پانی برساتے ہیں۔ (۲۵ — ۴۸)

واضح رہے سمندری ہوائیں - MARITIME AIR خشکیوں اور میدانی علاقوں کی طرف وافر مقدار میں پانی کے بخارات اور بارش ہونے کا سامان لاتی ہیں جو میدانی خشک علاقوں میں سیال پانی میں تبدیل ہو کر بارش کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اسی طرح جاڑوں میں جب میدانی اور خشکی کے علاقے عموماً سمندر کے مقابلہ میں زیادہ ٹھنڈے ہوتے ہیں اور سمندر کا درجہ حرارت زیادہ ہوتا ہے تو ایسے میں ہوا کا دباؤ سمندری علاقوں میں کم ہوتا ہے اور اس موسم میں موسمی ہوائیں خشکی کی طرف سے سمندر کی طرف چلتی ہیں جو عموماً خشک اور سرد ہوتی ہیں۔

علمائے جغرافیہ کے اس حکیمانہ نظام کے تحت اس تسلسل اور نظریے میں اکثر کچھ تغیرات اور ترمیمات بھی ہوا کرتی ہیں اور اس طرح محکمہ موسمیات کے شہادات اور تجربات کی بنیادوں پر قائم کردہ اور وضع کردہ نظریات کبھی کبھی کچھ ہنگامی حالات کے تحت پر یقین نہیں رہ پاتے اور ان میں احتمالات رونما ہو جاتے ہیں۔ گو کہ یہ متضاد حالات بھی قانون فطرت کے تحت ہی ہوتے ہیں۔ اکثر جاڑوں کے موسم میں سرد ممالک میں ہوا کا زیادہ دباؤ کے مرکز بنتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں اگرچہ وہ معمولی درجہ کے ہوتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے جاڑوں کی موسمی ہوائیں بھی اور سبک ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح گرم ممالک میں موسم گرما میں کم دباؤ والی ہوائیں بھی تھوڑی بہت متاثر ہوا کرتی ہیں اور اس طرح ہواؤں کے چلنے کا انداز اکثر اوقات پہلے سے قائم شدہ مفروضات اور نظریات کے عین مطابق نہ ہو کر پیچیدہ اور غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ مانسون ہواؤں کی ان پیچیدگیوں کو سمجھنے کے بعد تو صرف یہی بات یقینی رہ جاتی ہے کہ انکی پیچیدگیاں ابھی مکمل طور سے حل نہیں ہو سکی ہیں۔ اور اس سلسلے کے شہادات اور نظریات محض مفروضے ہی ہیں جن پر تحقیق و تفتیش کا کام آج بھی جاری ہے۔ عام حالات میں کبھی کبھی دیکھا جاتا ہے کہ گرمیوں کے موسم میں گرم اور میدانی علاقوں میں کبھی کبھی کم دباؤ والے خطے خاطر خواہ حدوں تک نہیں بن پاتے جیسا کہ موسمیات سے متعلق خاکوں اور چارٹوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے باوجودیکہ یہ حالات دلیلوں اور منطقوں کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ موسمی حالات کو ظاہر کرنے والے چارٹوں اور نقشوں کے عین مطابق کبھی کبھی مانسون امید کے مطابق نہیں پہنچ پاتی اور اکثر خشکی کے علاقوں سے اٹھتے ہوئے باد گرد اور تیز طوفانی بگولے انکی راہوں میں حائل ہو جاتے ہیں۔ ان طوفانی بگولوں کی رفتار اور غیر یقینی سمت کی وجہ سے کم دباؤ والے علاقوں پر مانسون کی ہواؤں کا اثر بھی یقینی اور خاطر خواہ نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح کے باد گرد اور بگولے اکثر ساحل سمندر کی طرف سے خشکیوں کی طرف بھی اٹھتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں جو نہ تو اپنے اندر پانی کے اجزاء ہی رکھتے ہیں اور نہ تو ان کے اندر نمک کے ذرات کہلائے جاتے ہیں جو بارش کا ذریعہ بن سکیں۔

علم جغرافیہ کے علماء اور محققین کا یہ بھی خیال ہے کہ موسمیات پر اکثر سیاروں کی گردش کا بھی اثر پڑتا ہے اور ان کی بے ترتیب اور غیر متعین حالات کے تحت بھی وضع کئے ہوئے نظریات منصوب اور یقینی طور پر صادق نہیں آتیں۔

تو دیکھیں گے کہ یہ تجربات اور تخلیقات علم جغرافیہ اور موسمیات کے لئے آج بھی ایک سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں اور ہر غیر متوقع ناکامی کے بعد ایک نئی تحقیق دوبارہ شروع ہو جاتی ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ سمندر کی طرف سے زبردست قسم کی موسمی ہوائیں آ جانے کے اور بادلوں کے گھر جانے کے باوجود میدانی اور خشکی کے علاقوں میں چند وجوہات خصوصاً بار آور ہواؤں کے نہ پہنچنے کی بنا پر بارش نہیں ہوتی۔ ایسی چند وجوہات کی بنا پر (بار آور ہواؤں کے شروع عمل کے ذریعہ) سے اکثر بارش خلاف توقع اور عطیے کے معمول طور سے اولے اور ہوئے پر بھی ہو جاتی ہے کبھی کبھی لگاتار اور موسلا دھار بارش کا سلسلہ ہفتوں ختم نہیں ہوتا تو کبھی بارش کے ایام میں خشک سالی اور قحط جیسے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنه فی الارض وانا علی ذهاب به لقدرون"

اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا پھر اسکو زمین پر ٹھہرا دیا اور ہم اسکے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں"۔ (۲۳ – ۱۸)

خدا بڑا ہی رحیم و کریم ہے۔ عقل انسانی اس کے علم بے پناہ اور حکمت لاثانی کو سمجھنے سے قاصر ہے یہ بارش اسکی علامات یہ بادل اس کے ابر رحمت اور یہ ہوائیں اس کی برکتوں کا پیش خیمہ ہیں جنھیں وہ اپنی مخلوق پر بقدر ضرورت عطا کرتا ہے۔ اس کے پُر حکمت رحم و کرم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے، تمھارے لئے آسمان سے پانی برسایا ہم نے اس سے سر سبز باغ اگائے۔ تمھارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے۔ (۲۷ – ۶۰)

آسمان پر برف کے پہاڑ

موسمیات اور بادلوں کے متعلق اور خصوصاً آسمانوں پر ہواؤں اور بادلوں کے درمیان برف کے وجود اس کے دخیروں اور پہاڑوں کے وجود کے متعلق ماہرین موسمیات اور سائنسدانوں کے نظریات بیسویں صدی کے اوائل تک محض قیاسی ہی تھے۔ برف باری ژالہ باری کے سلسلے میں موقف بھی سائنسدانوں کی قیاس آرائیاں تھیں کہ ہواؤں میں نمی اور خالص پانی کے ذرات بہت زیادہ بلندیوں پر پہنچ کر منجمد ہو کر برف کے پہاڑوں کی شکلوں میں ہوا کے دوش پر تیرتے

ماہرین۔ یہ کوئی تحقیقی حقیقت یا اعتمادی انکشاف نہیں تھا بلکہ چند علمی نظریات اور تخمینوں پر ہی قائم تھا کہ ہر
ہزار فٹ کی بلندی پر درجہ حرارت ایک ڈگری کم ہو جاتا ہے اور اس تجرباتی حقیقت کے تحت چند ہزار
فٹ کی بلندی تک پہنچ جانے کے بعد پانی کے ابخرات اپنے نقطہ انجماد سے بھی کم ہو کر روئی کے گالوں جیسے
ہلکے پھلکے پہاڑوں جیسی شکلیں اختیار کر لیتے ہوں گے جو اور بھی زیادہ بلندیوں تک سائکلونی طوفانوں
کے ذریعے پہونچ کر سخت اور ٹھوس برف بن جاتے ہوں گے۔ اور پھر اس قدر بلندیوں تک حاصل کر دینے والی
ہوائیں اپنے جمادی ذرات کے ساتھ شدید آندھیوں اور جھکڑوں کے سہارے سے وہاں تک پہونچ کر ان
کو اس طرح پر مجبور کر رہی ہوں گی۔ گذشتہ صدیوں کے علماء اور حکماء نے غالباً قرآن پاک کے ان اشارات
سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے نظریات قائم کئے تھے جس میں برف کے پہاڑوں کا اسطرح ذکر کیا ہے کہ
آسمانوں پر برف کے پہاڑ ہیں جن سے خدا برف اور اولوں کو نازل کرتا ہے۔ اور جس پر اسکو چاہتا ہے برسا
دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ ساڑھے چودہ سو سال پہلے آئے ہوئے قرآن حکیم کے ان اشارات
کو ماہرین بیسویں صدی کے اوائل تک سمجھنے سے قاصر تھے اور مندرجہ بالا نظریات محض قیاس آرائیوں اور
چند سائنسی حقائق پر ہی مبنی تھے جو عملاً درست نہیں تھے۔ ماہرین موسمیات کا اس سلسلے میں یہ بھی خیال
قائم ہو گیا [illegible] اور ہواؤں کے ذریعے حاصل ہو جانے کے بعد بادلوں میں یہ ننھے ننھے ذرات اکٹھے ہو کر
بڑی بڑی بوندوں میں تبدیل ہو کر اور پھر زمین کی کشش ثقل سے متاثر ہو کر زمین پر برس پڑتے ہیں
[illegible] یہ ہوائیں بلندیوں پر اڑتے ہوئے برف کے پہاڑوں تک پہونچ کر ان پر بھی اپنا ردعمل شروع
کرتی ہیں۔ نمکین اور کھاری جمادی ذرات سے ان میں پگھلنے ٹوٹنے اور منتشر ہونے کا عمل شروع ہو جاتا
ہے جس کے نتیجے میں یہ کبھی تو منجمد اور ثقیل برف کبھی روئی کے گالوں جیسی ملائم برف تو کبھی محض سرد بارش کے
قطروں کی شکل میں برس پڑتے ہیں۔

یہ نظریات چند سائنسی حقائق کی بنیادوں پر قائم تو کرلئے گئے تھے مگر پھر بھی دانشوروں اور ماہرین
کا یہ استدلال محض قیاسی ہی تھا۔ جو خود ان کے لئے بہت زیادہ اطمینان بخش نہیں تھا۔ ان کی اس
سلسلہ کی سب سے بڑی الجھن ہواؤں کے دوش پر اس قدر وزنی برف کے پہاڑوں کا قائم رہنا تھا اور
اس طرح ایک طویل مدت تک فضاؤں میں تیرتے پھرنا تھا کیونکہ فضاؤں اور ہواؤں کے دوش پر
ایسا مادہ قائم رہ سکتا ہے جس کا ٹھوس پن یا DEN SITY ہواؤں سے کم یا پھر کم از کم ہواؤں کے
برابر ہو جبکہ ٹھوس برف کی ڈینسٹی DEN SITY ہواؤں سے کئی گنی زیادہ ہوتی ہے اور اسطرح برف
صرف ہواؤں کے سہارے پر ایک لمحہ بھی قائم رہ کر زمین کی کشش ثقل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی
موجودہ بیسویں صدی کے وسطی دور کے جدید سائنس کے ماہرین نے جدید آلات موسمیات اور
دوربینوں کی مدد سے ان رموز سے پردہ اٹھایا ہے اور اس طرح وہ قرآن کی پر از حکمت
آیات کے رموز سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہو سکے ہیں کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور یہ برف کے پہاڑ کس صورت
اور کن اسباب حکیمانہ جمادی عمل اور ردعمل کے تحت فضاؤں میں تیرتے پھرتے ہیں اور انکی تفصیلات

ذریعہ ہے یہیں ان سب کا اجمالی طور پر مکمل ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل نازل ہوا ہے اور اسطرح آج کے دور میں دنیا کا ہر سائنسداں اور محقق قرآن کو "آسمانی کتاب" قبول کرتا ہے۔

قرآن کریم اسوقت بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے اور اس زمانے سے آج ساڑھے چودہ سو برس بعد بھی جن و انس قرآن کے چیلنج کے جواب میں پورا قرآن لکھ کر تو کجا لاتے اسکا ہم پلہ ایک سورہ بھی پیش نہ کر سکے اور نہ تا قیامت پیش کر سکینگے۔ اور قرآن کا یہ چیلنج آج بھی اسی طرح سر بلند ہے اور خدائے واحد کی وحدت اور یکتائی کی نشاندہی کر رہا ہے۔ "وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۝" جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔ اگر اسمیں تم کو شک ہو تو اسکی مثال ایک سورہ ہی لے آؤ۔ (۲-۲۳)

یہ چیلنج اسی ایک آیت پر اور اسی ایک مقام پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس تکرار کو کئی موقعوں پر دہرایا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے "وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝" اور جس جس کو خدا کے سوا تم اپنی مدد کے لئے بلا سکو بلا لو۔ (۱۰-۳۸) مگر اسوقت سے لیکر آج تک ایک سورہ تو کجا ہنوز کوئی اسکی ہم پلہ ایک آیت بھی پیش نہ کر سکا حالانکہ اسوقت سے آجتک نہ جانے عربی زبان کے کتنے شعراء اور زبان داں جنمیں اہل ایمان اور اہل شرک دونوں ہی پیدا ہوئے ہونگے اور کوششیں بھی کی ہونگی مگر سب لاجواب اور دم بخود ہو کر رہ گئے اور کسی نے بھی آگے آنے کی ہمت نہیں کی۔ آخر قرآن حکیم کو بھی ایک آخری فیصلہ ان آیات کریمہ میں سنانا پڑا "قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝" (اے پیغمبر) کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہو جائیں (کہ اجتماعی کاوشوں) سے ایسا ہی قرآن بنا لائیں تب بھی نہ لا سکیں گے اگرچہ اِن کا ایک دوسرے کا پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۷-۸۸)

خداوند علیم و حکیم نے عرب کے مشرکین اور کافروں کو راہ راست پر لانے کیلئے آیات قرآنی اپنی وحدت اور راہ حق کی نشاندہی میں مختلف دلیلوں کے ساتھ نازل کی ہیں۔ "كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝" اور جیسا کہ ہمنے تمھیں میں سے تمھارے اندر ایک بلند مرتبہ رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا۔ تمھاری اصلاح کرتا اور تمھیں کتاب (قرآن) اور حکمت (عقل) کی باتیں سکھلاتا اور تمھیں ایسی (مفید) باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنکی تمھیں خبر نہیں تھی (۲-۱۵۱) قرآن حکیم میں دنیا کے اور کائنات کے وہ تمام علوم موجود ہیں جنکی کچھ معلومات ہی بڑی تلاش و جستجو کے بعد عقل انسانی میں ابتک آسکی ہیں اور علوم کا بہت بڑا حصہ آج بھی انسانی علم سے بہت پرے ہے۔

اور تجربات سے انکشافات کے بعد ہی خلاق عالم اور خالق علم و حکمت کی بزرگی اور خالقیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
کہ قرآن حکیم ایک آسمانی کتاب ہے جس کی آیات علم و حکمت کا ایک بے پایاں سمندر نظر آتی ہیں۔ اور جیسے جیسے
انسان کے علم اور سائنس کے نئے نئے دروازے کھل رہے ہیں اس آسمانی کتاب کی عظمتوں میں اور بھی
اضافہ ہو رہا ہے جس کا اعتراف ڈاکٹر بوکائے DR. BUCAILLE نے اپنے الفاظ میں کیا ہے۔

"مجھے سکتہ سا ہو جاتا ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ کیا انسان آج سے چودہ سو سال پہلے
ایسے تاریک دور میں قرآن جیسی پر حکمت کتاب اور علم کے خزانے مرتب کر سکتا تھا جس کا انکشاف
بڑی تحقیق و تجسس کے بعد موجودہ دور میں ہو رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں بہت کچھ تحقیق کرنی ابھی باقی ہے۔"
یہ ہیں اس عالمی شہرت کے رکھنے والے دانشور، ڈاکٹر بوکائے کے خیالات جو اس نے قرآن حکیم کی عظمت
اور حکمت کے بارے میں ظاہر کئے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابھی اس سلسلے میں بہت کچھ پردہ راز میں
مخفی ہے جن کے لئے تلاش و جستجو ہو رہی ہے۔ آئیے اب ذرا جدید سائنس کی معلومات کا ایک
اجمالی جائزہ لیں کہ کس طرح ہوا میں برف کے پہاڑ رکے ہوئے ہیں بلا زمینی کشش ثقل یا خوبصورت کثافت اور وزن سے
متاثر ہوئے بغیر اپنے وجود پر قائم رہ سکتے ہیں سائنس کی ان دریافتوں کے بعد خدا کی قدرت اور اس کے
حکیمانہ نظام کائنات میں جو آیا پڑھتا ہے وہ عقل اور فطرتی اصولوں سے بھی مطابق ہے۔

سرد اثرات والے بادلوں میں برف کے باریک اور بہت چھوٹے خوردبینی سالمات NUCLEE
SNOW کا وجود پایا جاتا ہے۔ جو نقطہ انجماد سے بھی کم درجے تک سرد ہوتے ہیں اور پھر بارش کے سرد اور برف
کی طرح مختلف قطروں سے ان سالمات سے متصادم ہو کر ایک کیمیاوی رد عمل کے تحت آپس میں مل کر برف
کے گالوں کی شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ جو جسامت میں بڑھتے رہتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق سو (100)
برف کے سالمات یا ذرات تک سے برف کے گالے بن سکتے ہیں۔ یہ برف کے گالے اپنی جسامت اور سائز
میں چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا سائز ایک انچ سے ڈیڑھ انچ قطر DIAMETER
تک کا ہو سکتا ہے۔ ان برف کے گالوں کی شکلیں بھی عجب انداز کی ہوتی ہیں۔ برف کے یہ گال اندر سے
کھوکھلے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ بآسانی ہواؤں اور بادلوں کے لئے بار نہیں ہوتے۔ اور اس طرح یہ بار آور
ہوائیں انہیں ہلکے ہلکے اٹھائے اڑتی ہیں ان برف کے گالوں کی شکلیں نئی اور نقطہ انجماد کے مطابق
ہی ہوتی ہیں نظام قدرت کے تحت یہ برف کے گال اکثر چھ پہل کے ہوتے ہیں۔ برف کے گالوں کے
کھوکھلے پن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں پانی کی مقدار ان کے جسامت کے اعتبار
سے بہت کم ہوتی ہے اور ایک چھ انچ کے برف کے گالے میں تقریباً ایک انچ بھر پانی کی مقدار ہوتی ہے
برف باری جغرافیائی حالات کے تحت دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف مقدار میں ہوتی ہے۔
جس کے لحاظ سے مختلف مدار اور درجات قائم کئے گئے ہیں۔ برف باری سے سب زیادہ شمالی اور جنوبی
قطبین متاثر ہوتے ہیں جہاں کبھی کبھی دن رات کے ساتھ سال بھر برف باری ہوا کرتی ہے۔ لیکن شدید
برف باری دنیا کے معتدل علاقوں TEMPERATE ZONE میں واقع پہاڑی علاقوں میں جاڑوں

سال بھر میں ہوتی ہے برف باری خط استوائی علاقوں EQUATARIAL. ZONE کے ان پہاڑوں پر ہوتی ہے جنکی بلندی سولہ ہزار فٹ یا اس سے زیادہ ہوتی ہے۔

برف کے یہ سالمات SNOW NUCLIE بہت باریک اور خوردبینی ہوتے ہیں اور مانسون کے انہیں بادلوں میں پائے جا سکتے ہیں جنکا درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے ہوتا ہے اور سرد پانی کی بوندیں اور بھیگے ان سالمات کے گرد اکٹھا ہو کر برف کے بلوری آبگینوں میں تشکیل ہوتے رہتے ہیں اس طرح یہ برفانی سالمات بجد ٹھنڈے اور نقطہ انجماد تک ٹھنڈے بارش کے قطروں کو برف کے بلوروں میں تبدیل کر دیتے ہیں پانی کے یہ قطرات برفانی سالمات SNOW NUCLIE کے زیر اثر نقطہ انجماد تک پہونچنے سے پہلے ہی برف کے کرسٹل اور گالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اس کے برخلاف وہ بادل جن میں برفانی سالمات SNOW. NUCLIE نہیں ہوتے بارش کے قطرے نقطہ انجماد سے بھی نیچے تک ٹھنڈے ہو جانے کے بعد بھی برف نہیں بن سکتے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک عالمی حقیقت ہے کہ بہت سرد اور ٹھنڈے بادلوں میں بارش کے قطرے سخت ٹھنڈک کی وجہ کر جبکہ نقطہ انجماد (-٤٠°C) تک پہونچ جاتے ہیں بلا برفانی سالمات کے بھی برف کے گالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

آسمانی برف کے آبگینے اور کرسٹل کبھی تو پتلی اور چپٹی پلیٹوں کی شکل کے ہوتے ہیں تو کبھی لمبے اور ستونی شکل کے تابوں جیسی چپٹی شکلوں والے برف کے کرسٹل کی شکلیں اکثر چھ پہلو والی ہوتی ہیں رطوبت اور نمی کے زیر اثر کبھی تو چھ شاخہ پتیوں اور کبھی خوشنما الگ الگ روئے دار اور جھالروں والی کلیوں اور ستاروں کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ پلیٹ نما کرسٹل قدرتی اثرات سے متاثر ہو کر یہ شکلیں اختیار کرتے ہیں جب ٹھنڈک نقطہ انجماد سے (-١٥°C) ہوتی ہے یا پھر اس سے بھی کم ہوتی ہے جبکہ ستونی یا لمبوتری شکلوں کے کرسٹل جو اکثر سوئی جیسی نوک دار ہوتے ہیں جو بہت زیادہ اور رطوبت کی وجہ کر بڑے اور کھوکھلے ہوتے ہیں اور ایسی شکلوں کے کرسٹل اکثر ان بادلوں میں ہوتے ہیں جنکا نقطہ انجماد (-١٥°C) سے کم اور نقطہ انجماد کے درمیان ہوتا ہے اور عموماً جہاں نقطہ انجماد (-٥°C) کے آس پاس ہوتا ہے اس لئے یہ بات عیاں ہے کہ ان برف کے گالوں کی شکلیں مختلف نقطہ انجماد کے زیر اثر اور بادلوں کا منجمد سرد ہواؤں کے اثر سے ہر آن بدلتی رہتی ہیں۔

ان مانسون بادلوں میں جن پر حاملہ کر دینے والی ہوائیں ابھار و عمل لگاتار جاری رکھتی ہیں انہیں پانی کے باریک ذرات ایک دوسرے سے متحد ہو کر اور مل کر بڑی بوندوں میں تبدیل ہوتے اور بارش کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں۔ اور اگر یہی بوندیں برفیلے سالمات SNOW UNCLIE کے زیر اثر بحالت ٹھنڈے بادلوں سے گذرتی ہیں تو وہ لازماً اور بھی ٹھنڈی اور روئی کے گالوں جیسی برف کی شکلیں اختیار کرنے کے بعد برف باری کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔

پھر اسی طرح جب یہ برف کے منجمد گالے برفیلے سالمات رکھنے والے بادلوں کی دوسری تیسری اور منجمد بادلوں سے ہو کر گذرتے ہیں تو یہ اور بھی زیادہ منجمد، سخت، ثقیل بن جاتے ہیں۔

جو بادلوں کی نمی، برودت، بارش کے قطروں اور ہواؤں کے زیر اثر مندرجہ بالا تغیرات کے تحت مختلف شکلیں بھی اور کبھی شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ جنہیں علم موسمیات کی زبان میں سلیٹ SLEET کہتے ہیں۔ اور بھی زیادہ سرد اور تہ بہ تہ بادلوں اور برف جیسی سرد ہواؤں سے گذر کر یہی سلیٹ دوسری سرد اور ٹھنڈی سلیٹوں سے مل کر اور بھی زیادہ منجمد، سرد اور سفید برف کی گولیوں SNOW PILLETS کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ زمین پر آنے سے پہلے یہ برف کے منجمد ذرات پیچھے پیچھے تہ بہ تہ سرد اور برفانی بجلیاں ذرات رکھنے والے بادلوں کی تہوں سے گذرتے ہیں۔ انہیں سختی آنے کے ساتھ ان کے جسامت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور پھر اس طرح کے عمل کے بار بار دہرائے جانے کے نتیجے میں یہ زمین تک آتے آتے بڑے اور منجمد برف (اولے) HAIL STORM کی شکلوں میں برس پڑتے ہیں۔

یہ وہ حیرت انگیز حقیقت ہے جس کا انکشاف قرآن حکیم کی مقدس آیات میں خالق مطلق نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کیا تھا۔ مگر ان رموز کو سمجھنے کے لئے اس وقت انسانی عقل و خرد اس قدر اعلیٰ علمی سطح پر ہموار نہیں تھی کہ ان باریک نظام قدرت کو سمجھ سکتی۔ نہ تو بیسویں صدی کے وسطی دور تک جدید سائنس میں ایسے دقیق تصور اور اعلیٰ درجہ کے آلات خوردبین اور دوربین ہی بن پائے تھے جن سے ان رموز الٰہی کا کچھ انکشافات ہو پاتا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی زمانہ تک دینیات کے علماء اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد محض عقیدت پر نازاں ہو کر رہ جاتے تھے۔ اور آسمانوں پر برف کے پہاڑوں کا مفہوم ابھی تک سمجھ سے بالاتر ہوتا تھا۔ اس وقت کے علم فلکیات اور موسمیات کے ماہرین اور حکماء اپنے فرسودہ اور اس وقت کے قائم شدہ حقائق کی بنیادوں پر کچھ نظریات تو قائم کر لیتے تھے مگر خود ان کو اپنے قائم کئے ہوئے فیصلوں پر شبہات اور قیاسات کے بادل منڈلاتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

مگر پے در پے مسلسل کاوشوں اور تحقیق کے نتیجے میں اور جدید سائنسی آلات کی مدد سے آج ان پر یہ عقدہ حل ہو چکا ہے کہ بادلوں میں برفیلے سالمات SNOW NUCLIE پائے جاتے ہیں جو اس قدر باریک اور خوردبینی ہوتے ہیں کہ ان کو بادلوں اور ہواؤں پر کسی طرح بار نہیں ہوتے۔ مگر انہیں بارش کی بوندوں کو منجمد کر دینے کی ایسی برقیلیائی طاقت ہوتی ہے کہ اس کے نتیجے میں یہ روئی کے گالے جیسی برف کے پتلے فضاؤں میں تیرتے پھرتے ہیں اور زمین کی طرف مائل ہو کر برف باری پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلیٹ SLEET جب کئی تہ بہ تہ بادلوں سے ہو کر گذرتے وقت دوسری سلیٹوں سے منضم ہوتے ہیں تو وہ ان کے اتصال اور تہ بہ تہ سے اور بھی زیادہ ضخیم، سخت اور سفید ہو کر اسنو پلٹس SNOW PELLETS بن جاتے ہیں۔ یہ کبھی نیلے، نارنجی اور کبھی سفید گچھوں والے و کبھی نیم شفاف اور گول گول گچھے ہوتے ہیں اور نہایت ہی سست روی کے ساتھ زمین کی کشش ثقل سے مائل ہوتے ہیں۔ اور پھر آخر کار اس طرح کئی تہ بہ تہ بادلوں سے گذرنے کے بعد وہ برف کے اولوں کی شکل میں HAIL STORM بن کر خدا کی مرضی کے تحت برس پڑتے ہیں۔

جدید سائنس کے انکشافات کے بعد قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت کے مفہوم سے

بتلایا کہ کس طرح ان ساری معلومات سے خلاق علم و حکمت نے انسان کو ہزاروں سال پہلے روشناس کرایا تھا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ ۚ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا مِنْ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ط

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر ان کو تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل (برس) رہا ہے اور آسمانوں میں جو برف کے پہاڑ (بادلوں کے پہاڑ) ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے اسکو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا رکھتا ہے۔"

(۲۴ — ۴۳)

رعد و برق کے مثبت اور منفی اثرات

خلاق عالم نے آسمانی بجلی کے چمکنے اور گرجنے کی طرف نہایت ہی پر از حکمت انداز میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں بجلی کا منظر دکھلایا جسکا ایک رخ خوفناک اور دوسرا امید افزا۔ !!

اس مختصر سے ذکر میں حکمت اور علم کا ایک عظیم خزانہ چھپا ہوا ہے جسکا نزول عرب جیسے ملک میں اس وقت ہوا جبکہ وہاں پر ہر طرف جہل اور لاعلمی کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں اور اس لاعلمی سے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں علم کا یہ بے مثال اور عظیم خزانہ رسولؐ کے ذریعے ہر طرف علم و حکمت کے اجالے پھیلا رہا تھا۔ اس وقت عرب تو کیا دنیا کا خود کو مہذب اور علوم سے آراستہ سمجھنے والا ملک بھی ان رموز سے تو کیا بجلی کے عام اور بنیادی نظریات سے بھی واقف نہیں تھا۔ اور ان کی اس سلسلے کی معلومات محض خیالی اور توہماتی تھیں۔ کسی نے تو آسمانی گرج اور چمک کو قہر آسمانی سمجھا تو کسی نے اسے عذاب الٰہی سمجھ کر کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ بجلی گرنے سے مرنے والے بدنصیب اشخاص معتوب قہر الٰہی کے شکار، اور برقانی ہوئی عمارتیں اور املاک غضب الٰہی کا نتیجہ سمجھے جانے لگے اور ایسے انسانوں کو مرنے کے بعد بھی بڑی تضحیک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اسے قہر زدہ اور ذلیل سمجھا جاتا تھا اور اس کے لئے طعن و تذلیل کی ضربوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ آسمانی برق کو دیوتاؤں کی قہر آلود تیغ اور رعد کی گرج کو دیوتاؤں کی قہر آلود آواز سمجھ کر قوموں کے دل لرزنے لگتے تھے۔ اور جہاں رہتا تھا اپنے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ ریز ہو جایا کرتا تھا۔ قربانیاں دی جانے لگتی تھیں عافیت کی دعاؤں کے ساتھ سلامتی کے لئے طرح طرح کی جائز اور ناجائز منتیں مانی جانے لگتی تھیں۔

کسی کسی قوم میں کنواری لڑکیوں کو مادر زاد برہنہ کر کے ان کے ہاتھوں میں لوہے کے ٹکڑے یا
دھاتوں کے بنے ہوئے مذہبی نشانات دے کر کھلے میدانوں میں نکال دیا جاتا تھا کہ اس طرح دیوتاؤں کا قہر
و غضب انہیں پر تمام ہو جائے اور بستی بچ جائے اور املاک کا تحفظ ہو سکے۔ اور ہوتا بھی یہی تھا کہ برقیاتی
نظریات اور اصولوں کے تحت زیادہ تر بیچاری بھولی بھالی لڑکیاں ہی آسمانی بجلی کا شکار ہو جایا کرتی
تھیں۔ دوسری طرف اس جہالت کے توہماتی دور میں انکا یہ عقیدہ بھی راسخ تھا کہ اولاد نرینہ اور خصوصاً
اولاد اکبر دیگر بچوں کا انکا اس آسمانی بجلی کی زد میں آجانے کا سب سے زیادہ امکان ہو سکتا ہے اس
لئے انکو ایسے طوفان اور برق و باراں میں نکلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت ہوتی تھی۔

اپنے زمانے میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھے جانے والے ممالک روم اور یونان کا بھی ایسا
ہی عقیدہ تھا کہ برق اور رعد دیوتاؤں کے ہتھیار ہیں جنکو وہ جس انسان یا املاک پر جیسا چاہتے ہیں
استعمال کرتے ہیں وہ اسے ایک آسمانی انتقام سمجھ کر بھی خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے دوسری طرف اہل انہیں
ان بد نصیب لوگوں کو جو آسمانی بجلی کا شکار ہو جایا کرتے تھے اس کے پورے خاندان کا بائیکاٹ کر کے
اپنے قبیلوں اور آبادیوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ انکا خیال تھا کہ یہ سارا خاندان دیوتاؤں اور آسمانی
خداؤں کے قہر و غضب کا شکار ہے جن کی وجہ سے ان پر بھی کوئی بلائے ناگہانی آسکتی ہے۔

خود کو سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب سمجھنے والے اہل یورپ بعد مسیح بھی اس راز سے آگاہ نہیں
ہو سکے تھے اور ابھی سترہویں صدی تک جب طوفان رعد و برق کا سلسلہ شروع ہوتا تھا تو یہ سب
گرجا گھروں میں توبہ و استغفار کا سلسلہ شروع کر دیتے تھے اور گرجا گھروں کی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں۔ انکا
عقیدہ تھا کہ اس طرح گھنٹیاں بجانے سے خدا کے قہر و غضب سے بچا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم نے خداوند کریم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کے اس جاہل اور توہماتی
دور میں اہل علم کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا "اسکی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ
وہ تمہیں بجلی کا منظر دکھاتا ہے جسکا ایک رخ خوفناک ہے تو دوسرا امید افزا ہے۔" یہ وہ پہلا ذکر ہے
جس نے رعد و برق کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہ آسمانی
بجلی اور کچھ نہیں محض آسمانی بجلی ہے جسکا ایک رخ پر خوف ہے تو دوسرا امید افزا، اور جو اسباب کا
کھلا ثبوت ہے کہ قرآن بلاشک و شبہ ایک آسمانی کتاب ہے جس میں اس سلسلے کے ایک ایسے راز سے
پردہ اٹھایا ہے جس سے انسان اس وقت تو ناواقف تھا ہی اور جس پر آج بھی تحقیق و تجسس جاری ہے۔

بادلوں کی گرج اور چمک بارش کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف باعث مسرت اور
شادمانی ہے تو دوسری طرف وحشت انگیز اور تشویشناک بھی نقصان کے نقطہ نگاہ سے یہی برق جب فضاؤں
میں مناسب حد اور زمین کی لہریں نیچے کی حد فاصلے اور مخالف پاتی ہے تو وہ بجلی اونچی عمارتوں
بلند درختوں اور جانداروں پر گر کر انہیں خاکستر کر دیتی ہے۔ بادلوں میں ننھی ننھی بوندیں یعنی آبی
ذرات جب ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو ان میں برقی قوت
ELECTRICAL ENERGY -

ہو جاتا ہے۔ جو بادلوں کے مثبت (+) اور منفی (-) ذرات کی طرف برقی قوت کے سہارے ایک دوسرے کی
جانب بادلوں میں بڑی سرعت کے ساتھ بڑھتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی
روشنی کا ایک جھماکا ہوتا ہے جسکی نا بنا کی FLASH کی سرعت اور تعداد امواج FREQUENCY
ایک سیکنڈ میں ایک سو بار تک پائی جاتی ہے جبکہ اس کی ہر چمک FLASH میں دس کروڑ وولٹ پاور
کا ایک وولٹ پاور تک کی بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس مقام پر درجہ حرارت اس قدر
ہو جاتا ہے جسکا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ اس گرم فضائی کرہ کو گرم کرنے کے لئے قانون قدرت کے تحت
ہوائیں تیزی اور تندی کے ساتھ ابھرتے ہوائیں اس خلاء کو پر کرنے کے لئے بڑھتی ہیں اور اس طوفانی
تیزی کے ساتھ بڑھنے اور تصادم ہونے سے ایک پر ہول گرج کی آواز پیدا ہو جاتی ہے جسے رعد کا نام
دیا جاتا ہے اس برقی تصادم اور انتہائی حرارت اور گرمی سے ہر سال تقریباً بیس کروڑ ٹن نائٹروجن
تیار ہوتی ہے جو ایک طرف تو بارش کے پانی میں مل کر نباتات کی روئیدگی اور پرورش میں
بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ تو دوسری طرف حاملہ کرنے والی ہواؤں کی معاون ہو کر بارش کا
سبب بنتی ہے اور اس طرح یہ گرج اور چمک اہل عالم کے لئے مفید ہونے کی وجہ سے بڑی امید افزا
ثابت ہوتی ہے اور قرآن حکیم کی یہ پر از حکمت آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتہا
ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ٥

اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ تم کو بجلی کا منظر دکھلاتا جسکا ایک رخ خوفناک ہے اور
دوسرا امید افزا ہے۔ اور آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ
کر دیتا ہے عقل والوں کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۳۰-۲۴)

بجلی کا خوفناک اور ضرر رساں رخ تو زمانہ ماقبل سے ہی معلوم ہے اور اس سے لوگوں کا خائف ہونا ایک
فطری امر ہے اور اس کی ہلاکت خیزیاں نمایاں ہیں کہ جب یہ بلند و بالا عمارتوں پر گرتی ہے تو انہیں زمین
بوس منہدم اور خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ آسمانی بجلی اگر کسی انسان پر گری تو اکثر اسے قابل شناخت بھی نہیں
چھوڑتی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی لعنت بد نصیبی اور عذاب الٰہی کی مہر لگ جاتی ہے۔
موجودہ آج کی جدید سائنس نے بتلایا ہے کہ اصل میں برق کے جانا اور بجلی کا گرنا فطری وجوہات کے
باعث سے عمل میں آتا ہے اور انسان بھی تو احتیاط نہ برتنے پر اور کبھی اتفاق اور حادثاتی سانحات
کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ واقعات اکثر بارش کے ایام میں ہوتے رہتے ہیں جو ہواؤں میں پیدا ہوکے
تبدیلیوں کے نتیجے میں ہوا کرتے ہیں۔

دوسری طرف اس کے امید افزا پہلو جو زمانہ قدیم سے ہی نمایاں ہیں وہ یہی ہیں کہ یہ گرج اور
چمک بارش کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اور ہواؤں کو حاملہ کرنے میں مددگار ثابت ہو کر بارش کا ذریعہ بنتی ہے
سالانہ کروڑوں ٹن نائٹروجن تیار کر کے بارش کے پانی کے ساتھ زمین پر لا کر فصلوں اور نباتات

کے لئے بہترین مقناطیست، پرورش اور پرداخت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں جدید سائنس کو جو بھی معلومات آج تک ہو سکی ہیں انکا ایک اجمالی جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس خالق علیم و حکیم اور خلاق علوم و عقول نے اس آسمانی برق کو بڑے ہی عالمانہ اور حکیمانہ بنیادوں پر ترتیب دیا ہے۔ عظیم طاقتوں سے اس آسمانی بجلی کی چمک اسکے ہیروں۔ گرج کی آوازوں اور اس سے بڑھتا جانے کے رموز بیان ہیں اور کس طرح یہ ایک بجلی آمیز شرربار دھاری کی شکل میں آسمان کی لامتناہی فاصلوں تک اپنا عفریت بن کر کوندتی چلی جاتی ہے۔ اس آسمانی بجلی کی برق بہر عنوان زمین کی طرف آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں اس آسمانی برق کا سیل رواں اکثر بادلوں سے زمین کی طرف ہی ہوتا ہے مگر کبھی کبھی یہ برقی شرارہ ایک بادل سے دوسرے بادل کی طرف بھی رواں ہوتا نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی یہ برقی سیل رواں بادلوں سے گزر کر فضاؤں میں سرایت کر جاتی ہے اور کبھی کبھی بہت دور تک بادلوں کی گھٹاؤں میں بھی یہ شعلہ بڑا نظر آتا ہے۔

جب کبھی یہ آسمانی برق بادلوں سے گزر کر فضاؤں میں سرایت کر جاتی ہے۔ تو اس کی طاقت اور حدت ازبس سوزش سے فضاؤں میں موجود ہر شئے تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اکثر فضاؤں میں پرواز کرتے طیاروں کو حادثات پیش آجاتے ہیں۔ جب یہ برقی سیل رواں محض فضاؤں تک ہی محدود ہوتی ہے تو اسکا اثر زمین تک نہیں پہونچ پاتا مگر جب بھی برق سیل رواں زمین تک پہونچتی ہے تو زمین پر جان و مال کا بھاری نقصان ہو جاتا ہے جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور اکثر آگ لگنے کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔

یہ آسمانی برق LIGHTNING جب زمین پر پہونچتی ہے تو اسکا یہ عمل اسٹروک STROKE۔ یا ضرب کہلاتا ہے۔ اور اسکی اپنا واپسی برقی شرارہ RETURN STROKE کہلاتا ہے اس اسٹروک اور ریٹرن اسٹروک کی رفتار بھی روشنی کی رفتار کے برابر ہی تقریباً ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل ۱۸۶۲۸۲ میل فی سکنڈ ہوتی ہے۔ اور اس طرح اسکا یہ ضرب اور ضرب واپسی کا عمل اس قدر تند اور تیز ہوتا ہے کہ ان میں تفاوت کرنا ممکن نہیں ہے اس برقی سیل سے تقریباً سو (۱۰۰) ملین وولٹ 100 MILLION VOLT سے بیس کروڑ وولٹ پاور تک بجلی کا اخراج ہوتا ہے جس سے فضاؤں میں گرمی اور حرارت تقریباً ۳۲۰۰۰ درجہ تک پہونچ جاتی ہے اور اس مقام پر ایک عظیم خلا پیدا ہو جاتا ہے اور یہ عمل ایک سکنڈ کے سویں حصے کی مدت میں ہو جاتا ہے۔ اتنی کم وقت میں فضاؤں کا اس قدر گرم ہو جانا اور ایک بڑے خلا کا پیدا ہو جانا اور پھر اسی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے باہری ہواؤں کے اس طرح ایک طوفانی شدت اور رفتار کے ساتھ گھس آنے سے جو مہیب آواز پیدا ہو جاتی ہے وہی رعد کی مہیب گرج کہلاتی ہے جس کو سن کر اکثر کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں۔ آسمانی بجلی کی یہ شعلہ یا چمک مختلف حدود تک دراز ہوتی ہے جو اسکے ماحولیاتی مناسبت کے مطابق ہوتی ہے اس طرح وہ برقی رواں جو بادلوں سے زمین تک آتی ہے اسکی لمبائی نو میل سے دس میل تک ہوتی ہے جبکہ وہ برقی شرارہ جو دو بادلوں کے درمیان کوندتا ہے اس کی لمبائی

ی سے سو میل تک ہو سکتی ہے اور اسطرح دو بادلوں کے درمیان کی اس لمبی چھلانگ سے اس کی طاقت کا اندازہ
لگایا جا سکتا ہے۔

صدیوں تک یہ آسمانی بجلی انسان کے لئے ایک معمہ بنی رہی اور آج بھی اس کی مکمل معلومات
نہیں ہو پائی ہے اور اس کے اکثر رموز آج تک حل نہیں کئے جا سکے ہیں۔ زمانہ قدیم کے ترقی یافتہ یونانیوں
اور رومی لوگوں نے اسے دیوتاؤں کا ہتھیار مانا۔ زمانہ قدیم کے افریقی قوموں نے اسے آسمانی قہر سمجھا۔
اور تقریباً صدیوں تک رعد اور برق کے سلسلے میں سائنسی تجسس اور دریافت سترھویں صدی کے بعد ہی
شروع ہو سکی اور اس آسمانی برق کے سلسلے میں سنجیدہ تحقیق اٹھارہویں صدی کے وسط میں ہی شروع
ہوئی جبکہ قرآن حکیم کی آیات نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے
بتلایا ہے کہ۔

هو الذی یریکم البرق خوفا وطمعا وینشئ السحاب الثقال ۝

وہی تو ایسا (خدا) ہے جو تمہیں بادلوں سے بجلی دکھلاتا ہے جس کی کڑک سے تم ڈرتے ہو اور جس
کے بارش کی تم امید کرتے ہو۔ (۱۳ — ۱۲)

اس آسمانی برق کو ثابت کرنے اور اس کو ایک برقی سیل پر دوں بنانے کے لئے سلسلہ میں بنجامن فرینکلن
BENJAMIN FRANKLIN نے تجربات کئے تھے جس نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ایک
پتنگ اڑایا جب آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے اور گرج اور چمک کے ساتھ ہوا میں بھی نمی تھی اس نے
پتنگ کی ڈور کے دوسرے سرے پر ایک لوہے کی چابی باندھ دی تھی اور اس طرح آسمانی برق نے پتنگ
کی ڈور میں برقی طاقت کو VOLTAGE کو بڑھایا تو اس میں ایک برقی سیل کی لہر رواں ہو گئی جو لوہے کی
چابی تک پہنچ کر بجلی کے ایک اسپارک SPARK کی شکل میں نکل کر زمین تک پہنچ گئی اور اس
طرح اس نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ بادلوں میں یہ برقی طاقت ہی ہے جو شعلوں کی شکل میں چمکتی
اور کڑکتی ہے۔ اگرچہ فرینکلن کا یہ تجربہ مخدوش اور خطرناک تھا جس میں بہت سے تجربہ اور تحقیق کرنے والوں
کو اپنی جانوں تک سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بنجامن فرینکلن کا یہ پہلا قدم تھا پھر اس کے بعد دوسرے برقی اصولوں
کے سلسلے میں کافی تحقیق و دریافت ہوتی رہی اور پھر اس کے بعد ہی سالمات ATOMS کی ابتدا
کے انکشاف سے ہر جہد پر سائنسدانوں کو تحقیق و تجسس کا ایک میدان ہاتھ آگیا اور انھوں نے برقیاتی اور
کائناتی نظریات کے سہارے پر اپنی دریافت کو اور آگے بڑھایا۔ سالمات ATOMS اس کائناتی نظام میں
اکثر غیر جانبدار ہوتے ہیں اگرچہ ان سالمات میں سے اکثر برقی قوت جاذبہ کے تحت نیوٹرل NEUTRAL
بالکل غیر جانبدار ہوتے ہیں جن کو متوازن بھی کہا جا سکتا ہے مگر ان کے اندرونی توازن میں اسوقت حیرت
انگیز تبدیلی اور شکل کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جب یہ باہری یا کائناتی مثبت (+) یا منفی (-)
ذرات PROTONS (+) یا (-) ELECTRONS سے اثر انداز ہو جاتے ہیں اس طرح جب کبھی یہ ان
کئی سالمات کو یا تو اپنے اندر کہیں باہر سے حاصل کرتے ہیں اور یا تو پھر ان منفی سالمات میں سے کچھ کو

اپنے اندرونی توازن میں سے کھو دیتے ہیں تو جیسے انہیں ایک ہیجان یا اچٹ سے مخالف سالمات کے لیے کشش پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح مثبت برقیہ POSITIVE ELECTRON منفی برقیہ NEGATAVE ELECTRON کے اپنی فطری جاذبیت کے تحت ایک دوسرے کے لیے کشش رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں جھپٹتے ہیں اور اس طرح جب یہ فضاؤں میں ایک دوسرے کی طرف رواں ہوتے ہیں تو اس کے نتیجے میں بجلی کی ایک لہر شعلہ نما ہو کر گرج اور چمک کی صلاحیت رکھنے والے بادلوں میں نظر آتی ہے۔ کبھی بادلوں کے درمیان۔ کبھی بادلوں اور فضاؤں کے درمیان تو کبھی بادلوں اور زمین کے درمیان۔!!

اگرچہ سائنسدان اور ماہرین اس سلسلے میں بہت زیادہ پر یقین نہیں ہیں اور نہ ابتک کوئی دوسرا نظریہ اس سلسلے میں پیش کر سکے ہیں کہ قوت برقیہ بادلوں میں کس طرح پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر بھی ان میں کی اکثریت اس نظریہ کو پیش کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہی ہے کہ جب دو بادلوں کے اندر قائم پانی کی بوندیں و ذرات۔ برفانی ریزے اور آندھی و غبار کے طور بادلوں میں آپسی ٹکراؤ یا رگڑ ہوتی ہے تو ان میں برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح بادلوں کے تصادم کے نتیجے میں وزنی ذرات منفی برقیے (-) NEGATIVE ELECTRONS کے حامل ہوتے ہیں اور وہ فطری طور پر وزنی ہونے کی وجہ سے بادلوں کی نچلی سطح پر اور ہلکے ذرات مثبت برقیہ (+) POSITIVE ELECTRONS ذرات اوپری سطح پر سکون ہوتے ہیں اس وقت (+) اور منفی (-) چارج برقیاتی سالمات ایک دوسرے کی طرف جاذبیت اور کشش کے تحت سیل رواں ہو کر لپکتے ہیں اور پھر بجلی کے کوندنے یا برق کی لہروں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

عام حالات میں یہ برقی سیل رواں مندرجہ بالا نظریہ کے تحت بادلوں کے اندر ہی ایک دوسرے کی طرف تیرتی نظر آتی ہے کبھی کبھی یہ سیل رواں بادلوں سے فضاؤں میں تیرتی نظر آتی ہے اور اکثر اوقات یہ برقی سیل رواں بادلوں سے زمین کی طرف ایک شعلہ آتشی لہر کی طرح تیرتی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی ایک مخالف برقیہ زمین سے بادلوں کی طرف اٹھتی ہوئی بھی نظر آتی ہے اور اسکا انحصار قوت برقیہ کے چارج اور اس کے ابتدائی عمل پر ہوتا ہے۔

برقی سیل رواں جو بادلوں سے نکل کر فضاؤں سے ہوتی ہوئی زمین تک آتی ہے وہ بہت تیزی کے ساتھ نوری سیڑھیوں سے اترنے کے مثل ہوتی ہے۔ جس کی ابتداء بادلوں کے نچلے حصے میں چارج منفی برقیہ سے ہوتی ہے جس کی ابتداء درجات اور زینے کے انداز میں بادلوں سے ہوتی ہے اور زمین کی طرف اترتی ہے اور اس طرح یہ برقی سیل رواں مندرجہ سیڑھیاں اور درجات طے کرنے کے انداز میں زمین تک آتی ہے جس کا ہر زینہ تقریباً پچاس گز کا ہوا کرتا ہے جو سکنڈ کے دس لاکھویں حصے میں طے ہوتا ہے اور اس طرح جب بادلوں سے نکلی ہوئی یہ منفی برقیہ زینہ بہ زینہ بے حد سرعت کے ساتھ زمین کے قریب ہو جاتی ہے تو زمین سے مثبت چارج (+) برقیہ بھی اس کی طرف مائل ہو کر منفی کے زمین تک آنے کی راہ ہموار کر دیتی ہے اور اس طرح ایک شعلہ لہر بادلوں سے زمین

کا راستہ بڑی سرعت اور روشنی کی رفتار کے ساتھ کوندتی نظر آتی ہے جو زمین پر بلند عمارتوں، درختوں،
پہاڑوں اور میدانوں میں کھڑے انسانوں اور جانوروں پر اثر انداز ہوجاتی ہے جسکو بجلی کا گرنا یا پڑنا
جانتے ہیں۔ ایک بار وسیلہ قائم ہوجانے کے بعد لگاتار کئی منفی برقیرہ کے جھٹکے STROKES اسی راستہ
سے گذر جاتے ہیں۔ اور پھر اسکی واپسی سیل RETURN STROKES جھماکہ کی شکل میں نظر آتی ہے۔ مگر ان
جھماکوں کی رفتار اسقدر تیز رو ہوتی ہے کہ اسٹروک اور بیک اسٹروک میں کسی قسم کا امتیاز کرنا ممکن
نہیں ہوپاتا کبھی کبھی یہ برقی راستہ لیڈر اور زینوں زینوں طے ہونے کے بجائے ایک ہی بار میں طے ہوجاتا تھا
بجلی کی قوت VOLTAGE اور ماحولی حالات پر منحصر کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ درجات چار یا پانچ زینوں
کا زینہ سلسلہ طے ہو کر بھی سوائے ایک روشنی کے جھماکے کے اور کچھ نہیں ہوتے۔

جدید سائنس دانوں نے اس آسمانی برقیرہ کی ان ظاہری اشکال کی بنیادوں پر کئی قسمیں کردی
ہیں۔ جب یہ برقی رو کئی شاخوں میں بٹی ہوئی ظاہر ہوتی ہے تو اس کو FORKED LIGHTNING
فورک لائٹنگ یا شاخوں والا جھماکا کہتے ہیں کبھی ان کی ظاہری ترتیب کے مطابق اسٹریک لائٹنگ
STREAK LIGHTNING اور کبھی جب یہ بادلوں کے کناروں سے گذرتی ہے تو اسے LIGHTNING
RIBBON۔ یا فیتہ نما جھماکا کہتے ہیں ان کے زاویے اور انکی شکلیں اکثر موسمی حالات۔ بادلوں کی شکلیں
بجلی کی قوت اور ہواؤں کے دباؤ اور دوسرے ماحولیاتی اسباب پر منحصر کرتی ہیں کبھی کبھی آسمان پر سیل
دار اکی برقی دھاری اور لکیر کے بجائے محض ایک روشنی کوندتی نظر آتی ہے یہ اکثر گرم اور خشک راتوں
میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ چمک بلا کسی گرج کی آواز کے ہی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ
اطراف میں نمی اور برودت کے فقدان کی وجہ سے ان بجلیوں کا رابطہ بادلوں سے باہر نہیں ہو پاتا اس
سے ان کی برقی سیل رو کسی لکیر کی شکل میں نظر نہیں آتی ہر کوندنے کے ساتھ گرج بھی ہوتی ہے
گر بادل اس قدر دور اور اتنے فاصلوں پر ہوتے ہیں کہ ان کی گرج ہم کو سنائی نہیں دیتی۔ اور کبھی
کبھی یہ آسمانی بجلیاں بادلوں کے اوپری سطحوں پر ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتیں اور اس طرح بادلوں کی
اوٹ میں محض بجلیوں کے روشن جھماکے ہی نظر آتے ہیں کبھی کبھی بادلوں میں ایک خاص قسم کی کروی یا
گول شکل کی روشن چیز ایک جھماکے کے ساتھ نظر آتی ہے جسکو بال لائٹنگ BALL LIGHTNING کہتے ہیں
اور کئی سکنڈوں تک نظر آکے غائب ہوجاتی ہے یہ اکثر گرجنے والے بادلوں میں بجلی کے عام جھماکوں
کے بعد نظر آتی ہے جو کبھی پیلی کبھی سرخ اور کبھی نارنجی رنگ کی دکھلائی دیتی ہے اور اس کی جسامت
ایک بڑے سنگترے کے برابر ہوتی ہے جو کبھی کبھی بارش کے بعد نم ہواؤں میں تیرتی نظر آتی ہے تو کبھی
کھلی زمین سے بالکل مختصر تیرتی نظر آتی ہے۔

آسمانی برق اپنی انتہائی شکل میں بڑی مہیب اور خطرناک ہوتی ہے اور اس سے نتائج اور
نقصانات اکثر دیکھنے میں آیا کرتے ہیں۔ مگر اس کا گرنا جانداروں اور املاک کو نقصان پہونچانا حتمی
خدا پر منحصر ہوتا ہے وہ جس کو چاہتا ہے نقصان پہونچا سکتا ہے اور اسی طرف قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل

جھوٹے تھے وہ کفار اور فسادی تھے وہ مشرکین مکہ جو کہا کرتے تھے کہ قرآن کو محمدؐ نے خود بنالیا ہے یا تو پھر کوئی انکو قرآن کی تعلیم دیتا ہے ۔ ذرا سوچئے تو کہ سائنس کے وہ عالمانہ نظریات قرآن حکیم میں ملتے ہیں جو کہ آج کے سائنسی ترقی کے دور میں بعد تحقیق تجسس بسیار حاصل ہو رہے ہیں بھلا اسوقت کسی بشری ذہن میں کب آسکتے تھے ۔ قصہ صرف یہ ہے کہ مشرکین مکہ جب آیات قرآنی کے الہامی حقائق کا کوئی جواب نہ لاسکے تو کبھی تو آیات قرآنی کا جادو اور سحر کہہ کر مذاق اڑایا اور کبھی اس قسم کے غلط - اور پروپیگنڈے پھیلائے کہ کوئی محمدؐ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہے اور اسطرح انھوں نے آیات قرآنی کی سحر بیانی کو غیر اہم قرار دینے کی کوششیں کیں اس افواہ اور غلط بیانی کی اصلیت صرف اتنی تھی کہ عبداللہ بن مسلم کا ایک غلام ابو فکیہہ صیقل گر تھا جو اکثر اوقات توریت مقدس کی تلاوت کیا کرتا تھا آنحضرتؐ کا جب کبھی اسطرف سے گذر ہوتا تھا تو آپ توریت کی آیات سننے کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے وہ شخص عجمی تھا جبکہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے ۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ آیات قرآنی جو عربی ادب کا ایک بے مثل شاہکار ہے اور جس کے ہم پلہ ایک آیت عربی زبان کے دانشور اور ادیب آج تک پیش نہ کرسکے تو ایک عجمی صیقل گر کیلئے یہ کہاں ممکن ہو سکتا تھا ۔ قرآن حکیم نے اپنی ایک آیت کے ذریعے اس گوشے کو بھی ہمیشہ کیلئے بند کردیا "وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝" معلوم ہیکہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ (محمدؐ) کو ایک آدمی یہ قرآن سکھلاتا ہے ۔ اسکی زبان جسکی جانب یہ لوگ (قرآن سکھانے) کی نسبت دیتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن تو کھلی عربی زبان ہے (۱۶-۱۰۳) آگے چل کر ایک آیت رسولؐ سے مخاطب ہو کر قرآن کے کتاب آسمانی ہونے کیطرف اور بھی صاف انداز میں اشارہ کر رہی ہے ۔ "وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝" اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے نہ تم کوئی نوشتہ پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے (۲۹-۴۸)۔

خداوند کریم نے عرب کے مشرکین و کافرین کو ہر طرح سے سمجھایا ہے اور راہ حق دکھلانے کیلئے قرآن کی آیات مقدسہ مختلف دلیلوں کے ساتھ نازل کی ہیں ایک جگہ انکو مخاطب کرتے ہوئے قرآن حکیم میں فرمایا ہے "كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝" (اور) جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے تمہارے درمیان ایک بلند مرتبہ رسولؐ بھیجا جو تم کو ہماری آئتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے ۔ اصلاح کرتا اور تمھیں کتاب (قرآن) اور حکمت (عقل) کی باتیں سکھلاتا اور تمھیں ایسی ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنکی تمھیں خبر بھی نہیں ہے (۲-۱۵۱) قرآن حکیم میں دنیا اور کائنات کے جو سارے علوم موجود ہیں ابتک انہیں کے بعض کو ہی انسانی عقل و تجسس کے دائرے میں آسکے ہیں اور ابھی کتنے ہی ایسے علوم و رموز ہونگے جو اب بھی ہماری عقلوں کی رسائی سے بہت دور ہیں ۔ مندرجہ ذیل آیات گرامی میں علوم و معلومات کے سلسلے میں فرمایا ہے "وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ" اور

آیت سے اشارہ ملتا ہے۔

ویرسل الصواعق فیصیب بها من یشاء وهم یجادلون فی الله ۵

(وہی تو ہے جو بجلیاں بھیجتا ہے اور اس سے جس کو چاہتا ہے نقصان پہنچاتا ہے اور وہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں (۱۳-۱۳)

اس سلسلے میں آسمانی برق سے بچنے کے کچھ حفاظتی اور احتیاطی اقدام بھی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جب گرج اور چمک ہو رہی ہو اس وقت میں کسی بڑی، وسیع اور دور تک پھیلی ہوئی کم بلند عمارتوں میں یا کسی بستی میں پناہ لینی چاہیے۔ کسی کھلے میدان میں یا بہت بلند اکیلی عمارت میں پناہ لینا خطرناک ہو سکتا ہے۔

(۲) اگر آپ کسی موٹر کار یا ٹرین میں یا ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہوں تو طوفان برق و باراں کے وقت وہ ایک محفوظ مقام ہے مگر اس کے کسی آہنی حصے سے جسم کو مس نہ کریں۔ اور نہ ہاتھ لگائیں اور جسم کو الگ رکھیں۔

(۳) جو وقت بجلیاں چمک رہی ہوں اس وقت ٹیلی فون کا ریسیور نہ اٹھائیں اور ٹیلی فون کرنے سے پرہیز کریں۔

(۴) اگر طوفان برق و رعد کے وقت کسی کھلے میدان میں پھنس گئے ہوں تو خوب دب کر بیٹھ جائے اور گٹھڑ سا ہو رہے۔

(۵) کسی الگ تنہا اور بلند درخت کے نیچے یا کسی واحد اور بلند عمارت یا مینار کے نیچے مت ٹھہریے۔

(۶) پانی کے اندر یا پانی کے نزدیک مت جائیے۔

(۷) کسی کھلی ہوئی آہنی یا دھاتی سواری میں سفر نہ کیجیے۔ اگر آپ سائیکل یا اسکوٹر پر سفر کر رہے ہوں تو ایسے وقت میں اس سے الگ ہٹ جائیے۔

(۸) اگر آپ کسی صحرا میں ہیں تو ایسے وقت میں بجائے بلند درختوں کے نیچے پناہ لینے کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے جھنڈ یا جھاڑیوں میں پناہ لیجیے۔

(۹) بلند عمارتوں کو آسمانی بجلی سے بچانے کے لیے لائٹنگ کنڈکٹر یا LIGHTNING RODS ضرور لگائیے۔

یہ وہ چند حفاظتی اقدام ہیں جس سے آسمانی بجلی کے منفی اثرات کو کم کیا جا سکتا ہے ویسے تو مرضی خدا احتیاطی تدابیر پر حاوی ہے۔

مخلوق کی ابتدا پانی سے

زمین پر مخلوق کی ابتدا کے سلسلے میں معبود مطلق نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ پر نہایت ہی جامع انداز اور واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جاندار مخلوق کی ابتدا پانی سے کی ہے۔ یہ وہ معلومات ہیں

ہمیں خیالی عالم سے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب کے اس خطہ میں پہنچ جائیں جس جگہ ہر طرف
بنجر اور چٹیل ریت کے سمندر نظر آتے ہیں اور جہاں پر کسی دریا کا وجود نہیں ہے اور وہ بھی عرب کے اس
تاریک دور میں جہاں علم اور ارتقاء کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا
اب کا تو ذکر ہی کیا ہے دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی جہاں معاشرہ اپنے انتہائی بلندیوں پر تھا وہاں
بھی کوئی اسباب کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہ حقیقت بہت بعد میں علم طبقات الارض کے محققین کی بسیار
تگ و دو اور لگاتار کے بعد دریافت ہو پائی ہے۔ زمین کی اندرونی پرتوں پر پائے جانے والے پتھروں کے نشانات
FOSSILS
یعنی پانی کی موجودگی اور مختلف ادوار میں ان پتھروں اور پرتوں میں دبے ہوئے مخلوق کے
آثار سے اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دنیا میں جاندار مخلوق کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔
اور موجودہ دور کی یہ معلومات قرآن حکیم کے ساڑھے چودہ سو برس پہلے کے ارشادات کے عین مطابق ہے۔

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں" (۲۱-۳۰)

علم جغرافیہ اور علم طبقات الارض کی یہ معلومات آج کے دور کی ہیں جبکہ خداوند علیم و حکیم نے اپنی
آیات میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس حقیقت کو نہایت ہی واضح اور مفصل طریقے سے بیان فرمایا
ہے اور وضاحت کی ہے کہ خداوند علیم و حکیم نے جانداروں کو سب سے پہلے پانی سے پیدا کیا۔ اس سلسلے
میں قرآن حکیم میں اس حد تک وضاحت کی ہے کہ علم طبقات الارض اور علم جغرافیہ کے محققین انگشت
بدنداں ہو کر رہ جاتے ہیں ان جانداروں کی تخلیق کے سلسلے جو حیران کن حقائق کی طرف اشارہ ہے جو
دنیا کے ہر جاندار مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ ان میں سے کچھ تو دو پیروں پر چل سکتے ہیں کچھ چار پیروں پر
اور بعض بے شمار پیروں تک اور کچھ پیٹ کے بل رینگ کر بھی چلتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اس سلسلے کی آیات کو پڑھنے سے دنیا کے ابتدائی اور ارتقائی دور کی جو تصویر ابھر کر
سامنے آتی ہے وہ آج کے جدید سائنس جغرافیہ اور علم طبقات الارض کے جدید ترین انکشافات اور
ارتقاء EVOLUTION سے ہو بہو مطابقت رکھتی ہے۔ موجودہ دور کے محققین کو اس بات پر حیرت
ہے کہ یہ معلومات جو قرآن حکیم میں آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے سے ہی موجود ہیں وہ بیسوی
صدی کی معلومات سے کس طرح مکمل مماثلت رکھتی ہیں کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ ان کے مطابق
بھی زندگی کی شروعات جغرافیائی حالات کے تحت بھی پانی سے ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد جب زمین کے
کہیں کہیں خشک ٹکڑے نمودار ہونے شروع ہوئے تو بہت سے جاندار اور مخلوق خشک زمینوں پر پھیل گئے
اور ان کے بدن کی ضروریات کی مناسبت سے ان کے اعضاء میں فطری طور پر تبدیلیاں بھی ہوئی
تھیں جس کی مثال آج کے دریائی گھوڑوں، اود بلاؤ اور گھڑیالوں، مینڈکوں اور کچھوؤں سے
دی جا سکتی ہے جو خشکی اور پانی میں یکساں طور سے رہ سکتے ہیں پھر بعد میں انکی ایک بڑی تعداد خشکی
کی مخلوق بن گئی اور مستقل طور سے خشکی میں رہنے لگی۔

یہ حقیقت تھوڑی سی تشریح طلب ہے جس کا جدید سائنس علم طبقات الارض اور علم جغرافیہ

کی سند اور تحقیق کی روشنی میں ایک اجمالی جائزہ لینا بھی ضروری ہوگا۔

نظام شمسی کے عنوان کے تحت محققین کا یہ نظریہ بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین کا وجود سورج کے بہت بڑے جلتے ہوئے بادلوں گیسوں اور جلتے ڈھیر سے الگ ہو کر دوسرے سات سیاروں کی طرح ہوا۔ اس وقت زمین کا درجہ حرارت ۶۰۰۰ ڈگری (چھ ہزار ڈگری) سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس وقت زمین شدید گرم پگھلے ہوئے مادوں، دھاتوں اور چٹانوں کا ایک شعلہ بار گولہ تھی جو سورج کے گرد چکر لگا رہی تھی جس کی لپٹیں ہزاروں میل دور تک پھیل رہی تھیں اور پھر اسی طرح کروڑوں سال گذر جانے کے بعد جب زمین کی حرارت اور آنچ کچھ کم ہوئی تو اس کے بخارات اٹھ کر بادلوں کی شکل میں آسمان کی طرف جانے لگے اور کچھ ٹھنڈے ہو کر زمین پر چھا گئے پھر اس کے بعد زمین پر بارش کا ایک لگاتار سلسلہ شروع ہو گیا مگر اس قدر گرم اور دہکتی ہوئی زمین پر بھلا اس وقت اور اتنی جلدی بارش کا کیا اثر ہو سکتا تھا جس کی مثال ایک دہکتی ہوئی انگیٹھی جیسی تھی جس پر پانی پڑتا تھا اور فوراً ہی بھاپ بن کر دوبارہ اوپر اٹھ جاتا تھا اور بادلوں کی شکل اختیار کر کے برس پڑتا تھا۔ اسی طرح یہ عمل لاکھوں برس تک جاری رہا۔ بارش ہوتی رہی جس کی وجہ سے جلتی ہوئی زمین پر بارش کا پانی بھاپ بن کر اٹھتا رہا اور بادل بن کر برستا رہا اور بارش ہوتے رہنے کا یہ سلسلہ لگاتار جاری رہا۔ زمین پر فضاؤں میں گھٹا ٹوپ بادل چھائے رہتے تھے یہاں تک کہ مدت دراز کے بعد زمین کچھ ٹھنڈی پڑنے لگی۔ اور دھیرے دھیرے پانی کو جذب کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ زمین کی سطح اب پانی کو قبول کرنے کے لائق ہونے لگی۔ اور پھر ایک دن وہ وقت بھی آ ہی گیا جب زمین پر ہر طرف ابال کھاتا ہوا پانی نظر آنے لگا۔ یہ وہ وقت تھا جب زمین پر کہیں خشکی کا نام و نشان بھی نہیں تھا یہی کائناتی گردش اپنے محور پر چکر اور لگاتار بارش اور ہواؤں کی وجہ سے دھیرے دھیرے زمین کچھ ٹھنڈی پڑنے لگی تو اس کی سب سے نچلی سطح پر سب سے بھاری اور وزن دار مادے تہ نشین ہونے لگے پھر پرتوں کی شکل میں جمنے لگے جن میں وزنی دھاتیں اور معدنیات شامل تھے اسی طرح ان کے اوپر کچھ ہلکی دھاتیں اور کم ثقیل مادوں کی تہیں جمنی شروع ہو گئیں اس فطری طریقہ کار میں اس طرح لاکھوں برس گذر گئے۔

ایک عجیب منظر رہا ہوگا اس وقت جب زمین پر ہر طرف شدید حرارت کے تحت ابال کھاتا ہوا پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا اس وقت زمین پر کسی طرح کی زندگی کا پایا جانا یا کسی قسم کے نمو کے آثار کا ہونا بعید از قیاس ہی تھا۔ بارش ہوتی ہوگی۔ بھاپ بلند ہو کر بادل بنتی رہتی ہوگی۔ پھر ٹھنڈی پڑ کر برس پڑتی ہوگی۔ اور اس طرح ایک مسلسل گر مربوط نظام قدرت کے تحت زمین کی حرارت اور گرمی کم ہوتی رہی زمین میں پرتیں اور تہیں خود بخود ہوتی رہیں سب سے نیچے سب سے وزنی دھاتوں اور معدنیات کی تہیں جم کر پکی ہوتی رہیں اور زمین پر طبقات اور پرتیں معدنی اور جغرافیائی حالات کے تحت ایک دوسرے پر ترتیب پاتی رہی تھیں جو گرمی اور اوپری دباؤ کے تحت سخت اور ٹھوس ہو رہی تھیں بتدریج ٹھنڈی پڑنے کے ساتھ ساتھ پانی کی حرارت بھی کچھ کم ہو رہی تھی جو اب کسی ایسے نمو کے لئے تیار

وہاں کن ماحولی کیفیات کے تحت نمودار ہو سکیں اور پرورش پا سکیں سب سے پہلے کونسی مخلوق وجود میں
آئی وہ کونسا زمانہ تھا! کون بتلا سکتا ہے ان تفصیلات کو۔ نہ تو اس وقت کوئی مورخ تھا۔ نہ کوئی تاریخ
اگرچہ ایک مورخ ضرور تھا اور وہ تھا قوانین فطرت کا مورخ جو ابتدائے آفرینش سے دور حاضر تک کی
تاریخ لکھ رہا تھا۔ زمین کے تہ بہ تہ پرتوں کے صفحات پر وہ ان ادوار کے آثار متحجرہ FOSSILS کی زبان
میں۔ جن کا مطالعہ علم طبقات الارض کے ماہرین اور محققین آج بھی کر رہے ہیں۔

ماہرین طبقات الارض نے نباتات کا اندازہ لگایا ہے کہ زمین کے ابتدائی طبق جو آج بھی مرکزی
اور سنگلاخ ہے سب سے ٹھوس اور گٹھی ہے آج سے تقریباً دو ارب سال قدیم ہے اور اسطرح مختلف ادوار
اور زمانوں میں جمنے والے ان طبقات اور پرتوں کی شکل میں کثافت اور ٹھوس پن سے ان کے ادوار اور
قدامت کا پتہ لگایا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف زمانے میں جمنے والے ان طبقات الارض میں زندگی کے
آثار اور ان کی نوعیت کا بھی اس دور اور اس زمانہ کے آثار متحجرہ FOSSILS سے لگایا جاتا ہے۔ یہ آثار
تو اس زمانے کے ڈھانچے، حیوانات اور حیاتیاتی اشکال ہیں جو آج سخت ہو کر پتھر بن چکے ہیں

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے ان ابتدائی تہوں کے مشاہدہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً
دو ارب اور ایک ارب پچھتر کروڑ سال قبل کے درمیانی دور میں پانی اس قدر گرم اور ابلتا ہوا تھا کہ اس
وقت کسی قسم کی زندگی کا پایا جانا بھی ممکن نہیں تھا اس طرح اسی دور کا سب سے نچلا حصہ سخت اور ٹھوس
چٹانوں، نباتات اور اسپات جیسی وزنی اور گٹھی ظلمات کا تہ نشین ہونا اور جمنا اس بات کا شاہد
ہے۔ مگر اس کے بعد والے طبقات میں کچھ بھورے اور بیگنی رنگ کی کائی کے آثار ملتے جو ان پرتوں میں کیمیاوی اثرات
سے ان پر رنگین نباتات چھوڑ گئے ہیں اور اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ سب سے پہلے اسی
قسم کی زندگی کے آثار ملے جو تقریباً ڈیڑھ ارب سال سے لے کر پچاس کروڑ سال تک پرانے ہیں۔
یعنی SPONG اور زندگی و نمو رکھنے والے ایلجا ALGAE اور فنگس FUNGUS ہیں جن کو ہم زیادہ سے
زیادہ بیکٹیریا گروپ BACTERIAGRP کہہ سکتے ہیں۔

پھر اس کے اوپر والا طبقہ تقریباً ۱۰ ہزار فٹ موٹا ہے اور جو تقریباً چالیس سے پچاس کروڑ سال
پرانا ہے۔ ان پرتوں میں جو آثار متحجرہ FOSSILES پائے گئے ہیں انہیں ایسے کیڑے ہیں جنھیں ریڑھ کی ہڈیاں
نہیں ہیں سمجھیے۔ پانی کے اوپر تیرنے والے کیڑے اور واحد سیل رکھنے والے ملائم اور بغیر ہڈیوں
والے کیڑے اور جانور یا پھر بتدریج اوپر کی تہوں میں جھینگے۔ مچھلیاں یا پیٹ کے بل تیرنے والے کیڑے
مکوڑوں اور کیچوؤں کے ہم شکل پائے گئے ہیں۔

اس کے بعد والی پرت کی موٹائی تقریباً پچپن ہزار فٹ ہے جس کی عمر کا اندازہ تقریباً تیس کروڑ سے
چالیس کروڑ سال کے درمیان کا لگایا گیا ہے اس طبق میں مچھلیوں کی قسم کے ریڑھ والے کیڑے
اور جانور یا شل رکھنے والے کیڑے کوڑے سیپ اور گھونگھے وغیرہ کے آثار متحجرہ قابل ذکر ہیں۔
پھر اس کے بعد تیس کروڑ سے بیس کروڑ سال پرانے طبق پائے گئے ہیں جن کی موٹائی تقریباً پچپن ہزار

سے چالیس ہزار فٹ ہے یہ طبق پتے والی طبقات سے کم گہرے ہیں اور نہیں سالمات بھی پائے جاتے ہیں اس دور کے
آثار متحجرہ میں ایسے جانوروں کے ڈھانچے پائے گئے ہیں جو پانی اور خشکی دونوں میں رہ سکتے ہیں جیسے گھڑیال،
دریائی گھوڑے اور جل بچھوے وغیرہ۔ ان پتوں اور پودوں پر ظاہر نشانات سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا
گیا ہے کہ اس وقت زمین میں ابھار اور ساحل پیدا ہو چلی تھی اور اس کی سطح پر نشیب اور فراز بلندیاں
اور ابھار نظر آنے لگے تھے۔ اور اس طرح پانی کے یہ جانور اب اطراف میں ابھری ہوئی خشک زمینوں پر
بھی چلنے پھرنے لگے تھے۔ یہ طبق بھی ایسی پچھلی والی تہوں سے کم گھنا اور سالمات والا ہے۔

اس کے بعد والے طبقے کی موٹائی تقریباً چالیس سے پچاس ہزار فٹ ہے اس طبق کی عمر کا اندازہ
بیس کروڑ سے پندرہ کروڑ سال کا لگایا گیا ہے یہ طبق اپنے پچھلے والے طبق سے نسبتاً زیادہ ملائم اور مسامات والا ہے
جس سے اس دور میں آکسیجن کی فراوانی کا اندازہ ہوتا ہے اس زمانہ میں نباتات بھی وافر تعداد میں
رہے ہوں گے اس زمانے کے آثار متحجرہ دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مخلوق نے اس وقت تک کی زندگی کی
بہت سی ارتقائی منزلیں پار کر لی تھیں اس وقت کے آثار متحجرہ میں بڑے عظیم و جسیم اور مہیب خشکی کے جانور
اور زمین پر چلنے والے جانور ملے گئے ہیں جنھیں ڈائنا سور یا آٹو سارس خاص ہیں جن کی لمبائی بھی
پچاس سے سو فٹ تک کی پائی گئی ہے۔ اسی زمانے سے سمندری جانور وہیل، سیل، شارک وغیرہ کے
آثار متحجرہ بھی پائے جانے لگے۔ ان جانوروں اور دوسری مخلوق کے آثار متحجرہ تفصیلات کے ساتھ دنیا
کے بڑے بڑے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں جو اپنے دور کی اور ماقبل زندگی کی کہانیاں سنا رہے ہیں

اس کے اوپر والی طبق ایک لاکھ فٹ سے ایک لاکھ دس ہزار فٹ تک موٹی ہے جو پہلی والی
پرت سے بھی زیادہ ملائم اور مسامات ہے اس پرت میں دوسرے جانوروں کے ساتھ ساتھ نباتات پر
زندگی گزارنے والے جانوروں کے آثار متحجرہ بھی پائے جانے لگے جیسے زرافہ، نیل گائے، گوریلے اور
کنگارو خاص ہیں۔ انھیں میں دو نمبروں، گوشت خور جانوروں اور شیروں کے ساتھ کچھ چھوٹی قسم
کے ڈائنا سوروں اور ماقبلوں کے آثار متحجرہ بھی قابل ذکر ہیں ان ملائم اور مسامات پرتوں سے یہ بھی عیاں
ہے کہ اس زمانہ میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن کے ساتھ ساتھ آکسیجن کی بھی افراط تھی اور
اس طرح اس وقت ماحول اور بھی زیادہ سرسبز ہو چکا تھا اور گھنے جنگلات میں طرح طرح کے رینگنے
جیسے اور پیٹ کے بل چلنے والے سانپوں اور اژدہوں کی پیدائش بھی ہو چکی تھی۔ ان جانوروں
جنگلاتی نباتات اور کیڑے مکوڑوں کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب قسم کے کیڑوں مکوڑوں اور چمگادڑوں
کی قسم کے جانوروں کے آثار متحجرہ بھی ملتے ہیں جن میں سے اکثر اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اس پرت پر دوری
دباؤ کا اثر بھی کم نظر آتا ہے اس پرت کے بننے کا اندازہ بھی سات کروڑ سال کا لگایا جاتا ہے۔ اس
طبق میں خشکی پر رینگنے والے اور زمین کے اندر سوراخ کر کے رہنے والے جانور بھی پائے گئے ہیں اور
اس دور میں نیولوں، گوہ اور چوہوں کی نسل کے جانوروں کے آثار متحجرہ بھی پائے گئے ہیں۔

اس کے بعد والے زمینی طبق کی موٹائی ایک لاکھ فٹ سے ستر ہزار فٹ تک ہے۔

رہا ہے یعنی والی پرت سے بھی زیادہ ملائم، تیلی اور مساماتی ہے اس کی مدت کا اندازہ ایک کروڑ سال سے
پانچ کروڑ سال تک کا لگایا جا رہا ہے اس طرح یہ طبق اوپر کی طرف کو بتدریج اور بھی زیادہ ملائم ہوتی چلی
گئی ہے اس پرت میں درندوں، چرندوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ دودھ پلانے والے جانوروں کے
آثار بھی پائے گئے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس دور میں زمین کا بہت بڑا حصہ
خشک ہو چکا تھا اور گھنے جنگلوں سے بھر گیا تھا اس دور میں آکسیجن کا دوسری گیسوں پر غلبہ تھا ہر طرف
ہریالی نظر آنے لگی تھی زمین پر طرح طرح کے دو پیروں پر چلنے والے چار پیروں پر چلنے والے ایک
پیٹ پر چلنے والے بے شمار پیروں پر چلنے والے اور پیٹ کے بل چلنے والے عجیب و غریب جانوروں کے
آثار ان پرتوں میں نظر آتے ہیں۔ انہیں وہ جانور بھی شامل ہیں جو پانی اور خشکی میں یکساں طور سے
رہ سکتے ہیں اور ایسے جانور آج بھی پائے جاتے ہیں اور پھر یہ عالم رنگ و بو طرح طرح کے جانوروں
پرندوں اور مخلوقات سے سنور اٹھا جس کی وضاحت قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں اس طرح ملتا ہے۔

واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین
ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر ۵

اور اللہ ہی نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا انہیں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ
کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پیروں
پر چلتے ہیں انہیں سے بعض کا ذکر ہوا یا نہیں، وہ اسکو جیسا چاہتا ہے اپنی مصلحت سے پیدا
کر دیتا ہے۔ (۲۴-۴۵)

ان آیات گرامی کے پیش نظر آج کے جدید دور کا ہر سائنسداں اور ماہر طبقات الارض ان
تمام فکروں کو درس ربانی اور قرآن حکیم کو کتاب آسمانی سمجھ رہا ہے۔

علم الجنین اور قرآن

قرآن آخری کتاب آسمانی ہے جس میں ہر اس علم کا ذکر ہے جس کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے
اسلام اور ایمان، تقویٰ اور پرہیزگاری، سچائی اور صداقت، حق گوئی اور بے باکی، حسن سلوک اور محبت
جیسی بیشمار تعلیمات کے ذریعہ سے قرآن حکیم نے انسان کو بہترین معاشرہ کی تشکیل کی رغبت دلائی
ہے قرآن نے انسان کو کسی غیر اللہ اور ظالم کے آگے سرنگوں ہونے سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ خدا کے
بندوں کو بھی اسلام نے شرک اور ما سوا اللہ کے کسی دوسری طاقت کے سامنے جھکنے اور دنیاوی عبادتوں
سے تنبیہ کرتے ہوئے مشرکوں اور کافروں کو انسانیت سے خارج کرتے ہوئے انھیں جہنم کا ایندھن
اور عذاب اور سزاؤں کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ

جس نے تمھیں بنایا ہے وہی تمھارا خالق مطلق ہے اور جن چیزوں کو تم خود بناتے ہو وہ ہرگز خدا نہیں ہو سکتے!

خالق مطلق اور حکیم بے ہمتا نے اپنی اس آخری کتاب میں ایسے سارے علوم کی تعلیم اور رموز کا ذکر کیا ہے جنکا جاننا بیشک ہماری انسانی زندگی اور ارتقا کے لیے اہم اور ضروری ہے۔ قاضی ابو بکر کی قانون التاویل کے مطابق قرآن حکیم میں ستتر ہزار پانچ سو ایسے علوم کا ذکر ہے جو آج سے ساڑھے چودہ سو برس قبل کے جاہلیت کے دور میں عام انسانوں کے معیار اور فہم سے بالاتر تھے اور جو انھیں محض قصے کہانیوں کا ایک ذخیرہ سمجھتے تھے اور آج کے ارتقائی دور میں جبکہ انسان نے علمی میدان میں کافی ترقی کرلی ہے قرآن کے علوم آہستہ آہستہ سمجھ میں آتے جارہے ہیں۔ آج جبکہ انسان نے علم سائنس، علم جغرافیہ، علم افلاکیات، علم طبقات الارض اور میڈیکل سائنس وغیرہ میں کافی ترقی کرلی ہے اور آئے دن نئے نئے انکشافات ہورہے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ رموز قرآن سے بھی پردے اٹھتے جارہے ہیں مگر آج بھی علم القرآن مشکل سے پانچ فیصد ہی سمجھا جاسکا ہے۔ اسی طرح جیسے جیسے انسانی علوم اور اسکی تلاش و جستجو کا دائرہ وسیع ہوگا قرآن کے پر از حکمت اور کتاب آسمانی ہونے کا عالمی اعتقاد بھی بڑھتا جائے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان کے تحت میڈیکل سائنس کے اہم شعبہ علم الجنین EMBRYOLOGY کا قرآن کی روشنی میں ایک اجمالی جائزہ لیا جائے جنین انسانی "نطفہ" اور ظلمات سے لیکر اس کی تکمیل تک کا مکمل علم ہے۔ آج اس علم کے ماہرین اور محققین جب اس سے متعلق قرآنی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ یہ علم قرآن حکیم میں آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی انتہائی مفصل اور باریکی کے ساتھ ابتدائی مراحل سے لیکر تکمیل تک موجود ہے جو آج کے جدید سائنسی دور میں جدید آلات، خوردبینوں، ایکسرے اور الٹراساؤنڈ کی مدد سے حاصل ہو پارہا ہے علم القرآن کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ہی فرانسیسی محقق اور مبصر موریس بوکائے MAURICE BUCAILLE نے حقائق قرآن سے متاثر ہوکر "قرآن اور جدید سائنس" "THE QURAN & MODERNSCIENCE" نام کی کتاب ہی لکھ ڈالی اس کتاب میں اپنے دیگر علوم و عنوانات کے ساتھ علم الجنین۔ EMBRYOLOGY کا بھی ذکر کیا ہے اور اس علم کے متعلق قرآن حکیم کی آیات کے علاوہ انداز بیان سے متاثر ہوکر یوں رقمطراز ہے۔ اس کتاب مقدس میں علم جنین۔ EMBRYOLOGY کے مختلف مراحل کا بڑے محتاط اور صحیح ڈھنگ سے سائنس اور میکانیکی اصولوں کے مطابق ذکر کیا گیا ہے جسکا ایک نقطہ بھی کہیں پر غیر واضح اور مشکوک نہیں ہے قرآن حکیم میں اس علم بڑی وضاحت کے ساتھ نہایت سلیس اور عام فہم انداز میں ذکر کیا ہے جس کو ایک عام آدمی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔

تخلیق انسانی کے سلسلے میں قرآن حکیم میں متعدد آیات آئی ہیں اور خالق مطلق نے اس حقیقت سے ساڑھے چودہ سو سال قبل پردہ اٹھایا ہے جو قدرت اس کے بارے میں انسان کی

...ت ہونے برابر ہی تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ بیسویں صدی کے اوائل تک بھی انسان نے اس طرف توجہ بھی رفت نہیں کی تھی مگر آج کے جدید سائنسی دور میں جبکہ علم سائنس اور بائیولوجی کے عظیم انکشافات ہو چکے ہیں اب آیات قرآنی کے وحی آسمانی اور قرآن کریم کو کتاب آسمانی ماننے میں دانشوروں کو کوئی دقت نہیں ہے۔

اسی سلسلے کی پہلی آیت مطلع کر رہی ہے کہ ”خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝“ جس نے انسان کو (بستہ خون کی پھٹکی) سے پیدا کیا۔ اس سلسلے میں پہلے تھوڑا سا علم حیاتیات BIOLOGY کا حوالہ دینا ضروری ہے یعنی خام اور ادھورے خلیات کو جنین EMBRYO کہتے ہیں جنکی ان کی بچہ دانی میں پرورش ہوتی ہے۔ اور اس دوران جنین کو جن مختلف مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اسکا قرآن حکیم میں بڑے ہی انوکھا انداز میں ذکر آیا ہے۔

”ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ۝ ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ۝ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ۝ ثم انشأناه خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين ۝“

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (ست خالص) سے پیدا کیا پھر اسکو ایک محفوظ اور مضبوط جگہ (بچہ دانی) میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفہ کو علقہ یعنی خون بستہ کی پھٹکی، اور پھر علقہ کو ”مضغہ“ (گوشت کا ڈھیلا لوتھڑا) بنا دیا پھر مضغہ کے اندر ”عظاما“ (ہڈیوں کا ڈھانچہ)۔ پھر اس ڈھانچے کے اوپر ”لحما“ (گوشت اور پٹھے) اور پھر کھال کی پوشاک پہنا کر اس کو ایک نئی صورت میں بدل دیا۔ تو خدا کتنا بابرکت اور کتنا اچھا بنانے والا ہے۔“ (۲۳ — ۱۴)

آج کے جدید سائنسی دور میں جبکہ بڑی طاقتور خورد بینیں وجود میں آچکی ہیں۔ یہ سارے بیانات بحرف صادق آچکے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں قرآن حکیم نے تخلیق آدم کے مراحل بتا کر انسان کے لیے تجسس کے باب کھول دیے ہیں تاکہ انسان اپنی خلقت کو سمجھ سکے۔

”هو الذي خلقكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم يخرجكم طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ثم لتكونوا شيوخا ۚ ومنكم من يتوفى من قبل ولتبلغوا اجلا مسمى ولعلكم تعقلون“

وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ بنایا۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر تم کو بچہ کی طرح پیدا کیا پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم (موت کے) وقت مقررہ تک پہنچ جاتے ہو تاکہ تم سمجھو (غور کرو)“ (۴۰ — ۶۷)

یہ سارے انسانی تخلیق کے سلسلے کی تفصیلات اور مراحل جاننے تو رو در بینوں لینسز اسکیننگ
اور الٹرا ساؤنڈ کے ایجادات کے بعد حرف بحرف اور بلا کسی اختلاف کے ویسی ہی پائی جا رہی ہیں
اور پیدائش کے بعد بھی انسانی زندگی کے مشاہدات بالکل اسی طرح کے ہیں۔

اپنے ہم جنس بچے پیدا کرنے کے عمل کو تولید (REPRODUCTION) کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں
ہیں۔ (۱) جنسی تولید (SEXUAL REPRODUTION) اور غیر جنسی تولید (۲) (NON SEXUAL REPRODUCTION)
انسانی تولید قسم اول یعنی جنسی تولیدی عمل سے وقوع ہوتی ہے جسمیں نر اور مادہ (MALE OR FEMAL) دونوں
کا اشتراکی عمل ہوتا ہے اور قرآن پاک میں اسکا ذکر اس طرح سے آیا ہے۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (اور یہ کہ وہی ہے جو دو قسم کے نر اور مادہ پیدا کرتا
ہے۔ (۵۳-۴۵) النجم۔

ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ
تمہارے لئے تمہاری ہی قسم کے جوڑے بنائے تاکہ ان سے آرام پاؤ اور تم میں محبت و مہربانی
پیدا کر دی (الروم) اسی طرف اشارہ ہے۔ (۳۰-۲۱)

ہم جنس جوڑوں سے اولاد پیدا کرنے اور نسل بڑھنے کی طرف بھی آیات کریمہ میں ذکر آیا ہے تاکہ
ابن آدم خوب سمجھ لے کہ انسانی ارتقا اور خاندان کے بڑھنے کے لئے ان کے ہم جنس جوڑوں کا ہونا لازمی
اور مقدم ہے جسکو میڈیکل سائنس بھی قبول کرتی ہے اور اسکی ساری تھیوریز اور نظریوں کا انحصار
اور جس کی وضاحت قرآن کریم نے بھی کئی جگہ کی ہے چنانچہ اسی سلسلے کی ایک آیت میں آیا ہے۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ
وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی عورتیں پیدا کیں اور ان عورتوں سے تمہارے
لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں" (۱۶-۷۲)

یہ جنسی تولید صرف ایسے جاندار نر اور مادہ میں کامیاب ہو سکتی ہیں جو ایک ہی جنس،
نوع اور قسم کے ہوں۔ ورنہ پھر تولیدی عمل کامیاب نہیں ہو سکیگا جس کی قرآن کریم نے جگہ جگہ
وضاحت کی ہے۔

جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ
اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے
اور اس طریقہ پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔ (۴۲-۱۱)

علم جنین (EMBRYO) کی رو سے بھی ایک ہم جنس جوڑے کے خلیات (CELLS) کروموسوم (CHROMO
SOMAS) کی تعداد برابر ہوتی ہے جو اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک ہی قسم یا
جنس (SPECIES) میں کامیاب تولید کا عمل ہوتا ہے جس سے نسل انسانی بڑھ سکتی ہے قرآن کریم

کی مقدس آیات نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ تمھاری ہی جنس میں جوڑے (زاور مادہ) بنائے اور اسی سے تمھاری نسل کو بڑھتا ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جاندار میں خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان زاور مادہ صرف نسل بڑھانے کے لئے بنائے گئے ہیں نر کے جنسی خلیات کو اسپرم (SPERM) مادہ تولید یا منی کہتے ہیں اور مادہ کے جنسی خلیات کو بیضہ (OVA) کہتے ہیں اور ان دونوں کے اشتراک سے بچہ دانی میں (OVARY) ظہور پذیر ہوتا ہے اسے ہم تخم ریزی FERTILIZATION کہتے ہیں۔ کچھ جانوروں میں یہ عمل شکم مادر ہی میں ہوتا ہے اور تخم ریزی کے مراحل سے گذرنے کے بعد بچہ شکم مادر ہی میں مکمل ہو جاتا ہے اور بعض جنسوں میں یہ عمل پانی وغیرہ میں بھی مکمل ہوتا ہے۔ انسانوں میں تخم ریزی کا کام ماں کے رحم (OVARY) میں ہی مکمل ہوتا ہے اور اسطرح کو قرآن نے اسطرح بیان کیا ہے — وہی تو ہے جو ارحام میں ہی جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بنا دیتا ہے۔ (۳-۶)

هُوَ الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ه وہی تو ہے جو ارحام میں ہی جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بنا دیتا ہے۔ (۳-۶)

میڈیکل سائنس کے اس عظیم ترقی کے دور میں علم تشریح الاعضاء (ANATOMY) کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچہ اپنے ارتقاء اور تکمیل کے دوران تین پردوں کے اندر رہتا ہے۔

(۱) پیٹ کا پردہ (ABDOMINAL WALL) (۲) رحم کا پردہ (UTERINAL WALL) اور اس جنین پر لپٹی ہوئی جھلی (EXTRA EMBRYONIC MEMBRANE) اور اس موجودہ دور کی دریافت کا قرآن حکیم نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی ذکر کیا ہے

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ه وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ میں پہلے ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے۔

(۳۹-۶)

اور اس ایک طرح اور پھر دوسری طرح کے سلسلے میں بھی ایک دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے:

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ه اس نے تمھیں درجہ بدرجہ خلق کیا۔ (۷۱-۱۴)

قرآن پاک کی جنین کے لئے کی اور تخم ریزی سے متعلق سارے مراحل اور تفصیلات بلاکسی کمی بیشی کے وہی ہیں جسکا اجمالی موازنہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) سلالہ من طین - عنزا نباتی جوہر (EXTRACT OF INORGANIC MATTER)

(۲) نطفہ (منی) (PRODUCTION UNIT)

(۳) علقہ (جمے ہوئے خون کی پھٹکی) MASS OF CELLS

(۴) مضغہ (چبائے ہوئے گوشت کا ٹکڑا) (HANGING MASS)

کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا" (۶-۹۲) اور اس دور میں
وہ تمام علوم سائنس آجاتے ہیں جو خدا نے قرآن حکیم کی آیات گرامی میں نازل فرمائے ہیں جن پر تحقیق و تجسس
جاری ہے اور جن کی بہت سی باتیں معلوم بھی ہو چکی ہیں اور بہت سی واضح ہوتی جا رہی ہیں جنہیں علم کائنات
علم افلاک، طبیعیات، فزیالوجی، علوم خلا و فضائے بسیط، علم جنین، علم حیوانات، علم طبقات سبھی آجاتے
ہیں جنکا ذکر حوالوں کے ساتھ آگے چل کر تفصیل دینے کی کوشش کروں گا جن کی دریافتوں کے ساتھ
قرآن کی معجز نمائی واضح ہوتی جا رہی ہے اور دنیا کی ہر قوم کا سائنسداں اور دانشور قرآن حکیم کو آسمانی
کتاب سمجھنے لگا ہے۔

قرآن حکیم اور جدید سائنس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ تحقیق جو دور حاضر کے جدید
سائنس میں ہو رہی ہیں ان پر بسیط اور معلومات کے سلسلے میں جو نئے نئے شعبے قائم ہوتے جا رہے
ہیں قرآن کی روشنی میں یہ ساری علمی معلومات آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل کی نظر آتی ہیں جن سے
قرآن حکیم کی عظمت اور اہمیت اور بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ قرآن حکیم نے نہ صرف حقائق بیان کئے ہیں بلکہ
صدیوں سے چلے آرہے توہماتی فرسودہ اور قیاسی عقائد پر بھی ضرب کاری لگائی ہے۔ قرآن حکیم نے
علم کی نئی نئی راہیں ہموار کی ہیں۔ سائنس کے ہر شعبے میں نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں جو خدا کی وحدت
و یکتائی اور لازوال وجود کا تبلیغی پہلو بھی روشن کر رہے ہیں۔ قرآن مقدس میں کائنات کے ہر خشک و تر کا
ذکر موجود ہے اور ہر اس نظریہ پر بھی ابن آدم کو ضرورت پڑ سکتی ہے اور ہر اس مسئلہ کا حل موجود ہے
جس سے انسان دوچار ہو سکتا ہے مگر ان رموز کو سمجھنے والی عقل چاہیے تجسس کرنے والا ذوق چاہیے۔
اور سوچنے کیلئے پرواز تخیل چاہیے جسکی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا ہے کہ میری بنائی ہوئی چیزوں پر
غور کرو ساتھ ہی ساتھ اپنی تخلیق کی طرف اسطرح اشارہ کیا ہے "وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"
آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتیں خدا ہی سے متعلق ہیں (۱۶-۷۷) کیا حدیں ہو سکتی ہیں اس خلاق
عالم کی عظمتوں اور حکمتوں کی جنکو ایک ناقص عقل رکھنے والا انسان بھلا کیا سمجھ سکے۔ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی
کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱۶-۷۷)

قرآن حکیم کے آسمانی کتاب ہونے کے سلسلے میں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ
اس میں کسی علم کی تعلیم دینے کے سلسلے میں کسی شے یا چیز کو کوئی پیشہ ورانہ اور فنی نام نہیں دیا گیا
جو ہر زمانہ میں بدلتا رہا ہے اور بدلتا رہے گا بلکہ ان کے لئے کچھ ایسے مخفی اشارے استعمال کئے گئے ہیں
جن سے وہ نظریہ آج بھی آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے اور آئندہ بھی ہر دور میں اسی طرح قابل فہم
اور مفید رہے گا جو بجز اس قادر مطلق کے اور کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک کا نزول حضرت
محمدؐ پر تقریباً ساڑھے ۲۲ سال تک بتدریج موقع و محل کی مناسبت سے ہوتا رہا ہے۔ جس میں انسانی ضمیر
کو بیدار کرنے، انسانی قدروں کو حاصل کرنے اور معیار زندگی کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ
کائنات کی ساری علم و حکمت کا ذکر ہے جبکہ سائنس یا کائنات کے علم کی کوئی نصابی کتاب نہیں

(۵) عظاما (ہڈیوں کا ڈھانچہ) (SKELETAL SYSTEM)

(۶) لحما (گوشت اور پٹھے) (FLUSH WITH MUSCLES)

(۷) خلقا آخر (پورا اور مکمل بچہ) (FULLY DEVELOPED BABY)

ان تشریحات کو دیکھنے کے بعد مندرجہ ذیل آیت ذہن نشین کر لیجئے۔ ایک خاص قسم کا خاکہ نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور علم جنین (EMBRYO) کا مکمل درس مل جاتا ہے۔

ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين ٥

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے (ست خالص سلالہ) سے پیدا کیا۔ پھر اسکو محفوظ جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ (لیس دار خون کی بستہ پھٹکی) پھر علقہ کو مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر مضغہ کے اندر عظاما (ہڈیوں کا ڈھانچہ) اور پھر اس ڈھانچہ کے اوپر لحما (گوشت اور کھال کی پوشاک پہنا کر اسکو نئی شکل خلقا آخر (مکمل بچہ) میں بدل دیا تو خدا کتنا بابرکت اور اچھا بنانے والا ہے۔"

ایک دوسری آیت میں آیا ہے کہ "انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج" بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ملی جلی منی (FERTILIZED EGGS OR OVUM) سے (۶)—(۵) اور یہ وہی سلسلہ وار عمل تولید ہے جسکا علم آج کے جدید میڈیکل سائنس سے حرف بحرف ملتا ہے جسکی اطلاع قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل دی ہے۔

قرآن حکیم کی اس سلسلے کی آیات کو علم جنین (EMBRYOLOGY) کے ماہرین اپنی تحقیق اور معلومات کے عین مطابق پاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں دیئے گئے علم جنین کے سارے مراحل ایک ہی جیسے ہیں اور ان کے مطابق ہی SPERM (مرد کا مادہ تولید) TESTIS میں اور OVA (مادہ کے جنسی خلیات) OVARY میں پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی غذاؤں سے حاصل شدہ (INORGANIC MATTERS) غیر حیاتی مادوں کے معدہ کے افعال اور عمل کے ذریعے (ORGANIC MATTERS) حیاتی مادوں میں تبدیل ہو جانے کے بعد ان سے اسپرم SPERM اور انڈے OVUM بنتے ہیں۔ اور پھر انہیں کے ایک اور واحد اسپرم اور واحد انڈے کے ادغام اور اختلاط سے زائگوٹ ZYGOTE کا وجود عمل میں آتا ہے جو ابتدا میں صرف ایک خلیہ SINGLE CELL ہوتا ہے مگر پھر بڑی تیزی کے ساتھ خود کو دو گنا کرنا شروع کر دیتا ہے یعنی ان زائگوٹ کے تعداد میں بڑھنے کا عمل GEOMETRICAL PROGRESSION BY MITOSIC کے اصولوں پر ہوتا ہے (جیسے ایک کا دو۔ دو کا چار۔ چار کا آٹھ۔ اور آٹھ کا سولہ) اور اسطرح تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا خلیات کا ایک ڈھیر بنجاتا ہے جسکے قرآن حکیم میں علقہ اور علم جنین میں A MASS OF CELLS کا نام آیا ہے۔ اسی طرح "نطفہ" اور علقہ کے بعد جنین کے تمام ادوار کے مکمل ہونے کے سارے مراحل قرآن حکیم اور علم جنین

دونوں کے ایک ہی بچے ہیں جنکی تفصیل اوپر دی جا چکی ہے۔

اس عنوان کو مکمل کرنے سے پہلے ان جنین کیطرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے جو کسی طبی، حادثاتی یا فطری کمی کوتاہی کے باعث ادھورے ہی رہ جاتے ہیں اور جنکی خلقت مکمل نہیں ہو پاتی اور جو نامکمل ہی ضائع ہو جاتے ہیں۔

مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ پھر ان گوشت کے لوتھڑوں کو جنکی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر اپنی خلاقی ظاہر کرے (۲۲ – ۵۵)

اس سلسلے میں ٹورنٹو یونیورسٹی کے شعبہ اناٹومی (ANATOMY) کے چیرمین کے احساسات حسب ذیل نقل کئے جاتے ہیں۔

THE HOLY QURAN DESCRIBED THE HUMAN EMBRYO STAGE BY STAGE DEVELOPMENT WITH FULL ACCURACY. قرآن پاک علم جنین انسانی جن مراحل سے گزرتا ہے بالکل صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

آخر میں ایک فرانسیسی محقق موریس بوکائے MAURICE BUCAILLE کے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے اس عنوان کو بہیں پر ختم کرتا ہوں۔

THE STATMENT DEALING WITH REPRODUCTION DO NOT CONTRA-DICT AND CANNOT BE PLACED IN OPPOSITION TO THE DATAS WE HAVE FROM MODERN KNOWLEDGE. NOR WITH ANY THING THAT CAN BE LOGICALLY DRIVED FROM IT. آیات قرآنی میں، علم تولید کے متعلق کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے اور نہ یہ جدید علم کی معلومات کے کسی طرح برعکس ہے اور نہ ہی یہ جدید علم سے ماخوذ کسی نظریہ کے خلاف ہے۔

(THE BIBLE, THE QURAN AND SCIENCE

BY- MAURICE BUCAILLE)

نباتات میں بھی رشتہ زوجین قائم ہے

ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے علم نباتات BOTANY کے ماہرین و محققین نے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ نباتات میں بھی رشتہ زوجین قائم ہے اور ان کے نر و مادہ اصناف کے درمیان تولیدی رجحان، اور تخم ریزی FERTILISATION کا عمل جاری ہے اور ہر زندہ نباتات میں GREEN LIVING PLANTS

کے اس عمل تخم ریزی کو طاقتور خوردبینوں اور لینسز کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے ان جدید آلوں اور دور
بینوں کی ایجاد سے پہلے نہ تو اس قدر باریک بینی سے مشاہدہ ہی کیا جا سکتا تھا اور نہ اس علم میں اس قدر
ترقی ہی ہو پائی تھی جس کی وجہ کر کچھ زیادہ تحقیق ہی ہو سکی چنانچہ ان ایجادات اور تحقیق سے پہلے کسی کو
اس بات کا علم نہیں تھا کہ نباتات میں بھی افزائش نسل، روئیدگی اور ان کی پیدائش بھی جنسی ملاپ یعنی
کے ذریعہ سے ہی وجود میں آتی ہے اور ان میں بھی نر و مادہ خلیوں کے باریک ذرات POWDER ہوتے
ہیں جو تخم ریزی کا کام کرتے ہیں اس تخم ریزی میں کیڑوں، مکوڑوں، شہد کی مکھیوں اور تتلیوں کا بڑا
اشتراکی عمل ہوتا ہے ان کے عمل تخم ریزی PERTILISATION میں آندھیاں اور تیز ہوائیں بھی
بڑا اہم رول ادا کرتی ہیں۔ جو ان ذرات کو دور دراز علاقوں تک منتشر کرتی رہتی ہیں۔

نباتات میں بھی نر و مادہ کے اصناف اور ان میں تولیدی عمل کا تصور، اور اس کے اصول بیسوی صدی کے علم
معلومات میں سے ہے جبکہ قرآن حکیم کی آیات گرامی نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال سے پہلے ہی مفصل ذکر کیا
ہے اور اس سلسلہ میں کئی مقامات پر واضح تعلیم دی ہے کہ رب نے نباتات میں بھی نر و مادہ کے جوڑے جوڑے
پیدا کر دیئے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ کیا انھوں نے زمین
کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے نباتات میں جوڑے جوڑے پیدا کئے (۲۶-۷)

ایک جگہ قرآن پاک کی آیہ مبارکہ میں خداوند کریم نے اپنی اس عظیم صناعی سے مربوط بارش
اور روئیدگی کے عجیب ارشادات کے ساتھ کچھ یوں ہم آہنگ کیا ہے جس سے نباتات کے پیدا ہونے اور ان کے
بڑھنے اور بالیدہ ہونے کی نظر آتی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نباتات کے علیحدہ علیحدہ جوڑے پیدا ہونے
میں ہی ان کی روئیدگی، بالیدگی اور توسیع کا راز اور اصل حقیقت پوشیدہ ہے۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى ۝ اور آسمان سے
پانی برسایا پھر اس سے انواع و اقسام کے مختلف نباتات میں جوڑے جوڑے پیدا کئے (۲۰-۵۳)

نباتات کے عمل تولید پر اب تک جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان کا ایک اجمالی ذکر دلچسپ اور معلوماتی
ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کی قدرت اور اس کی عالمانہ تخلیق کا بے مثال اور عظیم نمونہ ہے جو اس خالق حقیقی کو
پہچاننے کا واضح ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں اب تک جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان کے مطابق بیج درخت کا
وہ اہم حصہ ہے جو اس کی روئیدگی کی قوتوں کا حامل ہوتا ہے اور ہر بیج کے اندر ایک نا پختہ یا خام مگر مکمل پودا
ہوتا ہے اور اسکو بھی دوسرے جانداروں کے لئے استعمال ہونے والے لفظ جنین EMBRYO ہی سے
ہم نے مکمل جنین کی طرح پودوں اور نباتات کے بیج میں بھی اصل جڑ، تنا اور پتیاں ابتدائی اپنی خام
حالت میں ہوتی ہیں۔ بیج کے اندر ہی جنین کی خوراک کا ایک مکمل اسٹور ہوتا ہے اور اپنے ساتھ قدرت
کے مکمل انتظامات کے ساتھ وہ بیج کے ڈھکن COURING کور کے اندر محفوظ ہوتا ہے۔ اب تک
تلاش و تحقیق کے مطابق دنیا میں تقریباً ڈھائی لاکھ ۲۵۰۰۰۰ بیج والے نباتات معلوم کئے جا سکے ہیں۔ اور

ان میں اکثریت پھولوں والے درختوں کی ہے جنکو ماہرین نباتات BOTANISTS انجیو اسپرم ANGIOSPERM
گروپ کہتے ہیں۔ اسی گروپ میں جھاڑیوں والے اور نازک قسم کے تنوں والے نباتات بھی آجاتے ہیں۔
اسی گروپ میں ایسی جھاڑیوں والے نباتات بھی آتے ہیں جو عموماً اوپر کی طرف نوکیلے اور کون
کے ہوتے ہیں اور انکی بھی تقریباً آٹھ سو اقسام ابتک معلوم کی جاسکی ہیں اور ایسے درختوں اور جھاڑیوں کے
بیج دانیاں بھی عموماً اکثر نوکیلے تنوں یا نوکیلے پتیوں کے اوپر ہی ہوتی ہیں۔

بیج مختلف قسم کے درختوں اور پودوں کی جسامت اور سائز کے لحاظ سے ہوا کرتے ہیں ایک طرف تو سب سے
بڑے بیج کھجوروں کی قسم کے DOUBLE COCO NUT کے ہوتے ہیں جنکا وزن ۲۳ کیلو گرام تک کا بڑا
ہے تو دوسری طرف بیج کی سائز اور جسامت اسقدر چھوٹی ہوتی ہیں کہ آٹھ لاکھ بیجوں کا وزن مشکل سے ایک
اونس (۲۵ گرام) ہی ہوتا ہے مگر بیجوں کے سائز اس سے متعلق درختوں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ریڈ ووڈ RED
WOOD سال یا لاکھوں کے تناور درختوں کے بیج مشکل سے (۱.۵) ملی میٹر ہوتے ہیں ہاں بیجوں کی تعداد کا ان کی
سائز اور جسامت سے براہ راست تعلق ضرور ہوتا ہے ایک ناریل کا بیج سائز میں بڑا ہونے کی مناسبت سے ایک
درخت میں بھی گنتی کا اور تعداد میں کم ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف [illegible] پھولوں کی جھاڑیوں اور نرم جسامت
والے پودوں کے بیج سائز میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں جو ایک درخت میں لاکھوں کی تعداد میں ہوتی ہیں۔

بیجوں کی پرورش پرداخت تکمیل اور پختگی OVULES یا انڈوں میں ہوتی ہے۔ اور یہ انڈے تقریباً
پھول دینے والے درختوں میں پھولوں کے درمیان یا پودوں کی نوکیلی پتیوں یا تنوں کے نوکیلے سروں پر
ہوتے ہیں۔ ماہرین نباتات نے بیجوں کو دو قسموں میں یعنی بند بیج ENCLOSED SEEDS اور برہنہ بیج
NACKED SEEDS میں تقسیم کیا ہے بند بیجوں والی قسمیں انجیو اسپرس ANGIO SPERM کہلاتی
ہیں ان کے OVULES یا انڈے ارحام یا بیضہ دانیوں میں محفوظ ہوتے ہیں اور جب بیج پختہ ہوجاتے ہیں تو
یہ ارحام پھلوں کی شکل میں بڑھ جاتے ہیں اور اپنے اندر محفوظ بیجوں کو پختہ ہونے تک سنبھالے رہتے
ہیں کچھ نباتات میں یہ ارحام پھول کر فربہ اور گودے دار پھل بن جاتے ہیں جیسے سیب، آڑو اور امرود وغیرہ
اور بعض سخت اور خشک قسموں کے پھلوں کے بیج ڈھونڈھ اور پھلوں کے اندر محفوظ ہوتے ہیں جس کی مثال
مٹر کو کنار گل لالہ سے دی جاسکتی ہے کچھ نباتات کے بیج دانیاں یا ارحام ان کے بیضوں کے ساتھ جڑی
ہوئی اور خشک رہتی ہیں اور وہ دونوں ایک سخت مغز یا اندرونی تخم کی شکل کا دکھائی دیتی ہیں جیسے گیہوں
اور دوسرے اجناس اور یہ سب خدا کی قدرت کاملہ اور اس کی حکیمانہ تخلیق کے بے مثال نظیر میں ہیں

پودوں اور درختوں کا وجود بھی ایک ہی جنس کے نر اور مادہ اصناف کے باہمی جنسی اختلاط سے ہی
ممکن ہوسکا ہے اور اس جنسی عمل کو بھی علم نباتات کی زبان میں SAXUAL REPRODUCTION یا جنسی
تولید کہتے ہیں۔ اور یہ جنسی عمل بھی نر پودوں کے خلیوں SPERMS کا مادہ بیضوں OVULES
سے ملکر بیج دانیوں OVARISE میں داخل ہونے کے بعد اس کے عمل تولید سے وجود میں آتا ہے۔ نر
پودوں کے خلیوں SPERMS کا مادہ بیضوں OVULES کے ساتھ اتحاد و آمیزش کا یہ عمل انتہائی پیچیدہ

ہوتا ہے جسکا تجزیہ بیجوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ابتدا میں نر اور مادہ پودوں کے نباتاتی اعضائے تولید REPRODUCTIVE
ORGANS اس قدر باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں کہ طاقتور خوردبینوں سے ہی نظر آسکتے ہیں اور خلیوں جیسے
معلوم ہوتے ہیں جنکو سپورس SPORES یا تخم کہتے ہیں مگر آہستہ آہستہ یہی تخم بعد میں بڑھ کر
GAMETOPHYTES یا تخم اور نر و مادہ کی نباتاتی تشکیل اختیار کرلیتے ہیں جنکا خوردبینی مشاہدہ کرنے
پر ایک مکمل پودے کی شکل کے نظر آتے ہیں۔ جو بیجوں کے اعضائے افزائش کے اندر اور پھر باہر آکر پرورش
پاتے ہیں اور اسطرح بالیدگی اور پختگی تک پرورش پاتے رہتے ہیں اور یہی گیمیٹو فیٹس GAMETOPHYTES
میں نر و مادہ کے اسپرم اور انڈے بھی پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ بیجوں کے وجود میں آنے کا ایک
مختصر سا ذکر ہے جسکا تفصیلی ذکر کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ضروری نہیں ہے۔

بہرحال بیجوں کے پختہ ہوجانے پر ان کے پھیلنے اور منتشر ہونے اور پھر دوسری جگہ روئیدہ ہونے کے
فوراً بعد مختلف انتقالات کے تحت جو نباتات کی آہستہ روی گریز کاری اور منظم طریقوں سے عمل میں
آتے ہیں ایسے ہی پیچیدہ طریقوں کو علم نباتات کی زبان میں DORMANCY غنودگی کہتے ہیں۔ بیجوں کی
روئیدگی کے مرحلوں اور منزلوں کو مکمل ہونے میں خاص مدت درکار ہوتی ہے اور اس سے پہلے ان کے منتشر
ہونے اور پھیلنے کے مراحل ہوتے ہیں جس کے لئے بھی دراز عرصے کی مدت لگ جاتی ہے زمانہ غنودگی میں یہ
بیج منتشر ہوتے ہیں اور دور دراز علاقوں تک پھیلتے ہیں اور بکھرتے ہیں اپنے درختوں اور مرکزی مقامات سے
ان بیجوں کے بکھرنے اور پھیلنے کا طریقہ مختلف اور وسیع ہوتا ہے اکثر نباتات کے بیج اپنے پھلوں کے اندر
ہی ہوتے ہیں اور ان پھلوں کے ٹوٹنے کے بعد ہی منتشر ہوجاتے ہیں اور اسطرح یہ بیج اپنے پھلوں کے اندر
دور دراز علاقوں اور ملکوں کا سفر اختیار کرکے جاتے ہیں جہاں یہ پھلوں سے باہر آتے اور بکھرتے رہتے
ہیں۔ اس کے علاوہ بیج کبھی تو براہ راست پھلوں سے باہر آکر بکھرتے ہیں تو کبھی آدمیوں اور جانوروں کے فضلوں
سے باہر آکر بکھرتے۔ دوسرے قسموں کے پودوں کے بیج اپنے پھلوں سے پہلے ہی منتشر ہوجاتے ہیں۔ یہ بیج
اور بھی کئی طریقوں سے منتشر ہوتے رہتے ہیں اور قدرت انھیں اپنے دوش پر رکھ کر دور دراز کے علاقوں
تک پھیلا دیتی ہے اکثر بیج اپنے آبائی درختوں کے نیچے اور قریب ہی گر کر منتشر ہوجاتے ہیں اور پھر پودوں کے
اگنے کے بعد دوسری جگہوں پر جاکر لگا دیے جاتے ہیں اکثر بیج ہواؤں اور آندھیوں کے ذریعے
دور دراز کے علاقوں تک پہنچ جاتے ہیں ہواؤں کے علاوہ ان کے منتشر ہونے اور پھیلنے کے دوسرے
ذرائع اور وسائل بھی بہت ہیں جیسے چڑیاں، تتلیاں، شہد کی مکھیاں اور دوسرے قسم کے کیڑے مکوڑے
انسان، جانور اور آب رواں خاص ہیں۔

اکثر بیجوں کی تشکیل اور ساخت ہی ایسی ہوتی ہیں جو آندھیوں اور ہواؤں کے ذریعے
آسانی کے ساتھ پھیلتے رہتے ہیں۔ ایسے بیجوں کے چاروں طرف پروں جیسی باریک جھلی ہوتی ہے۔ جو
ان ہواؤں کے سہارے پر دور تک اڑ جانے اور منتشر ہونے میں کامیاب ہوتی ہے اور بہت جلدی تک
پھیل جاتی ہیں انہیں جھلی۔ آک اور آکھو کے درخت شامل ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے تحت قدرت نے

ایک قسم روئیں پوش بیجوں کی بھی بنائی ہے جن میں کپاس، مدار، کپاس اور سیمر کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

بیجوں کو منتشر کرنے اور بکھرنے میں چڑیوں اور جانوروں کا عمل بھی قابل ذکر ہے جو ان لذیذ اور خوش رنگ پھلوں کو کھاتے ہیں اور اسطرح اپنے آبائی مقام اور مرکز سے بہت دور جا کر جانوروں اور چڑیوں کے فضلوں کے ذریعہ سے پھیلتے رہتے ہیں۔ بہت سے بیج اپنے کانٹے دار تیز اور سخت روئیں کی وجہ سے جانوروں کے بالوں اور چڑیوں کے پیروں سے چمٹ کر دور دراز کے علاقوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ پھل لسدار اور چپ چپے ہونے کی وجہ سے بھی اسی طرح جانوروں کے کھالوں اور چڑیوں کے پروں پر چپک جاتے ہیں اور دور دور تک پہونچ جاتے ہیں اسمیں گوکھرو، بید اور دوسری نوکیلی اور کانٹے دار جھاڑیوں کا شمار کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بہت سے آبی نباتات یا دریاؤں کے سمندر کے کنارے اگنے والے درختوں کے بیج پانی کے بہاؤ اور روانی کے ساتھ دور دور تک پھیلتے اور اگتے رہتے ہیں۔ دریائی ناریل یا ناریل کے بیج پانی میں بہہ کر بہت دور جا کر کنارے لگ جاتے ہیں اور پھر لگتے اور پھیلتے رہتے ہیں کچھ جھاڑیوں اور نباتات کے بیج ایسے بھی ہیں جو چھوٹے چھوٹے اور نازک دھماکہ خیزیوں کے تحت اطراف میں پھیلتے رہتے ہیں جیسے نیلوفر اور کاسنی قابل ذکر ہیں جو خشک ہو کر ذرا بھی ہلنے یا ہواؤں کی جنبش سے ٹوٹتے اور بکھرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے چٹخنے کی آواز میں ایک شاعرانہ ترنم پیدا کر کے خدا کی قدرت کی یاد دلاتے رہتے ہیں کہ وہی معبود حقیقی خالق برحق ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ بے شک خدا ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے درخت وغیرہ اگاتا ہے (۶-۹۶)

اسی طرح بہت سے پھلوں اور اجناس کے بیج انسانوں کے ذریعہ ایک خطہ یا ملک سے دوسرے خطہ اور ملک میں پہونچ جاتے ہیں کبھی کبھی انسان کے پیروں یا پوشوں اور جانوروں کے کھروں اور پنجوں میں لپٹ کر بھی دور دراز علاقوں کا سفر کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح خداوند کریم کے نر و مادہ کے جوڑے جوڑے پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جنسی ملاپ سے بھی قابل فکر و لائق مشاہدہ طریقے فراہم کئے ہیں جسکا ذکر قرآن میں آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے آچکا ہے جسکا علم نباتات کی بیسویں صدی کی ایک عظیم اور اہم معلومات میں شمار کیا جاتا ہے اس سلسلے میں اور بھی بہت سی باتیں آج کے جدید آلات اور خوردبینوں سے دریافت کی جا رہی ہیں۔

اپنی انھیں تخلیقات کیطرف قرآن پاک کا واضح اشارہ ہے جو ذی عقلوں اور اہل ہوش و ہوش کے لئے ذات خالق اور بے مثال علم کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر ذی علم بلا کسی امتیاز مذہب و ملت کے قرآن حکیم کتاب آسمانی سمجھ رہا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ

پاک ہے وہ خدا جس نے زمین کے نباتات اور خود ان کے اور جن جن چیزوں کو انکو خبر نہیں ہے سب کے سب جوڑے جوڑے بنائے (۳۶-۳۶)

یہ نباتات کی پیدائش، افزائش اور بالیدگی، بارش اور باراں کی نوازشیں یہ سب بھی نوعِ انسان پر اس خالقِ مطلق کے ایسے احسانات ہیں جنکو اگر شمار کیا جائے تو اس کی مسلسل رحمتوں اور عنایتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور جنکو یاد کرکے ہر ذی فہم اور ذی عقل کے سر اس خالقِ مطلق اور وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ "بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا (جب) پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اگائے تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا اور بھی معبود ہے"
(۲۷ — ۶۰)

عالمگیر رشتۂ زوجین

اس بات کا انکشاف کہ "دنیا کی ہر شے رشتۂ زوجین میں بندھی ہوئی ہے" بیسویں صدی کے اواخر میں ہی کیا گیا ہے مگر اس حقیقت کو قرآن حکیم نے ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ "اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم خدا کو یاد رکھو" (۵۱ — ۴۹)

قرآن حکیم کی اس آیت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس میں دنیا کی ہر شے خواہ وہ جاندار ہوں یا بےجان خواہ وہ کوئی شے ہو یا مادہ غرض کہ کائنات کی ہر شے رشتۂ زوجین سے بندھی ہوئی ہے۔ یہ عظیم معلومات موجودہ دور کے جدید سائنس کے ماہرین کو بڑی کاوشوں اور تجسس بسیار کے بعد حاصل ہو پائی ہیں مگر اس علم کا قرآن حکیم میں ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی پایا جانا اس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ یہ کتاب بالیقین ایک آسمانی کتاب ہے۔ جس زمانہ اور دور میں قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا وہ لاعلمی کی تاریکیوں کا بدترین دور تھا اور جہالت و نادانی کے اس زمانہ میں خود کو ترقی یافتہ اور متمدن کہنے والی قوموں کے دانشوروں کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ دنیا کی ہر شے اور ہر خلقت میں رشتۂ زوجین قائم ہے۔ قرآن حکیم کے اس درسِ ربانی میں کسی طرح کی کوئی شرط، تفریق یا انتخاب نہیں ہے بلکہ اس میں ایک عالمی حقیقت کی اطلاع دی گئی ہے کہ دنیا کی ہر شے بشمول ان کے جنکو تم نہیں جانتے انمیں بھی رشتۂ زوجین قائم ہے۔

دورِ حاضر کے سائنس دانوں اور ماہرین طبعیات Physics نے بڑی عرق ریزی اور عمیق تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر دنیا کے سارے مادوں کو یکجا کرکے ان کا ایک مرکب تیار کیا جائے اور پھر اس

رکب کا سب سے چھوٹا اور پھر اس کے بعد کسی طرح تقسیم نہ ہو سکنے والا ذرہ ناقابل تقسیم INDIVISIBLE جس کو ایٹم ATOM کہتے ہیں اگر توڑا جائے تو اس کے بھی کئے گئے دونوں ٹکڑے بھی ایک دوسرے کے ضد مثبت (+) اور منفی (-) اجزا ملیں گے جو ایک دوسرے کے لئے شدید جاذبیت اور کشش رکھتے ہیں۔ گو کہ کسی ایٹم کو کاٹ کر دو ٹکڑوں میں کئے گئے یہ سالمات ایک دوسرے سے مماثلت رکھینگے دونوں میں یکسانیت ہوگی دونوں ہموزن ہوں گے۔ پھر بھی ان میں کا ایک حصہ برقیہ کی مثبت (+) قوت کا تو دوسرا برقیہ کی منفی (-) قوت کا حامل ہوگا جو ایک دوسرے کے لئے انتہائی کشش اور جاذبیت رکھتے نظر آئیں گے۔

سائنس کے علم طبیعات کے اصولوں کے مطابق برقیہ یہ دونوں مثبت (+) اور منفی (-) قطبین ایک دوسرے کے ضد اور بالمقابل ہوں گے ان میں ایک دوسرے کے لئے انتہائی کشش اور جاذبیت ہوگی اور اس جذب و انجذاب کے مابین ایک تیسری قوت کا وجود بھی دریافت ہوا ہے جو مثبت اور منفی برقیہ دونوں کا یکساں حامل اور دونوں قوتوں کا متوازن حامل پایا گیا ہے اور اسی لئے اس سالمہ کو غیر جانبدار یا جنس مشترک NUTRON نیوٹران کا نام دیا گیا ہے اور اس ذرہ پر مثبت (+) یا منفی (-) برقیہ کا کوئی بھی بار نہیں ہوگا اگرچہ یہ نیوٹران ذرہ دوسرے دونوں متضاد قوتوں کا ہم جنس ہی ہوگا اور متضاد برقی قوتوں سے اثر انداز ہو کر بھی اسکی حیثیت ساریانہ اور متوازن ہوگی اور اس طرح مثبت (+) اور منفی (-) کے جذبہ کشش سے متاثر ہو کر ایک تیسری اور ایسی قوت کا وجود عمل میں آئے گا جسکو علم طبیعات میں نیوٹرون NUTRON کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ ہے رشتہ زوجین کا سالمہ تخلیق۔!!

اس تحقیق سے جن حقائق کا مشاہدہ ہوا ہے وہ نہایت ہی معرکہ آرا ہنگامہ خیز اور حیرت انگیز ہیں کہ اگر ایک سب سے چھوٹے اور غیر منقسم ذرہ کو الکٹرونک مشین کے ذریعہ سے دو ٹکڑوں میں کیا جائے تو ہر حصہ ایک دوسرے سے مماثلت اور یکسانیت رکھتے ہوئے اور ہموزن ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے مخالف بالمقابل اور ضد برقی کشش رکھنے والا پایا جائے گا اور اس کا ایک ذرہ الکٹرون (-) تو دوسرا ذرہ پروٹون (+) ہوگا اور جس کے نتیجے میں اور جذب باہمی سے اثر انداز ہو کر ایک تیسری قوت برقیہ کا مظاہرہ نہیں ہوگا اور اسی نظریے سے کسی شئے کے سب سے چھوٹے ذرہ ایٹم ATOM میں بھی رشتہ زوجین کارفرما نظر آئے گا۔

آج یہ بات ایک عالمی حقیقت بن چکی ہے کہ دنیا کی ہر شئے اور یہاں تک کہ ہر مادہ جس کا سب سے چھوٹا وہ ذرہ جس کے اور زیادہ توڑے جانے کے امکان نہ ہوں اور اس ایٹم کو اگر کسی طرح جدید آلات اور مشینوں سے توڑا جائے تو اس کے بھی دو ٹکڑے ایک دوسرے کے ہم شکل ہو کر ایک دوسرے سے مماثلت اور مشابہت رکھتے ہوئے بھی برقیہ کی ان قوتوں کے حامل ہوں گے جو ایک دوسرے کے ضد اور بالمقابل ہوں گے اور ایک دوسرے کے لئے کشش اور جاذبیت رکھتے پائے جائیں گے اور اس نظریے کے تحت ہی دنیا کی ہر شے ایک دوسرے کے لئے کشش اور انجذاب رکھتی ہوئی ملیگی اور اس طرح ساری کائنات کی تخلیق رشتہ زوجین میں ایک دوسرے کے لئے کشش اور قربت حاصل کر لینے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے جو عالم ایجاد کی نمو کا ضامن ہے اور وجہ تخلیق و پیدائش ہے تو یہ کشش اور رشتہ ازدواج محض انسانوں جانوروں اور

نباتات میں ہی نہ ہو اسکا اطلاق دنیا کی ہر شے پر خواہ وہ ذی روح ہو یا بے روح یا کوئی بھی مادہ ہو کیا جا سکتا ہے
اور اس طرح ساری تخلیق کائنات اس رشتہ میں بندھی ہوئی نظر آئے گی۔

دنیا کے سب سے چھوٹے ذرہ ایٹم ATOM میں بھی رشتہ زوجین کا پایا جانا قرآن حکیم کی مکمل تفسیر پیش کر دیتا ہے کہ دنیا کی ہر مادی شے رشتہ زوجین سے بندھی ہوئی ہے اور اس مادی کائنات کی کوئی بھی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ایٹم کو توڑنے پر اس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے کے ہم شکل ہم شش اور ہم وزن ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے مقابل مثبت (+) اور منفی رجحانات کے حامل نظر آتے ہیں اور اس طرح ان ٹکڑوں اور بالمقابل کی ایک دوسرے کے لئے انتہائی کشش اور جاذبیت کی خصوصیت ایک ایسی جنسی کشش کی طرف اشارہ کرتی ہے جیسی کشش رشتہ زوجین میں پائی جاتی ہے اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دنیا کی ہر شے جو اپنے ضمن میں ایٹم کا مجموعہ ہے رشتہ زوجین میں بندھی ہوئی ہے اور جب یہ باہمی رشتہ جاذبیت اور کشش قائم ہو کر ان میں ایک دوسرے کے لئے جد و جہد اور عمل رشتہ قائم کرنے کے نتیجے میں ایک تیسری قوت کا وجود نیوٹرون کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو دونوں بالمقابل قوتوں کا ماحصل اور توازن ہوتا ہے یہ تعلیمات الٰہیہ قرآن حکیم کی آیات میں اس وقت دی گئی ہے جب عقل انسانی میں قوت پرواز کا ابتدائی علم بھی نہیں آیا تھا۔

اب یہ ایک عالمی حقیقت بن چکی ہے کہ ایک ہی شے کے ایٹم کے دو ذرات ایک دوسرے کے لئے کشش اور جاذبیت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے اسی جنسی کشش اور بالمقابل جاذبیت کو جوڑے کا نام دیا گیا ہے دنیا کی ہر شے اور جنس کی یہ کشش اور جاذبیت بالکل اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی کشش اور جاذبیت مخالف صنف و جنس میں ایک دوسرے کے لئے پائی جا سکتی ہے اور علم سائنس نے اس رشتۂ زوجین کی عالمی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے جوڑے PAIR کا لفظ اسی لئے استعمال کیا ہے اور اس طرح ہر شے میں جوڑے جوڑے کے وجود کا ہونا ایک عالمی حقیقت بن چکی ہے اس سے قرآن حکیم کی آیات کی مکمل تائید اور وضاحت ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی شے رشتہ ازدواج سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

سُبحانَ الذی خلقَ الازواجَ کلّها مما تنبتُ الارضُ ومن انفسهم ومما لا یعلمون

پاک اور منزہ ہے وہ خدا جس نے تمام مخلوقات کے جوڑے جوڑے پیدا کر دیے خواہ وہ نباتات ہوں یا بشر یا دوسری مخلوق جس سے تم واقف نہیں ہو" (۳۶ - ۳۶)

موجودہ دور کے علم طبیعیات کے ماہر اور محقق پال رابروک PAUL RUY BRUCK نے AOO ۱۹۵۵ء میں تحقیق کرنے کے بعد یہ بات ثابت کر دی کہ ہر مادہ کا مد مقابل اسکا ایک ضد یا بالمقابل اور برعکس مادہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ یہ وہ جلیل القدر محقق اور سائنسدان ہے جس نے اور ٹکس تھین کے ذریعہ ایٹم کو توڑ کر یہ نظریہ ثابت کیا کہ مادی سامانات کے ساتھ ساتھ اسکا ایک برعکس یا مخالف مادہ بھی پایا جاتا ہے جو کبھی الگ رہ کر ایک دوسرے کے لئے کشش نقل رکھتا ہے تو کبھی قریب رہ کر اور اس طرح یہ مادہ اور اسکا بالمقابل مادہ ایک ہی ایٹم میں جلوہ فگن ہوتا ہے اسی طرح جیسے ہیں کہ دنیا کی ایک

دوسرے علم طبقیات کے محقق میکس پلانک MAX PLANCK نے اس بات کی تصدیق کردی کہ "ہر مادی جسم الکٹرون (-) اور پروٹون (+) کا مخلوط اور مرکب ہوتا ہے۔

جیسا کہ کتابوں کے حوالوں سے پتہ چلتا ہے سنہ ۱۸۰۳ء میں ہی ایک انگریز محقق ڈالٹن DALTON نے اس بات کا اندازہ لگایا تھا کہ کوئی بھی چیز یا شے خواہ وہ میز ہو کرسی ہو گلاس ہو یا کوئی اور چیز یہ سب اجزاء اور ٹکڑوں سے مل کر بنتے ہیں اگر ان چیزوں کے اجزاء اور ٹکڑوں کو توڑا جائے اور اس حد تک چھوٹا کیا جائے کہ پھر اس کے بعد اس ٹکڑے سے بھی چھوٹا ٹکڑا نہ ہو سکے اور وہ ناقابل تقسیم ہو جائے اور اسکا ٹکڑا ہونا ناممکن ہو جائے تو ایسے ہی سالمہ یا ریزہ کو ایٹم ATOM کہیں گے اور اس طرح اس کی زبان میں بھی ایٹم کی یہی تعریف تھی اور ایٹم کی خصوصیت بھی یہی ہے کہ اس کو نہ تو وجود میں لایا جا سکے اور نہ بنایا جا سکے کیونکہ یہ واحد ہوتا ہے۔ نہ اسمیں کوئی دوسرا حصہ ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے حصہ سے مل کر بنتا ہے۔ اور اس طرح ایٹم تنہا بھی ہوتا ہے اور لاتقسیم بھی جبکہ کسی چیز کو وجود میں لانے یا بنائے جانے کا مطلب ہوگا چند حصوں اور ٹکڑوں کو جوڑنا اور ملانا اور ترتیب دینا۔ اسیطرح ایٹم کو ختم بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی چیز کو نیست و نابود کرنے کے لئے اس کو توڑ کر آخری حد تک ضائع کر دینا ہوگا جبکہ ایٹم کو اس کے آخری اور ناقابل تقسیم حد تک پہونچ جانے کے بعد توڑا بھی نہیں جا سکتا اور اس طرح ایٹم دائمی اور ابدی ETERNAL ہوتا ہے۔

اس کے بعد ڈالٹن نے اپنا جوہری سالماتی "ATOMIC THEORY" کا نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا اس نظریہ کے مطابق دنیا کا ہر مادہ اجسام کا ناقابل تقسیم سالمات ATOMS سے ہی ترتیب پاتا ہے یونانی زبان میں ایٹم کے معنی ہوتے ہیں سب سے چھوٹا اور ناتقسیم ذرہ"

اگرچہ مختلف اشیاء اور عناصر کے ایٹمی ذرات ناتقسیمی ہوتے ہیں مگر یہ سب جسامت اور وزن کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ڈالٹن کی ایٹم کی تھیوری کے بعد میچل فریڈے MICHAEL نے قوت برقیہ کے ذریعے برقیاسی کے ذریعہ سے جوہری سالمات اور پگھلی ہوئی دھاتوں پر تجربات کرکے اس بات کا امتحان کیا کہ قوت برقیہ کی مدد سے مادوں میں کیمیاوی ردعمل اور تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قوت برقیہ اور مادوں میں براہ راست تعلق ہے اور اس طرح ہر مادہ ایٹم سے ہی بنا ہے اور ہر ایٹم میں قوت برقیہ کا وجود بھی ہے اور اس طرح ایٹم میں قوت برقیہ لازمی ہے۔

اس کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں اس سلسلے میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے اور بہت سے گراں قدر اور غیر معمولی امتحانات ہوئے۔ علم طبقیات PHYSICS کے ایک دانشور کروکس CROOKS نے امتحان کیا کہ برقی لہروں کا ایصال بجلی اور لطیف گیسوں کے وسیلے سے ہو سکتا ہے اس کے بعد اس سلسلے میں تھامسن THOMSON اور دوسرے علم طبقیات کے ماہرین اور محقق نے تحقیق کے بعد معلوم کیا کہ ایٹم کسی مادہ کا ناتقسیم اور سب سے چھوٹا ذرہ تو ہے مگر اس میں بنیادی طور پر دوسرے اجزاء بھی شامل ہیں اور یہ سب سے چھوٹا ذرہ ہی کیمیاوی تبدیلیوں کا منبع ہے انھوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ ایٹم کا مرکزی سالمہ مثبت برقیہ (+) POSITIVE CHARGED CENT CENTRAL PART

ہے جس پر ان کے فارمولوں کے ساتھ ساتھ مفصل بحث ہو بلکہ اسمیں کائنات کے ہر خشک و تر کا بیان نہایت ہی بلیغ انداز میں کیا گیا ہے جسکو سمجھنے کیلئے عالمین علوم کے ان ماہرین کی ضرورت ہے جنھیں قرآن کریم نے "راسخون فی العلم" کے نام سے یاد کیا ہے۔

گذشتہ صدیوں میں جب انسانی علم کا دائرہ بہت تنگ تھا اور قرآن کو محض ایک مذہبی اور دینی کتاب سمجھ کر پڑھا جاتا تھا مگر آج کے جدید سائنس کے تحقیقی دور میں جیوں جیوں علم میں معلومات بڑھ رہی ہیں قرآن میں مضمر علوم ظاہر ہوتے جارہے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے علم کا ایک دریا لہریں مار رہا ہے جسکو دیکھ کر عقلیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں یہ وہ مقدس آسمانی کتاب ہے جس نے انسان کو جہالت اور توہمات کی تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی دکھلائی جیسا کہ اس آیت مقدسہ میں ذکر آیا ہے "یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝" لوگوں کو تاریکیوں (جہالت) سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے (۵-۱۶) قرآن پاک ایک حقیقت ہے اسکا مقصد تبلیغی ہے صرف مادی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کیلئے جنکے سامنے نہ تو عقبیٰ کی کوئی حقیقت ہے اور نہ حشر و نشر کی کوئی اہمیت اور جنکا نظریہ یہی ہے کہ جو کچھ ہے بس اسی دنیا تک ہے جسمیں ہر انسان بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے پھر روبہ زوال ہو کر اپنی حدوں تک پہونچ کر مرجاتا ہے اور بس قرآن حکیم نے اس نظریہ کی بڑے موثر انداز میں تردید کی ہے۔ "أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝" کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے اسے کیونکر بنایا اور کیونکر اسے سجایا اور اسمیں کہیں شگاف تک نہیں ہے اور زمین کو ہم نے کیونکر پھیلایا اور اسمیں مضبوطی سے جمے ہوئے پہاڑوں کو ڈال رکھا ہے (۵۰-۶-۷) یہ آیت ان کوتاہ نظر اور محدود ذہنیت رکھنے والوں کے لئے ضرب کلیم ہے جو اس کائنات کو جامد اور ساکن سمجھ رہے ہیں انکو اتنی بھی عقل نہیں ہے جس سے وہ سوچ سکیں اور دیکھ سکیں کہ وہ خود بھی اس کائنات کے ساتھ گردش اور حرکت میں ہیں ایک لگاتار اور دائمی گردش۔ جو کبھی ختم ہونے والی نہیں

قرآن پاک نے سائنس اور کائنات کے حقائق اور نظریات اجمالاً مگر نہایت واضح طریقے سے سمجھائے ہیں۔ انداز بیان ایسا سلجھا ہوا اور عام فہم ہے جس کیلئے نہ تو کسی دشوار تعبیری سے گزرنا پڑتا ہے اور نہ کسی خشک فلسفہ میں الجھنا پڑتا ہے ان نظریوں اور رموز کو سمجھنے کیلئے نہ تو کسی عالمانہ اور مفکرانہ سند کی ضرورت ہے اور نہ کسی معلم یا حکیم کے سہارے کی۔ اسمیں ہیں دنیا میں خوشحال اور بہبود کے طریقے۔ حیات بعد از موت۔ روح کا لافانی ہونا۔ بہشت اور قیامت اور علوم سائنس کے وہ نظریات جن سے ہمارا سابقہ پڑتا رہتا ہے یا خلاؤں اور کائنات کا ذکر اور نظام شمسی کی تفصیلات قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے علم سائنس کی جن حقیقتوں کا انکشاف کیا ہے اس تحقیق و تجسس کے بعد جو دریافتیں موجودہ دور میں ہو سکی ہیں وہ آیات کریمہ کے عین مطابق پائی گئیں ہیں جنھیں دیکھ کر دنیا کا بڑے سے بڑا سائنسدان قرآن کو آسمانی کتاب مان چکا ہے۔ ابھی بہت

کا حامل ہوتا ہے جسے نیوکلیس NUCLEUS یا مرکزی سالمہ کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ ایٹم ایک واحد ذرہ ہے جس
پر قوت برقیہ کا اثر نیوٹرل ہوتا ہے اور اس پر کسی طرح کی قوت برقیہ کا اثر نہیں ہوتا اس کے اس طرح غیر متوازن نہ
ہونے کی وجہ یہی ہے کہ منفی (-) برقیے توازن کو قائم رکھتی ہے ورنہ منفی برقیہ کے سالمات قوت جاذبہ اور
کشش کے ذریعہ نیوکلیس پر مسلط ہو کر ایٹم کو تباہ کر دیں گے نیوکلیس کے چاروں طرف الکٹرون کی اس گردش کے
نتیجہ میں پیدا ہونے والی قوت مرکز گریز CENTRIFUGAL FORCE ایسا نہیں ہونے دیتی اور اس طرح مرکزی
مثبت برقیہ نیوکلیس کے چاروں طرف الکٹرون کا پیہم گردش کرتے رہنا ہی ایٹم کے توازن کو قائم اور استحکام
کو برقرار رکھتا ہے۔

اسی طرح نیوٹران کی دریافت کے سلسلے میں جدید طبیعاتی سائنس PHYSICS کے محقق ڈبلیو
H. BECKER اور ایم بوتھے W. BOTHE کا نام آتا ہے جنہوں نے ۱۹۳۲ء میں یہ دریافت کیا کہ
مرکزی نیوکلیس کے ساتھ ایک ایسا ذرہ بھی پایا جاتا ہے جس پر کسی طرح کی مثبت یا منفی قوت برقیہ کا اثر نہیں
ہوتا اور اس طرح اسکو نیوٹران NEUTRON کا نام دیا گیا جس کو عالمی سطح پر قبول کر لیا گیا۔ حقیقت میں مرکزی
نیوکلیس میں محض پروٹون ہی نہیں بلکہ ایک اسی کا ہم شکل اور ہم جنس ذرہ نیوٹران بھی پایا جاتا ہے مگر چونکہ
قوت برقیہ کا محل استحکام پروٹون (+) اور الکٹرون (-) کے ذریعہ سے ہی نظام قدرت کے تحت مربوط
اور مستحکم ہے اس لئے نیوٹرون کا وجود ان دونوں قوت برقیہ کے جذب و انجذاب اور کشش ثقل کا نتیجہ
سمجھا جاتا ہے جو ایٹم کو مستحکم رکھنے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ نیوٹران کے وجود کا اندازہ مثبت برقیہ اور منفی
برقیہ کے سالمات کے وزن کو اس کے ایٹم کے وزن سے تفریق کرنے کے بعد ہو سکتا ہے اور اس طرح کسی
ذرہ کی بنیاد پروٹون (+) یا مرکزی نیوکلیس اس کے ساتھ ہم آہنگ نیوٹرون اور اس کے چاروں طرف
گردش کرنے والے الکٹرون پر قائم ہے۔

موجودہ دور کی مزید تحقیق اور تلاش کے بعد یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ کسی ایٹم میں ان تینوں سالمات
کے علاوہ بھی تقریباً اسی (۸۰) بنیادی ذرات پائے جاتے ہیں جنہیں بیریوناس BARYONOS.
پروٹون اور نیوٹرون کا ہم جنس اور نیوکلیس میں شامل پایا گیا ہے اس کے علاوہ میسنز MESONS اور لیپٹونس
LEPTONS کے الکٹرون اور پروٹون کے درمیان واسطہ اور توازن قائم رکھنے والے ذرات ہوتے ہیں
بہت اہم اور فاعلی ذرات ہیں۔

ایٹم کا ایک اجمالی تذکرہ کر دینے کے بعد خدا کی قدرت اور حکمت کے تحت جاری اس نظام قدرت
کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ علم ایٹم ایک ایسا علم ہے جو کبھی مکمل طور سے عقل انسانی میں
آنے والا نہیں اسکی سطحوں کا ایک لا متناہی اور کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ جس کے سمجھنے سے دنیا
کے بڑے بڑے دانشور اور محقق قاصر ہیں۔ یہ ننھے سے ایٹم میں گردشوں کا نظام کائنات میں گردشوں
کا نظام، سارے عالم وجود میں گردشوں کا نظام۔ گویا
گردش سے ہے زندگی جہاں کی۔!! اور پھر وحدہ لاشریک کا اعلان۔!!

"وما خلقنا السماوٰت والارض وما بینھما باطلا ۵

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات اسمیں ہے اسکو خالی از مصلحت پیدا نہیں کیا۔"

(۳۸-۲۷)

مویشیوں سے دودھ کی عنایات

قرآن حکیم کی آیات گرامی میں مویشیوں کے ذریعہ سے دودھ کی نوازشوں اور عنایات کا جو تفصیل ذکر آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے انسانی ذہنوں کی جس پسماندگی اور لاعلمی کے دور میں آیا ہے اس سے آج کا ماہر علم پوری طرح اتفاق کرتا ہے اور قرآن کریم کو کتاب آسمانی مان لینے کے لئے مجبور ہے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے انسان نہ تو مویشیوں کے جسم کے اندرونی اعضاء اور ان کے حرکت و عمل اور ان کے مقاصد اعمال سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ اور نہ ہی علم اعضاء کا کوئی قطعی علم رکھتا تھا مویشیوں کی غذائیں جو محض گھاس اور چارہ پر ہی منحصر ہیں کن کن مراحل سے گذرتی ہوئی خون بنتی ہیں اور پھر اسی خون کا ایک حصہ کسی خاص غدود کی مدد سے دودھ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے یہ معلومات اور دریافتیں انسان کو علم حیوانات ZOOLOGY اور علم افعال الاعضاء PHYSIOLOGY کے ذریعہ ابھی بیسویں صدی کے اوائل میں ہی حاصل ہو پائی ہیں جنکا مندرجہ ذیل آیت میں قرآن پاک نے ایک حکیمانہ انداز میں واضح اشارہ کیا ہے۔

"وان لکم فی الانعام لعبرۃ ۚ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۵

اور اسمیں شک نہیں کہ چوپایوں میں تمہارے لئے عبرت کی بات ہے کہ اس کے پیٹ میں گوبر اور خون بھی بھرا ہوا ہے اور اس کے درمیان سے اسمیں سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے (۱۶-۶۶)

یہ وہ پیچیدہ اور اہم مراحل ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے علم افعال الاعضاء PHYSIOLOGY اور علم حیوانات ZOOLOGY کو دعوت غور و فکر دی ہے۔ اور اپنی ایک آیت میں فرماتا ہے۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ ۚ نسقیکم مما فی بطونھا" اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے شکموں کے اندر جو دودھ ہے وہ ہم تمہیں پینے کے لئے دیتے ہیں۔ (۲۳-۲۱)

مندرجہ بالا آیات قرآنی ان پیچیدہ مراحل اور حکیمانہ نظام کی طرف جس فصیح و بلیغ انداز میں اہل علم

اور ماہرین کو دعوت فکر دے رہی ہیں اس پر جو دریافتیں ہو سکی ہیں وہ معلوماتی ہونے کے ساتھ خالق حقیقی
کے حکیمانہ نظام کی شاہد بھی ہیں آج بھی عقلیں حیران ہیں کہ میری گلانڈ MAMMARY GLAND یا مادری
غدود میں وہ کون سا کیمیاوی رد عمل اور حکیمانہ فعل ہوتا ہے جو سرخ رنگ کے خون کو شیریں اور غذائیت
سے بھرپور سفید رنگ کے دودھ میں بدل سکتا ہے ابتک جو بھی معلومات ماہرین کو اس سلسلے میں ہو سکی
ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ غذا معدہ میں جاکر تحلیل ہوتی ہے اور پھر ایک پیس کر اور کرش ہو کر اس کا
فضلہ اور ہر ایک جزء ہونے کے بعد کا فضلہ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تجزیہ ہو کر خدا کی قدرت سے
خون بن جاتا ہے اور پھر یہی خون معدہ کے نزدیک ہی واقع میری گلانڈز کی مدد سے دودھ بن کر پستانوں
میں اکٹھا ہو کر مستور ہو جاتا ہے اس طرح غذا کے تجزیہ ہو کر سرخ خون میں تبدیل ہو جانے اور پھر
اسی خون کے کچھ حصے کے میری گلانڈز کی مدد سے شیریں اور مقوی سفید رنگ کے دودھ میں تبدیل
ہو جانے کے وہ بے حکیمانہ رموز ہیں جو ابھی تک عقل انسانی میں نہیں آپائے ہیں اور جن کے سلسلے میں تحقیق
و جستجو آج بھی جاری ہے۔

اس سلسلے میں علم افعال الاعضاء PHYSIOLOGY کے ماہر ڈاکٹر بیوکائے DR. BUCALLE
کا کتاب بائبل قرآن سائنس کے نقطہ نگاہ سے ان آیات کریمہ سے علم عضویات PHYSIOLOGY کے نظریہ کو مکمل
اتفاق ہے کہ غذا جسم کا جزء ہونے کے طریق کار پر عمل کرتی ہے کہ کیمیاوی تبدیلیوں سے گذرتی
ہوئی معدہ میں جاتی ہے جہاں یہ ایک منظم گردش اور رواں کے تحت اپنے مناسب اوقات میں کیمیاوی
رد عمل سے گذرتی ہوئی یا تو براہ راست خلیوں کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے اور یا تو پھر اس بیرجگری
کے بعد کیمیاوی تجزیہ کرنے کے لیے LIVER سے ہوتی ہوئی رگوں اور شریانوں کے ذریعہ سے باقاعدہ
دوران خون میں تبدیل ہو کر ایک مقررہ مقدار میں جسم کے مختلف اعضاء کو تقویت پہونچاتی ہے اسی طرح
خون کا ایک حصہ ضرورت کے تحت مادری غدودوں MAMMARY GLANDS کے ذریعے دودھ
میں بھی تبدیل ہو جاتا رہتا ہے اور اس طرح خون مادری غدود تک رہنمائی کرنے اور دودھ میں تبدیل ہونے
میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

ہاضمہ کے نظام اور اس کے اعمال کی تفصیل قرآن پاک نے نہایت ہی فصیح اور بلیغ انداز میں دی
ہے کہ کس طرح اس غذائی کیمیا سے بچے ہوئے فضلے اور خون کے درمیان سے دودھ پیدا ہو جاتا ہے علم کیمیا
اور علم ہیئت جسمانی کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غذائی ہاضمہ کا ایک منظم عمل ہے جو ہر آن جاری رہتا ہے اور
جس کے ذریعہ سے غذائی حرکت اور گردش ہمیشہ قائم رہتی ہے جو آنتوں کی دیواروں سے لگی ہوئی شریانوں
کے ذریعے سے خون بن کر گذرتی ہے۔ یہ ایک ایسا انکشاف ہے جو ہاضمہ کے عمل اور خون کے سلسلے میں
علم کیمیا اور علم افعال الاعضاء کو ابھی تک معلوم نہیں تھا اور جس کی نشاندہی قرآن پاک کی آیات نے آج
سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی کر دی ہے اور جس کی پہلی اور اولین دریافت ڈاکٹر ہاروے
DR. HARVEY نے نزول قرآن سے تقریباً پانچ سو سال بعد کی تھی ورنہ غذاؤں کی گردش آنتوں

اور معدہ کا عمل تحلیل اور نچوڑ اور پھر اس کے ذریعہ سے فضلہ اور گوبر کا اور رقیق و صاف غذائیت کا الگ الگ ہونا اور پھر اس رقیق غذائیت اور مقویات سے بھرپور جوہر کا خون کے عمل اور رد عمل کے درمیان سے دودھ کا پیدا ہوجانا ایک کرشمہ قدرت کے سوا اور کچھ نہیں ہے جسکا ذکر قرآن پاک نے اپنی واضح آیات میں بہت پہلے کر دیا ہے جب اہل علم کو اس کا مطلق علم نہیں تھا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ؕ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (۳۱ — ۲۰)

اس سلسلے میں کچھ جدید سائنس کی معلومات اور دریافت وانکشاف کا بھی ایک اجمالی تجزیہ کرنا بھی معلوماتی نقطہ نگاہ سے مفید ہوگا۔ یوں بھینسوں اور دوسرے دودھ دینے والے چوپایوں کے اجسام میں گایوں بھینسوں اور دوسرے دودھ پلانے والے چوپایوں کے اجسام میں بے شمار غدود ہوتے ہیں جنمیں سے ایک قسم کے غدود کو پستانی غدود MAMMARY GLANDS کہتے ہیں جنمیں دودھ پیدا کرنے کے صفات ہوتے ہیں ان چوپایوں اور مویشیوں میں بھی دل ان کے دوران خون کو جاری رکھنے میں اپنا کام پوری سرعت اور مستعدی کے ساتھ انجام دیا کرتا ہے اور اس طرح رقیق غذا اور آکسیجن جسم کے تمام خلیوں اور گوشت TISSUES تک پہونچاتا رہتا ہے جہاں یہ جسم کو توانائی پیدا کرتے رہتے ہیں سرخ خون رکھنے والے جانوروں میں اپنے اندر زیادہ آکسیجن رکھنے کی قوت ہوتی ہے جس کی وجہ سے مویشیوں کا ہاضمہ کا نظام خوراک سے زیادہ سے زیادہ غذائیت حاصل کرتے رہنے کی طاقت رکھتا ہے غذا کے استعمال میں آنے کی ابتدا منہ سے ایک لمبی نلی کے ذریعے پیٹ میں داخل ہونے سے ہوتی ہے مویشیوں اور چوپایوں کے ہاضمے کے نظام پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کے چبانے اور کھانے پینے چارہ کو ہضم کرنے کے لئے ان کے پیٹ STOMUCH اور معدوں کی بناوٹ بڑی پیچیدہ ہوتی ہے مویشیوں اور چوپایوں کے پیٹ میں چار خانے ہوتے ہیں جنمیں سے باری باری گذر کر ان کی غذائیں جو درختوں کے پتوں ٹہنیوں اور مختلف چاروں کی ہوتی ہے ہضم ہوتی ہوتی اور قابل ہضم بن کر باریک اور رقیق ہوجاتی ہے۔

جہاں تک پستانی غدود MUMMARY GLANDS کا تعلق ہے نظام قدرت کے تحت محض ان مادہ مویشیوں اور جانوروں میں ہی انکی بالیدگی اور تکمیل ہوتی ہے جنکو دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے ان پستانی غدود کے چاروں طرف متعدد چھلے چھلے ہوتے ہیں جو ان کے اندرونی خانوں کو چاروں طرف سے ڈھکے رہتے ہیں اور ان چھلے غدود کی تعداد افزائش اور بالیدگی سے ہی پستانوں کی تکمیل ہوتی ہے ان غدودوں میں بھی چھوٹے چھوٹے خانے یا خلیے ہوتے ہیں جنمیں ضرورت پڑنے پر دودھ اکٹھا ہوتا رہتا ہے ان دودھ سے بھری خلیوں کا مسامات کی نالیوں

کے ذریعہ پستانوں کے عمل سے براہ راست تعلق ہوتا ہے جس سے دودھ کشید ہوتا ہے۔ یہ پیشانی غدود کیمیائی اثرات کے تحت جنکو ہارمونس HORMONE بھی کہتے ہیں جو صرف مادہ جنسوں میں ہی خارج ہوتے ہیں اور بچے کی پیدائش ہونے سے دودھ کی افزائش کا براہ راست تعلق ہوتا ہے۔

دودھ قدرت کا ایک ایسا قابل قدر عطیہ ہے جسکا ذکر قرآن پاک میں خصوصیت کے ساتھ آیا ہے۔ یہ ایک مکمل غذا ہے جس میں مقویات کا خزانہ بھرا ہوا ہے دودھ میں وہ تمام اجزا پائے جاتے ہیں جنکی جسم کے بنیادی نشوونما میں ضرورت پڑتی ہے دودھ میں ۸۷.۲ فیصد پانی۔ ۰.۵ فیصد معدنیات MINERAL ۳.۵ فیصد (چربی یا چکنائی) FATS ۳.۴ فیصد پروٹین PROTEIN ۴.۹ فیصد کاربوہائیڈریٹ CARBOHYDRATE پایا جاتا ہے۔ دودھ میں غذائیت عظیم ذخیرہ ہے مکمل غذائیت کا ایک خزانہ بھرا ہے۔

مثال کے طور پر اگر گائے کے دودھ کو لیا جائے تو اسمیں ۸۷ فیصد پانی اور بقیہ ۱۳ فیصد مقویات SOLIDS پائے جاتے ہیں ان مقویات کی انسانی نشوونما کے لئے اور انسان کی توانائی کے لئے جن جن مقویات اور جن جن اجزائے ترکیبی کی ضرورت ہوتی ہے اسکا ایک اجمالی ذکر کردینا بھی معلوماتی نقطۂ نگاہ سے بڑا اہم اور ضروری ہے جس سے دودھ کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خدا نے دودھ کو انسانوں کے لئے کس طریقے سے توانائیوں اور مقویات سے بھر دیا ہے۔

انسان کے لئے نشوونما، توانائی اور جسم کے کمزور اعضاء کی تقویت اور اصلاح کے لئے جن مقویات کی ضرورت پڑ سکتی ہے اسمیں (۱) کاربوہائیڈریٹ CARBOHYDRATES (۲) چربی FATS (۳) معدنیات MINERALS (۴) پروٹین PROTEIN اور (۵) وٹامنز VITAMINS خاص ہیں جو دودھ میں وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس طرح دودھ انسان کو بہترین غذائیت فراہم کرتا ہے۔

کاربوہائیڈریٹ سے جسم کو لیکٹوز LACTOSE اور شکر SUGAR حاصل ہوتی ہے جو انسان کو توانائی دینے کے ساتھ ساتھ دودھ میں شامل معدنیات کی کیلشیم کو ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے چربی FATS جسم کو توانائی دینے کے ساتھ ساتھ کچھ ضروری اجزا بھی فراہم کرتی ہے جس کی جسم کی نشوونما میں ضرورت پڑ سکتی ہے چربی اور چکنائی سے دودھ کا ذائقہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

دودھ سے وٹامن اے۔ ڈی۔ ای اور کے A.D.E & K. حاصل ہوتے ہیں۔

معدنیات MINERALS انسانی جسم کے بڑھنے اور مضبوط ہونے میں مدد کرتے ہیں اور اس طرح فاسفورس اور کیلشیم بھی دودھ کے خاص اور اہم اجزا مانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دودھ میں المونیم ALUMINIUM۔ کاپر COPPER۔ آیوڈین IODINE آئرن IRON مینگنیز MANGANESE اور زنک ZINC بھی ہوتے ہیں جن کی جسم کے نشوونما میں ضرورت پڑتی ہے۔

اسی طرح دودھ میں شامل پروٹین PROTEIN بھی معدنیات کی طرح جسم کی نشوونما میں بڑی مدد کرتی ہے اور یہ انڈے کے علاوہ دودھ میں سب سے زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔

دودھ میں امینو ایسڈز AMINO ACIDS بھی ہوتے ہیں جو خون کے خلیوں کی پرورش، تکمیل

اور صحت کے لئے ضروری ہیں۔
وٹامنز VITAMINS کی مقدار بھی دودھ میں کافی ہوتی ہے۔ جس سے بیری بیری BERI-BERI اور
رکٹس RICKETS جیسی بیماریوں کا دفعیہ ہوتا ہے جن میں وٹامنز B6، B_{12}، E.C. اور K قابل ذکر ہیں۔
اسی طرح دودھ دینے والے دوسرے جانوروں کے اندر بھی ان مقویات کا تناسب کچھ کمی یا زیادتی کے
ساتھ پایا جاتا ہے۔

• فبای آلاء ربکما تکذبان ۞ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(۵۵ - ۱۳)

اصحاب کہف یا انقلابی مومن

اصحاب کہف کے قصے پر نظر پڑتی ہے تو یہ یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے کہ اصحاب کہف وہ پہلے مومن تھے جنہوں نے کفر و شرک بت پرستی اور آلودہ معاشرہ کے خلاف ایک نئے طرز کی تبلیغی گو اجتماعی تحریک کی بنا ڈالی تھی جسکو ان کی راسخ الایمانی کے ساتھ ساتھ خوشنودی خدا بھی حاصل تھی۔ ان لوگوں نے جو قدم بھی اٹھائے وہ خدا کی دی ہوئی توفیق اور رہبری میں اور اسطرح وہ ایک کامیاب تحریک کے قائد بن گئے۔ یہ واقعہ رسالت حضرت عیسیٰ کے بعد کا ہے۔ اصحاب کہف نے اس طرح احتجاج اور خاموش تحریک کو ظلم و استبداد کے خلاف محض خدائے واحد پر مکمل بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوئے پر اثر بنایا اور حق و ایمان کے تحفظ کے لئے جس طرح کی مادی قربانیاں پیش کیں وہ خدا کو اس قدر پسند آئیں کہ اس قصہ کو اپنے کلام پاک میں جگہ دی اور پھر اس قصے کو اہل مکہ کی تسلی و سکون کا ذریعہ بھی بنایا اور وہی اس قصے کے ذکر کرنے کا بہترین وقت بھی تھا۔ کیونکہ اسوقت گنتی کے تھوڑے سے مسلمان مشرکین و کفار مکہ کے ہاتھوں ظلم و ستم سے اسی طرح پریشان تھے جس طرح بادشاہ وقت کے ظلم و تشدد سے اصحاب کہف پریشان تھے۔ مسلمانان مکہ بھی اسی طرح ہجرت کی اور مظلومانہ زندگی گذار رہے تھے جسطرح کی زندگی اصحاب کہف ہجرت اور غار میں روپوشی سے گذار رہے تھے۔

حقائق قرآن کے تحت اس قصے کو پیش کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کے تاریخی حوالات و باقیات آج بھی شام میں ہیں اور زائرین عالم اسکی زیارت کرنے بڑے ذوق و شوق سے خلوص و اعتقاد کے ساتھ جاتے ہیں اور ان باقیات کی جو ملک شام میں مرجع خاص و عام بنے ہوئے ہیں قرآن کی مکمل پشت پناہی بھی حاصل ہے ویسے تو عام حالات میں اس کائنات میں ہر سبب کے اسباب اور حرکت کے محرکات ہوتے ہیں کہ مسبب الاسباب نے کائنات کو محض سبب اور اسباب یا حرکت اور محرکات کے حوالے نہیں کیا اور اسطرح اسباب اور محرکات خدا کی بالادستی سے آزاد اور مطلق العنان نہیں چھوڑے گئے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی اسباب خود سبب کے اور محرکات خود حرکت کے مطابق ڈھل جاتے ہیں جو کہیں

اصحاب کہف بتوں کے سامنے قربانی پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں اگر کوئی اور ہوتا تو شاید فوراً ہی عتاب شاہی کا سزاوار سمجھا جاتا مگر اعلیٰ حیثیت اور منصب کو دیکھتے ہوئے بادشاہ ان کو ایک مدت تک کی مہلت دیتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کو ترک کر دیں اور بتوں پر قربانی دینے پر تیار ہو جائیں اس کے بعد وہ دوبارہ جلد ہی واپس آنے کے ارادہ سے چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ اس شہر کو چھوڑ دیتے ہیں اور مارے خوف کے قریب کی ایک پہاڑی کے غار میں روپوش ہو کر چھپ جاتے ہیں اس کے بعد انہیں کا ایک نوجوان اپنا نام بدل پرانے پھٹے کپڑے پہن کر کھانے کا سامان لانے شہر جاتا ہے جہاں اسکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ڈیسیس شہر واپس آگیا ہے اور اسنے ان ساتوں کو پیش ہونے کا حکم دیا ہے اتنا سنتے ہی وہ کھانا لے کر فوراً غار میں واپس آجاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بادشاہ کے حکم سے خبردار کرتا ہے وہ بیچارے غم کے مارے اسی فکر میں غرق ہو جاتے ہیں۔ جب انھوں نے اسباب کو نظر انداز کر کے مسبب الاسباب کی طرف فرار اختیار کیا تو مسبب الاسباب نے بھی ایسے حالات اور اسباب پیدا کر دیئے جو ان کے عین موافق تھے اور اسطرح ان کو بھوک پیاس خوف اور ہراس سے بچانے کے ساتھ ساتھ اتنی مدت تک ایک غار میں زندگی کے دھارے سے کٹ کر اور سوسائٹی سے الگ رہ کر جینے کی اذیت سے نجات دینے کی غرض سے ان پر لمبی مدت تک کی نیند مسلط کر دی۔ دوسری طرف جب بادشاہ ان ساتوں نوجوانوں کا پتہ نہیں چلتا ہے تو ان کے والدین کو بلا کر ان کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ اور ان کا لاعلمی کے اظہار کرنے پر سخت ناراض ہوتا ہے آخر کسی طرح جاسوسوں کے ذریعے اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سب اسی پہاڑ کے اس غار میں چھپے ہوئے ہیں بادشاہ اس غار کو پتھروں سے بند کرا کے چنوا دیتا ہے تاکہ وہ ساتوں اس میں ختم ہو جائیں اسوقت دو عیسائی خفیہ طریقے سے اس واقعہ کی تفصیل اور ان ساتوں نوجوانوں کے نام دو جستی تختیوں پر لکھ کر ان پتھروں کے نیچے دبا دیتے ہیں غار کے چنے جانے کے بعد اصحاب کہف تین سو سال تک سوتے رہتے ہیں پھر تین سو سال کے بعد تھیوڈوسیس سکنڈ THEO DOSIUS II کے وقت میں عیسائیوں میں ایک بغاوت ابھرتی ہے جسمیں انھیں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور اسطرح اس شہر میں ایک بار عیسائیت کا بول بالا ہو جاتا ہے اسی زمانہ میں پادریوں کی ایک جماعت حیات از موت سے منحرف ہو کر ایک فرقہ چلاتی ہے جو مذہب کے لئے بڑی خطرناک تھی۔ بہرحال اسی درمیان ایک دولت مند زمیندار اس غار کے قریب اپنے جانوروں کا ایک باڑا بنواتا ہے پتھروں کو استعمال کرنے کے لئے وہ اس پتھر کو ہٹا دیتے ہیں جو اس غار کے منھ پر چنا رہتا ہے۔ اور اسطرح غار کا دہانہ کھل جاتا ہے اور اسی درمیان اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو خواب سے بیدار کر دیتا ہے جاگنے کے بعد وہ لوگ اسیقدر اندازہ لگا سکتے تھے کہ شاید وہ اس غار میں ایک ہی دن سوئے ہوں گے یا ایکدن سے بھی کچھ کم جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ‎(۱۹ – ۱۸)

اصحاب کہف بتوں کے سامنے قربانی پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں اگر کوئی اور ہوتا تو شاید فوراً ہی عتاب شاہی کا سزاوار سمجھا جاتا مگر انکی حیثیت اور منصب کو دیکھتے ہوئے بادشاہ ان کو ایک مدت تک کی مہلت دیتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کو ترک کر دیں اور بتوں پر قربانی دینے پر تیار ہو جائیں اس کے بعد وہ دوبارہ جلد ہی واپس آنے کے ارادہ سے چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ اس شہر کو چھوڑ دیتے ہیں اور مارے خوف کے قریب کی ایک پہاڑی کے غار میں روپوش ہو کر چھپ جاتے ہیں اس کے بعد انہیں کا ایک نوجوان اپنا نام بدل پرانے پھٹے کپڑے پہن کر کھانے کا سامان لانے شہر جاتا ہے جہاں اسکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ڈیسیس شہر واپس آگیا ہے اور انہیں ان ساتوں کو پیش ہونے کا حکم دیا ہے اتنا سنتے ہی وہ کھانا لے کر فوراً غار میں واپس آجاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بادشاہ کے حکم سے خبردار کرتا ہے وہ بیچارے غم کے مارے اسی فکر میں غرق ہو جاتے ہیں۔ جب انھوں نے اسباب کو نظر انداز کر کے مسبب الاسباب کی طرف فرار اختیار کیا تو مسبب الاسباب نے بھی ایسے حالات اور اسباب پیدا کر دیے جو ان کے عین موافق تھے اور اسطرح ان کو بھوک پیاس خوف اور ہر اس شے سے بچانے کے ساتھ ساتھ اتنی مدت تک ایک غار میں زندگی کے دھارے سے کٹ کر اور سوسائٹی سے الگ رہ کر جینے کی اذیت سے نجات دینے کی غرض سے ان پر لمبی مدت تک کی نیند مسلط کر دی۔ دوسری طرف جب بادشاہ ان ساتوں نوجوانوں کا پتہ نہیں چلتا ہے تو ان کے والدین کو بلا کر ان کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ اور ان کے لاعلمی کے اظہار کرنے پر سخت ناراض ہوتا ہے اور کسی طرح جاسوسوں کے ذریعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب فلیں پہاڑ کے اس غار میں چھپے ہوئے ہیں بادشاہ اس غار کو پتھروں سے بند کر کے چنوا دیتا ہے تاکہ وہ ساتوں اندر ختم ہو جائیں اسوقت دو عیسائی خفیہ طریقہ سے اس واقعہ کی تفصیل اور ان ساتوں نوجوانوں کے نام و نسب کی تختیوں پر لکھ کر ان پتھروں کے نیچے دبا دیتے ہیں غار کے چنے جانے کے بعد اصحاب کہف تین سو سال تک سوتے رہتے ہیں پھر تین سو سال کے بعد تھیوڈوسیس سکنڈ THEODOSIUS II کے وقت میں عیسائیوں کی ریاست میں ایک بغاوت ابھرتی ہے جسمیں انھیں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور اسطرح اس شہر میں ایک بار عیسائیت کا بول بالا ہو جاتا ہے اسی زمانہ میں پادریوں کی ایک جماعت حیات از موت سے منحرف ہو کر ایک تحریک چلاتی ہے جو مذہب کے لئے بڑی خطرناک تھی۔ بہر حال اسی درمیان ایک دولت مند زمیندار غار کے قریب اپنے جانوروں کا ایک باڑھا بنواتا ہے پتھروں کو استعمال کرنے کے لئے وہ اس پتھر کو ہٹوا دیتا ہے جو اس غار کے منہ پر چنا رہتا ہے۔ اور اسطرح غار کا دہانہ کھل جاتا ہے اور اسی درمیان خداوند کریم ان نوجوانوں کو خواب سے بیدار کر دیتا ہے جاگنے کے بعد وہ لوگ اسیقدر اندازہ لگا سکتے تھے کہ شاید وہ اس غار میں ایک ہی دن سوئے ہوں گے یا ایک دن سے بھی کچھ کم جیسا ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ وَقَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ وَقَالُوا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (۱۹-۱۸)

کی اخلاقی حالت سے بہرہ ہو تو یہ ایسے کوئی حالات پیدا کر کے اپنی مدد کی ان کو ظلم و تشدد کے خلاف سکون عطا فرمایا۔ پھر ان کو تین سو سال تک سلائے رکھا اور اسطرح ان راہبوں کے نظریے کے جواب میں حشر و نشر کا ثبوت بھی پیش کیا اور پھر ان نیک اور مخلص بندوں کو روحانی کشمکش اور ہیجان سے بچانے کے لیے ان کو قیامت تک کے لیے ایک ابدی نیند میں سلا بھی دیا۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کے قصے کے اسلوب سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ یہ حق زبان کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جو قرآن حکیم کے ذریعہ ہی چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔

جہاں تک اس شہر افسس EPHESUS کا جغرافیائی تعلق ہے یہ آلوکیہ کے بارہ ایونی شہروں CITY OF THE TWELVE CASTLES میں سے ایک شہر ہے جائے وقوع قسطرہ کی نہر کے جنوب کی طرف موجودہ شہر ازمیر کے تقریباً ساٹھ کلو میٹر پر واقع تھا۔ پہلی صدی کے زمانے میں رومیوں نے اس شہر کو مغربی ایشیا کے صوبے کا پایۂ تخت بنایا تھا۔ یہ تجارتی اور بارونق شہر تھا۔ اس کے بہترین حوالے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ڈایانا دیوی کا مندر TEMPLE OF DIANA اسی شہر میں ہے جو آج بھی دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ اس مندر میں یونان کا سب سے بڑا بت رکھا ہوا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی زمانے میں یہ شہر اپنی بے حیائی، آزادہ روی، بد اخلاقی اور رقص و سرود کے لئے مشہور تھا اس میں بھی بت پرستی کی انتہا تھی جس میں مشرقی اور مغربی دونوں طریقے شامل تھے۔

اصحاب کہف کے قصے کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ علماء یہود نے کفار قریش کے ذریعہ حضرت محمدؐ کی نبوت اور صداقت کا امتحان لینے کی غرض سے چند سوالات پوچھے تھے اور یہ قصہ بھی انھیں میں کا ایک تھا۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی قرآن نے جس اسلوب سے اس قصے کی ابتدا کی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ وسیع المعنی ہے۔ وجہ کے لائق ہے قرآن حکیم میں جو بھی قصے ہیں وہ کسی نہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کا بنیادی مقصد نفوس انسانی کی تعلیم ہے جس سے تہذیب اور معاشرہ بہتر ہو سکے۔ عقائد میں پختگی آ سکے اور عقائد باطلہ کا خاتمہ ہو سکے۔ با ایمان لوگوں کی اقلیتی جماعت کی تشفی اور تسلی ہو کے ساتھ ساتھ ذہن بلند ہو سکے اور اسی طرح یہ قصہ بھی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ محض مٹھی بھر مسلمانوں کی تسلی اور دلجوئی کے لیے نازل ہوا ہے جو اس وقت کفار و مشرکین کے انتہائی ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے جیسا کہ قرآن پاک کی آیتوں سے ظاہر ہے

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس (۸ - ۲۶)

اور وہ وقت یاد کرو جب اے مسلمانو! تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں (۸ - ۲۶)

محدثین اور سیرت نگاری کی کتابیں مکے کے مٹھی بھر مسلمانوں پر مشرکین مکہ کی طرف سے کئے جانے والے ظلم و تشدد کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ حضرت بلال، حضرت عمار، جناب صہیب اور سمیہ کے واقعات پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو وہ کو کسی طرف سے مدد کی کوئی توقع

ان میں سے ایک پوچھنے والے نے کہا کہ ہم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے، سب نے کہا ایک دن
یا ایک دن کا کچھ حصہ (جب ٹھیک ٹھیک مدت نہیں معلوم کر سکے تو) بولے کہ ہمارا پروردگار ہی
بہتر جانتا ہے کہ ہم کتنی دیر پڑے رہے (۱۸-۱۹)

بیدار ہونے کے بعد وہ لوگ اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں اور شدائد کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتے ہیں وہ بھوک سے بھی پریشان ہوتے ہیں اور اس وقت سے ان کے تاثرات اور جذبات کس قدر قابل قدر رہے ہوں گے اور ان کا اپنے خدائے واحد پر یقین کتنا پختہ ہوتا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے وہ سب اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ بتوں کو قربانی تو ہرگز پیش نہیں کر سکتے چاہے اس کے لئے اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ وہ اپنے ایک ساتھی کو چاندی کے سکے دے کر شہر بھیجتے ہیں تاکہ جا کر پاک و پاکیزہ کھانا لائے ابھی تک وہ دقی کافرانہ دور ہی سمجھے بیٹھے تھے اور اس بات سے خوفزدہ و ہراساں تھے کہ حکومت کے ظالم جاسوس ان کو ہر طرف ڈھونڈھ رہے ہوں گے اس لئے انھوں نے اپنے ساتھی کو خاموشی سے جانے اور نرمی سے پیش آنے کی تاکید کرتے ہوئے بھیجا تھا جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح سے آیا ہے۔

فابعثوا احدکم بورقکم هذه الی المدینة فلینظر ایها ازکی طعاما فلیأتکم برزق منه ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدا ۝ انهم ان یظهروا علیکم یرجموکم او یعیدوکم فی ملتهم ولن تفلحوا اذا ابدا ۝ (۱۸-۱۹-۲۰)

"اور ان چپکے سے لائے کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے اور اگر ان لوگوں نے خبر پالی تو وہ چھوڑنے
والے نہیں ہیں یا تو سنگسار کریں گے یا مجبور کریں گے کہ پھر ان کے دین میں واپس چلے جائیں
اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے۔ (۱۸-۱۹ و ۲۰)

اس کے بعد جب وہ شہر کے قریب پہونچتا ہے تو اس کو ہر چیز بدلی بدلی سی نظر آتی ہے شہر کا نقشہ یکسر بہت عظیم اور نیا نیا سا لگتا ہے اور اس پر صلیب کا نشان دیکھ کر تعجب بھی ہوتا ہے اسے یہ شبہ بھی ہونے لگتا ہے کہ شاید یہ وہ شہر ہی نہیں ہے پھر وہ کسی شہری سے پوچھتا ہے اور اس انقلاب عظیم کی خبر سن کر وہ بے چین ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے جلد وہ اس خبر کو اپنے ساتھیوں تک پہونچانا چاہتا ہے وہ کسی طرح کھانا خریدتا ہے جس کے بدلہ میں وہی ڈیسیس کے عہد کا تین سو سال پرانا سکہ نکال کر دیتا ہے جس کے رائج الوقت نہ ہونے کی بنا پر دوکاندار سمجھتا ہے کہ اس نوجوان کو کہیں سے خزانہ یا دفینہ ملا ہے اس نے خود بھی اس دفینہ میں اپنا حصہ لگانا چاہا اور نوجوان کو ڈرانے دھمکانے لگا اور پھر اس طرح ایک مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ یہ خبر شہر کے حاکم کو بھی ہو جاتی ہے اور وہ اس نوجوان سے واقعہ کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد کچھ دوسرے معزز لوگوں کو ساتھ لے کر اس غار تک آتا ہے۔ اسی جگہ ان کو جستجو کی وہ دونوں تختیاں بھی مل جاتی ہیں وہ اس غار کے اندر جا کر ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں جن کے چہرے روشن اور نورانی ہوتے ہیں ان کے بعد انھیں لوگوں کی خواہش پر خدا انھیں موت دے دیتا ہے اپنے اوپر مکمل اعتقاد اور بھروسہ کرنے والوں

سے رموز قرآن میں ایسے ہیں جو دریافت تو کیا ہو سکتے ابھی تک انسان کی عقل ناقص میں آ ہی نہیں
سکے ہیں اسطرح اس تلاش تجسس کا سلسلہ چلتا ہی رہیگا۔ شاید قیامت تک! آج کے دور میں کائنات
نظام شمسی اور سائنس کے مختلف شاخوں کے سلسلے میں گذشتہ دور کے مفروضہ اور توہماتی عقائد
مسترد کئے جا چکے ہیں۔ آگے چل کر اگر خدا نے توفیق دی اور اسکی مرضی شامل حال رہی تو ہم ان عنوانات
کا ذکر کرینگے جنکو ہر طبقہ کے سائنسدانوں اور دانشوروں نے قبول کیا

تخلیق کائنات:

تخلیق کائنات کے سلسلے میں کچھ علمی اشارات جو آیات قرآنی سے
سمجھ میں آسکتے ہیں اور جو نتیجے جدید سائنس کی تحقیق و تجسس کے
بعد سامنے آئے ہیں ان سے اس کائنات UNIVERS کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام شمسی
کے سلسلے میں ابتک جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کائنات میں بیشمار
ستارے سورج اور چاند ہیں جنکی تخلیق کروڑوں اور اربوں سال پہلے ہوئی تھی جسکا اندازہ لگانا
ممکن نہیں۔ یہ ستارے اور اجرام فلکی دریا ہے۔ سورج اور چاند، ستاروں اور کہکشاں کی تعداد میں
خلاؤں میں اپنے اپنے مقررہ مدار پر گردش کر رہے ہیں اور اسطرح ہر سورج کا اپنا الگ
نظام شمسی ہے۔ ہماری زمین بھی اسطرح کا ایک ستارہ ہے جو اپنے سورج کے نظام شمسی کے
تحت اور دیگر ستاروں کے ساتھ سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے ان ستاروں میں کتنے ہی ابھی
آگ اور گیس کے گولے بنے ہوئے سورج کیطرح چکر لگا رہے ہیں نہ جانے کتنے ایسے بڑے بڑے
آتشیں سمندر خلاؤں میں شعلے اگل رہے ہیں جنمیں اگر ہمارے نظام شمسی کا سورج ڈال دیا جائے
تو ایسا لگیگا جیسے آگ کے سمندر میں ایک آتشیں گیند گر گئی ہو۔ اس کائنات میں نہ جانے
کتنے ہی ایسے سیارے ہونگے جو بالکل ٹھنڈے پڑ کر اور سمٹ کر اسقدر ٹھوس بن چکے ہیں جیسے لوہے
کی عظیم گیندیں اور جنمیں کسی نباتات یا زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو جل کر خاکستر
ہو چکے ہیں ہمارے نظام شمسی کا سورج اتنا بڑا ہے کہ اگر اسکو کھولا کیا جائے تو ہماری دنیا کی
جسامت کی دس لاکھ دنیائیں اس میں سما سکتی ہیں۔ کائنات کی خلاؤں میں بعض ستارے تو
اتنے بڑے ہیں جو ہمارے سورج سے ۵ ہزار گنے بڑے ہیں اور اتنے بڑے ستاروں کی تعداد ایک
کہکشاں GALAXY میں کہے کم ایک لاکھ ہے ماہرین فلکیات ابتک اسطرح کی ایک ہزار لاکھ
کہکشائیں دریافت کر چکے ہیں پھر بھی ہماری معلومات کائنات میں کہکشاؤں کے وجود کی شکل
سے ۲۰ فیصدی ہوگی جو ابتک طاقتور دوربینوں کی گرفت میں آسکی ہیں۔

اس عظیم کائنات میں بہت سارے سورج تو ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے
ہیں یونانی دانشوروں اور منجموں کا قیاس تھا کہ یہ آسمان طبق در طبق ہیں انہیں کے پہلے
آسمان کا رنگ نیلا ہے۔ یہ چاند اور تارے اسمیں جڑے ہوئے ہیں۔ زمین چپٹی اور ساکت
ہے سورج زمین کے گرد ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر مالک کائنات نے

تھی اور خود ان کے معاشرہ میں اب کوئی صحیح انسان تھا جو انکی زندگی کی ضمانت دے سکتا اور ان کو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آرہی تھی جس کو قرآن پاک نے اس طرح پیش کیا ہے۔

حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ۔ (۹ — ۱۱۸)

جب کہ زمین اپنی ساری وسعتوں پر بھی ان کے لئے تنگ ہوگئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انھیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اسی کے دامن میں (۹ — ۱۱۸)

اور ٹھیک اسی زمانہ میں سورہ کہف نازل ہو کر کے مظلوم مسلمانوں کی جان و مال کا ضامن ہو جاتا ہے اور ان کو اس قصے کے حوالے سے نجات کا مقصد ہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان و صداقت کے لئے ہر تنگی کے بعد کشائش۔ ہر ظلم کے بعد سکون اور ہر ذلت کے بعد عزت خداوند کریم قوانین فطرت سے بلند ہو کر بھی عطا کر سکتا ہے اور یہ ایک چیلنج بھی ہے جو ما فوق الفطرت امور پر یقین نہیں رکھتے اور صرف عقل و حس کے حصار میں گرفتار ہیں۔ اس سورہ کے نزول کے وقت مکہ کے مسلمانوں کی بھی وہی حالت تھی جو اپنے زمانہ میں اصحاب کہف کی تھی دونوں ہی کمزور تھے اور اقلیت میں تھے ظالم اور جبار حاکموں کے خوف سے دونوں کے کلیجے منہ کو آرہے تھے جنکو خدا کی غیبی امداد اور مافوق الفطرت طاقتوں نے ہی فنا ہونے اور مٹ جانے سے بچایا اور ان کی تسکین کا سامان کیا۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمؤمنین ۔

اور اے پیغمبر رسولوں کی خبروں میں سے ہر ایک ہم تم سے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کر دیں اور ان قصوں کے بیان سے تم تک تو حق پہنچ جاتا ہے اور مومنین کے لئے نصیحت اور یادگاری ہوتی ہے (۱۱ — ۱۲۰)

تاریخ خود کو بار بار دہراتی ہے زمانہ نبوت سے لیکر آج تک اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مومنوں کی زندگی میں یہ حالتیں اکثر آیا کرتی ہیں کہ کبھی وہ طاقتور ہیں تو کبھی کمزور کبھی اکثریت میں ہیں تو کبھی اقلیت میں کبھی زمانہ ان کے موافق ہے تو کبھی مخالف کبھی فتح ہے تو کبھی شکست اور یہ سب ان کے عمل پیہم اور ایمان صالح کے پورے یا نہ ہونے پر منحصر رہا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ حق و صداقت کے علمبرداروں اور انکی جماعتوں کو دعوت دین حق کے نتیجے میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں ان کو ایذائیں دی گئی ہیں انکی جماعتوں کو قتل کیا گیا ہے۔ پھر سارے مادی وسیلے ختم نظر آئے دنیاوی سب اسباب ٹوٹ کر منقطع ہو گئے مگر اس کے بعد خداوند کریم کی مافوق الفطرت طاقت نے ظاہر ہو کر انکو غیبی مدد دی اور غیبی امداد بھی ظاہر ہوئی دیکھتے ہی دیکھتے خلاف توقع اسباب اور محرکات بھی پیدا ہو گئے اور پھر آخر میں فتح انصاف و حق کی ہی ہو کر رہی ایک ایسی فتح جس کے لئے نہ تو کوئی ظاہری اسباب تھے

مادی وسیلہ اور نہ کثرت! جیسا کہ اصحاب کہف کے لئے قرآن کریم میں آیا ہے۔

"نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا" (۱۸-۱۳-۱۴)

ہم ان کے حالات تم سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے انھیں ہدایت میں اور زیادہ مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں کو (صبر و استقلال سے) پختگی دے دی جب وہ (راہ حق میں) اٹھ کھڑے ہوئے تو (صاف صاف) کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اسکے سوا کسی کو معبود پکارنے والے نہیں ہیں اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی بے جا بات ہوگی (۱۸-۱۳ و ۱۴)

اصحاب کہف کو انقلابی مومن کہنا زیادہ مناسب ہوگا جب بت پرستی، بوالہوسی اور ظلم وستم کے اس دور حکومت میں جہاں ہر طرف بے حیائی آوارگی اور عیاشیوں سے معاشرہ کی فضا گھٹ رہی تھی انھوں نے حضرت عیسیٰ کی دعوت اسلام اور توحید کو ایک مرتبہ دل سے قبول کر لینے کے بعد پھر دوبارہ اپنی پہلی بت پرستی والی زندگی کی طرف پلٹنے پر اپنی موت کو ترجیح دی خدا نے بھی ان کے دلوں کو حق و صداقت کے قبول کرنے کے لئے نرم و گداز اور صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کیلئے مضبوط کر دیا تھا۔ اور پھر انکا عقیدہ اور یقین اس قدر پختہ اور کامل ہو گیا کہ وہ اپنی جان تک کی قربانی دینے پر تیار ہو گئے۔ اب جبکہ بادشاہ وقت بت پرست ہے اور وہ بتوں پر قربانی کے علاوہ کوئی اور بات سننے کو تیار نہیں ہے تو ایسے وقت میں عموماً دو ہی صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں پہلی تو یہ کہ اہل ایمان حکومت وقت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں خواہ وہ حالت تقیہ میں ہی کیوں نہ ہوں اور یا پھر بھوک، فاقہ، افلاس، ذلت، رسوائی اور سب سے بڑھ کر اپنی اور اہل خاندان کی گردن زدنی پر راضی ہو جائیں۔

اصحاب کہف بھی حکومت کے اہم ارکین میں سے تھے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کے پاس عزت بھی تھی اور افسری بھی اور حکومت کے خلاف رہ کر سب دنیاوی اور مادی وسیلے منقطع ہو جاتے۔ وقت بھی ایسا تھا کہ انکو انسانی برادری، حقوق انسانی سوسائٹی اور معاشرہ سے بھی کسی طرح کی امداد و سہارہ کی امید نہیں تھی ان کے سارے دنیاوی اور مادی سہارے ختم ہو گئے تو ایسے وقت میں جیسا کہ ہوتا آیا ہے کہ جب مومن کے لئے تمام مادی وسیلے ختم ہو جاتے ہیں تو قدرت خدا آڑے آتی ہے اور وہیں سے اور اسی منزل سے قانون فطرت اسباب ظاہری کے خلاف اور بلند ہو کر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور اتفاقی اسباب بھی بن جاتے ہیں پھر خلاف توقع تحریک بھی شروع ہو جاتی ہے اور یہی کہلاتے ہیں مافوق الفطرت محرکات یا غیبی اسباب!! اور پھر سارے دنیاوی مشہود اسباب اور وسائل مومن کی نگاہوں میں ہیچ اور بے معنی نظر آنے لگتے ہیں موافق اسباب خود بخود پیدا ہونے لگتے ہیں مافوق الفطرت سبب بن جانے کے لئے۔ اور یہاں تک کہ خالق مطلق

حالات اور افتاد کو ان کے موافق ڈھالنا شروع کر دیتا ہے اور ان کے کاموں میں کشائش اور آسانی پیدا ہونے لگتی ہے ایسا ہی ہوا ان انقلابی مومنین کے ساتھ بھی جیسا مفصل ذکر قرآن حکیم کے سورہ کہف میں آیا ہے۔ جس کے کچھ حوالے حسب ذیل ہیں۔

وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے انھیں ہدایت میں اور مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں کو صبر و استقلال سے پختہ کر دیا جب وہ راہ حق میں کھڑے ہوئے تھے تو انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود پکارنے والے نہیں ہیں۔ اگر ہم کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ وہ اگر معبود ہیں تو ان کے ثبوت میں دلیل پیش نہیں کرتے (ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے۔ (۱۸-۱۳ تا ۱۵)

اور اب ان انقلابی مومنین کے لیے دو ہی راستے تھے یا تو وہ اپنے عقل و خرد اور علم کے خلاف جاہل حکام اور کافر حکومت کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اس طرح اپنے عقیدہ حق و انصاف کا خون کرتے اور یا تو ہم یہاں کی عیش و عشرت کا آرام اور سکون عزت اور ثروت اور یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھوتے ادھر خدا نے ان کی رہبری اس طرح کی۔

وإذ اعتزلتموهم وما يعبدون إلا الله فأووا إلى الكهف ينشر لكم ربكم من رحمته ويهيئ لكم من أمركم مرفقا (۱۸-۱۶)

خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور اس طرح کا ہر گوشہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور (پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ) تم نے جب ان لوگوں سے اور انہیں جنھیں وہ پوجتے ہیں کنارہ کشی کر لی تو چاہیے کہ غار میں چل کر پناہ لو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کا سایہ پھیلائے گا اور تمہارے اس معاملہ کے لیے سارے سر و سامان مہیا کر دے گا (رحمت دستگیر رہے گا) (۱۸-۱۶)

ان انقلابی مومنین کا طریق کار دیکھا کیا مجاہدانہ اور انقلاب انگیز ہے وہ صاف ہیں گو ایسا نہیں ہوتا کہ جس کا جو جی چاہتا نکل جاتا اور پھر ہر شخص اپنا اپنا راستہ اختیار کرتا اور پہاڑوں پر جا کر کہیں غاروں میں الگ الگ چھپ جاتا جیسا کہ اکثر صوفیاء کا سب ہی کا ڈھنگ زندگی میں دیکھتے آئے ہیں مگر خدا نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ جہاں بھی جائیں ایک انقلابی انداز لیے ہوئے جذبہ تبلیغ سے بھرپور ایک مجموعی سی جماعت بن کر جائیں تاکہ حوصلوں اور ارادوں میں کسی طرح کی کمی نہ ہو اور خدا پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے خدا ہی کی مدد کے طالب ہوں اور یہ قدم ہر مرد مومن کو اٹھانا چاہیے جب دین اور ایمان والوں پر ظلم ہونے لگے ہوں۔ اور پھر اصحاب کہف اپنا گھر بار عیش و عشرت عزت اور ساری دنیاوی دلچسپیوں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے ہوئے اپنے اعلیٰ منصب، وقار اور عزت کو ترک کرتے ہوئے اور اپنے خاندان کو آخری الوداع کہتے ہوئے اور پھر جیسا کہ ہو آیا ہے رحمت خداوندی نے

ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور پھر اسکا نعم البدل اسطرح دیا کہ ان کو کشادہ اور صحت کے لحاظ سے نہایت ہی موزوں غار میں بسا دیا۔ ایسا وسیع و عریض غار جہاں ہر طرف سے کھلی اور تازی ہوائیں آتی تھیں سورج کی نرم گرمیں اور گرمی بھی روشنی کے ساتھ آتی تھی مگر ایسی دھوپ نہیں جو انکی کسیطرح تکلیف دہ یا مضر ہو۔ اور اسکا تفصیلی ذکر قرآن میں اسطرح آیا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ (۱۸ - ۱۷)

(اور وہ جس غار میں پہنچے وہ اس طرح واقع ہے) جب سورج نکلے تو تم دیکھو گے کہ ان کے داہنے جانب سے بچا ہوا رہتا ہے اور جب وہ ڈوبے تو بائیں طرف سے کترا کر نکل جاتا ہے اور وہ اس غار کے میدان میں (کھلے حصے میں) ہیں۔ یہ بھی خدا کے نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (۱۸ - ۱۷)

عربی زبان میں کہف "پہاڑ" اس غار کو کہتے ہیں جو خوب کشادہ وسیع اور عریض ہو جسمیں روشنی اور تازی ہوا اچھی طرح پہنچتی ہو مگر سورج کی شعاعیں اور گرمی اسمیں رہنے والوں کو پریشان نہ کرتی ہو جبکہ پہاڑ کے کسی چھوٹے غار کو عربی میں "المغارہ" کہتے ہیں اور اسی کشادہ غار کی مناسبت سے ان انقلابی مومنین کو اصحاب کہف کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ قرآن حکیم نے اصحاب کہف کو "والرقیم" کے ساتھ متعرف کرایا ہے رقیم کے لغوی معنی کتاب یا نوشتہ کے ہوتے ہیں بہت سے مفسروں کا خیال ہے کہ رقیم سے مراد اس زمانہ کی پتھر کی تختی ہے جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھا ہوا ہے جو آج بھی غار کے دروازہ پر موجود ہے مگر حقیقت میں یہ پتھر کی سل بہت بعد کی پیداوار ہے یا کم از کم ایک ان کے ساتھ غار میں رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا حقیقت تو یوں لگتی ہے کہ وہ اور ان انجیل! دینیات کی کوئی کتاب تھی جو غار میں انکی مونس اور شریک حال تھی اور جس کی تائید امیر المومنین حضرت علی کے ارشاد سے ہو جاتی ہے کہ دراصل وہ ایک کتاب تھی جو غار کی زندگی گذارنے کے زمانہ میں ان کے پاس موجود تھی۔ اس طرح اصحاب کہف کی زندگی غار میں بھی کسی طرح سے بیجا۔ پریشان کر دینے والی یا کسی طرح سے بھی تعطل اور سکوت کی زندگی نہیں تھی۔ ان کے پاس کچھ کتابیں اور صحیفے ایسے ضرور تھے جو ہدایات رب العالمین توریت اور انجیل سے متعلق ہے جنھیں وہ علوم الہیہ و باقیہ کی طرح حیثیت کر اپنے ساتھ غار میں لے گئے تھے جسکا ذکر کرنا قرآن حکیم نے بھی ضروری سمجھا اور انکو "اصحاب کہف والرقیم" کے نام سے یاد کیا ہے پھر جب ان انقلابی مومنین کا سامان خورد و نوش ختم ہو جاتا ہے جس کے باہر سے ملنے کی بھی کوئی امید نہیں ہوتی اور پھر اصحاب کہف کا سوسائٹی اور زندگی کے عام دھارے سے کٹ کر اور غیر معینہ مدت تک کے لئے الگ ہو کر ایک غار میں زندگی گذارنے کا عمل ان کے لئے باعث اذیت ہو جاتا۔ اس وقت بھی قانون فطرت سے بلند ہو کر ان پر ایک لمبے عرصہ تک کی نیند مسلط کر دیتا ہے۔ تو پھر ہم نے ٹھیک کئی چند سال کے لئے گہری نیند میں سلا دیا" (۱۸ - ۱۱)

اب اس قصہ کی آخری کڑی بھی کسی معجزہ سے کم نہیں ہے کہ ان کے سوتے رہنے کے دوران میں

کی مدت قمری سالوں کے حساب سے ۳۰۹ سال اور شمسی سالوں کے اعتبار سے ۳۰۰ سال ہوتے ہیں ملک میں مذہب مسیح کی ایسی ترقی ہو گئی کہ پھر کوئی بھی کافر یا بے دین نہیں رہ گیا اور وہی اصحاب کہف جو جان توڑ مجبوری اپنے شہر سے ہجرت کر کے غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے بیدار ہوئے اب ان کی بڑی عزت اور توقیر ہوتی ہے۔ لوگ بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال کرتے ہیں خدا کی قدرت نے بھی کچھ ایسا اہتمام کیا ہے کہ آج بھی وہ غار دمشق (شام) میں زیارت گاہ اہل ایمان ہے جسے دیکھنے کے لئے ہر سال دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں سیاح جاتے ہیں

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ "شب و روز کی گود میں جتنی چیزیں ساکن یا متحرک ہیں وہ سب خدا ہی کی ملک ہیں" (۶-۱۳)

اس قصہ میں نرم دلی اور خوش اخلاقی سے خاموش انقلاب لانے کا طریقہ باہمی اتحاد کے ساتھ خدا پر مکمل اعتماد اور بھروسہ اور دین پر ایمان کی تبلیغ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ عدل و اعتدال اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

قرآن حکیم کی پیشین گوئیاں

قرآن حکیم نے پیشین گوئیاں بھی کی ہیں جو جلد ہی سچ بھی ثابت ہو جاتی تھیں اور جن کے اس طرح صادق ثابت رہنے پر کفار و مشرکین کو متحیر ہو جاتے تھے اور قرآن کو جادو اور سحر سے تعبیر کرتے تھے۔
ایک جاہل اور پسماندہ قوم سے وکیل دین حق اور پیغمبر رسل کے خلاف زہر بے ہونے کی کئی وجہیں تھیں ان میں سے ایک تو اسکی تعلیمات تھی جسکی بنا پر وہ اپنے باطل پرستیوں اور اپنے اجداد کے بتلائے ہوئے بت پرستی کے راستوں پر آنکھیں بند کر کے گامزن تھے اور جس کو چھوڑ دینا ان کے خاندانی وقار کو ٹھیس پہنچانا تھا۔ اور دوسری وجہ بنی ہاشم کے ساتھ بنی امیہ کی چلی آرہی دیرینہ دشمنی اور رقابت تھی جس کی تاریخیں گواہ ہیں اور وہ رسول کو جو بنی ہاشم کے ہی ایک فرد تھے رسول سمجھتے ہوئے بھی اپنی جنگ اور شان کے خلاف سمجھ کر اپنے رشک کی بنا پر انکار کرتے تھے اور حضرت محمد کو رسول مان کر اپنے خاندان کی سبکی اور کمتری قبول کرنے پر تیار نہیں تھے اور یہی مادہ رشک و بغض بنی ہاشم اور رسول کے خلاف سارے مشرکین عرب میں تھا۔ قبیلہ بنی امیہ میں رسول کا سب سے بڑا دشمن ابو سفیان تھا جو زندگی بھر آپ کو ہر طرح سے تکلیفیں دیتا رہا اور اذیتیں پہنچاتا رہا وہ ہمیشہ دین اسلام کی بیخ کنی میں لگا رہا۔ اس کا یہ کفر کی سرحدوں کو چھوتا ہوا قبیلائی رشک و حسد کبھی تو جنگ احد اور جنگ بدر میں ابھرا کبھی مسجد کوفہ میں امیر المومنین حضرت علی کا خون بہاتا نظر آیا۔ کبھی شمر قاتل بن کر امام حسین کے کلیجے سے

واقعے کو بھی کربلا کے میدان میں یزید کی انتہائی کافرانہ اور ظالمانہ کارناموں کا مظاہرہ تھا جو سامنے آیا اور تاریخ اسلام کے اوراق پر ظلم، کفر اور بربریت کی ایک لمبی اور کبھی نہ مٹنے والی داستان چھوڑ گیا جو اس کے گھناؤنے کردار کو آج بھی بہرحال دہرا کر اور اس کے انتہائی بھیانک مظالم کو سنا سنا کر ذہن انسانیت کو جھنجھوڑ رہا ہے۔

اس موضوع کے تحت قرآن حکیم کی پیشین گوئیوں میں سے کچھ کا ذکر کر دینا اس لئے ضروری ہے کہ ایسی پیشین گوئیاں جن کے مستقبل قریب میں صادق آجانے کے امکانات بھی نہیں تھے کس طرح اپنی پوری صداقت کے ساتھ حرف بحرف پوری ہوتی ہیں۔ جنکو دیکھ کر مشرکین تک انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں وہ قرآن حکیم کے کتاب آسمانی ہونے کے تو منکر تھے ہی مگر انھوں نے اسے جادو اور سحر کے نام سے ضرور نوازا اور اس طرح اس کو مافوق الفطرت بہرحال ضرور مانا۔ اسی طرح آج کے دور کا ہر مذہب وملت کا دانشور اس بات کا قائل ہے کہ اس طرح کی معجزنمائی کتاب آسمانی ہی کر سکتی ہے اور ایسی الہامی چیز یا اس مالک دوجہاں کے لئے ہی ممکن ہیں جو پیشین گوئیوں کے پورا کرنے پر قادر ہے اور مسبب الاسباب بھی۔

۱۔ حکومت روم کیلئے فتح کی پیشین گوئی: یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمان اپنے ابتدائی اور اقلیتی دور سے گذر رہے تھے اسوقت مشرق وسطی میں روم اور ایران ہی دو بڑی حکومتیں تھیں جو بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور جنکی سرحدیں جزیرہ نما کے عرب سے ملتی تھیں۔ یہ دونوں حکومتیں زمین کے ایک بڑے حصے کی تہذیب اور تمدن پر اثر انداز ہوکر تمام قوم کا مسلک مفتوح قوم کا غاصب ہونے کے مفہوم کا درس عبرت دے رہی تھیں اور اپنا اپنا اقتدار بڑھانے اور برتری قائم کرنے کی غرض سے اکثر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہا کرتی تھیں نوشیرواں بادشاہ ایران کے زمانہ میں دونوں حکومتوں نے ایک صلح نامہ پر دستخط کئے تھے جنمیں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ تھا مگر یہ معاہدہ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکا اور خسرو پرویز نے اس صلح نامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ۶۱۶ء میں روم پر حملہ کر دیا اور جلد ہی اسنے شام، فلسطین اور شمالی افریقہ کا بہت بڑا حصہ رومیوں سے چھین لیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے یروشلم کو بھی لوٹا اور تاراج کر دیا حضرت عیسیٰ کے مزار کو آگ لگا دی اور اصل صلیب مقدس کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گیا اور اس طرح ایرانیوں نے رومیوں پر کامیابی حاصل کر لی۔ چونکہ اسوقت ایرانی حکومت آتش پرست تھی اور انھوں نے روم کی خدا پرست عیسائی حکومت کو شکست دی تھی اس لئے مکہ کے بت پرست خوش تھے اور وہ لوگ ایران کی اس فتح کو اپنے لئے بھی فال نیک سمجھ رہے تھے کہ اسی طرح وہ بھی ہمیشہ مسلمانوں پر غالب آتے رہیں گے دوسری طرف مکہ کے مسلمان بہت ہی مغموم اور دل شکستہ ہو گئے تھے اور آئندہ کے خدشات نے انھیں بہت زیادہ خوف زدہ

کر رکھا تھا۔ مگر اسی زمانہ میں سورۂ روم کی ابتدائی آیات کے نزول سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھ گئی۔ آیات میں اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ خداوند کریم و حکیم دس سال کے اندر ہی رومیوں کو ایرانیوں پر پھر غلبہ عطا فرمائے گا۔

"غلبت الروم ہ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ہ فی بضع سنین ہ للہ الامر من قبل ومن بعد ہ ویومئذ یفرح المومنون ہ

یہاں سے بہت قریب کے ملک میں رومی (نصاریٰ) اہل فارس (آتش پرستوں) سے ہار گئے گو وہ لوگ قریب ہی ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہل فارس پر) غالب آجائیں گے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد ہر زمانہ (ہر امر) کا اختیار خدا ہی کو ہے۔ اور اس دن اہل ایمان خدا کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ (۳۰-۲-۴)

قرآن حکیم کی یہ آیات جس وقت نازل ہوئیں تو کفار مکہ نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور ابی ابن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو میں دس اونٹ دوں گا ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہوں گے۔ رسولؐ کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ قرآن میں فی بضع سنین کے الفاظ ہیں اور عربی میں بضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اس لیے دس سال کے اندر کی شرط لگا کر اونٹوں کی تعداد بڑھا کر دس سے سو کر دینا چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ابی سے پھر نئی شرط طے کر لی کہ دس سال کے اندر جس فریق کی بات غلط ہوگی وہ سو اونٹ دے گا۔ اس سلسلے میں انگریز مورخ گبن کے مطابق قرآن حکیم کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات یا آٹھ سال تک حالات ایسے تھے کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آسکے گی۔ غلبہ تو درکنار اس وقت کسی کو یہ امید بھی نہیں تھی کہ روم کی سلطنت باقی بھی رہ سکے گی۔

ادھر ۶۲۲ء میں رسولؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ادھر قیصر ہرقل بہت خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے سے ہو کر ایران پر حملہ آور ہوا۔ ہرقل روم نے اپنا یہ حملہ ۶۲۲ء میں شروع کیا اور دوسرے ہی سال ۶۲۳ء میں آذربائیجان میں گھس کر زرتشت کی جائے پیدائش "ارمیاہ" کو تباہ کر دیا۔ ایرانیوں کے سب سے بڑے آتشکدہ کو جلا دیا اور مقدس صلیب کو واپس لانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی وقت تھا جب مسلمانوں کو بھی جنگ بدر میں کفار مکہ کے مقابلہ میں پہلی فتح نصیب ہوئی اور اس طرح یہ دونوں پیشین گوئیاں جو سورۂ روم کی آیات کے اندر کی گئی ہیں دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی ایک وقت پوری ہوئیں۔ اس کے بعد کسی میں بھی اس بات کا انکار کرنے کی ہمت نہ ہو سکی کہ قرآن پاک کی پیشین گوئیوں کو غلط کہہ سکے۔ اور ابی بن خلف کے وارثوں کو ہاری ہوئی شرط کے اپنے سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کرنے پڑے۔ رسولؐ نے اس سلسلے میں حکم دیا کہ یہ سو اونٹ صدقہ کر دیے جائیں کیوں کہ اس وقت تک جوئے کی حرمت کا حکم آچکا تھا جس کے تحت کافروں سے ہاری ہوئی شرط کا مال لینے کی تو اجازت تھی مگر اس کو اپنے اوپر استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دینے کا حکم تھا۔

فتح مکہ کی پیشین گوئی

قرآن پاک نے فتح مکہ کے سلسلے میں جو پیشین گوئی کی ہے وہ بھی قابل قدر اور قابل بیان ہے جس میں خداوند کریم نے رسول کو مستقبل قریب میں نہایت شان کے ساتھ مناسک حج بجالانے کی اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسری فتح کی بھی خوشخبری دی تھی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۔ بیشک خدا نے اپنے رسول کو سچا اور واقعی خواب دکھلایا تھا کہ تم لوگ انشاءاللہ مسجد الحرام میں اپنا سر منڈوا کر اور اپنے تھوڑے سے بال کتروا کر بہت اطمینان سے داخل ہوگے اور کسی طرح کا خوف نہ کروگے جو بات تم نہیں جانتے خدا اس سے واقف ہے (فتح مکہ سے پہلے) دوسری کامیابی بھی حاصل کروگے (۴۸-۲۷)

ان آیات میں خداوند کریم نے اپنے رسول کو اسی مکہ کی فتح کی خوشخبری دی ہے جہاں سے آپ کو ہر طرح کی ایذائیں دے کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد مکہ میں نام کے لئے بھی ایک مسلمان نہیں رہ گیا تھا۔ تاریخ اسلام دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس پیشین گوئی کا ایسے وقت میں نزول ہوا تھا جب مسلمان مدینہ منورہ میں بھی ہر طرف سے یلغار اور حملوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے جن میں مشرکین مکہ کے ساتھ اہل یہود بھی پیش پیش تھے۔ یہودیوں کے زیادہ تر قبیلے تو آپ کے خلاف معرکہ آرائیاں کر ہی رہے تھے مگر یہودیوں کے کچھ قبیلے جیسے قبیلہ بنی قریظہ اور قبیلہ بنی نضیر جن کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے عہدنامے بھی تھے وہ لوگ بھی ایسے وقت میں عہدنامہ کو توڑ کر یا تو اپنے گھر بیٹھ رہے یا یہودیوں کی مدد کر رہے تھے اور یا پھر کفار کے مل گئے تھے۔ اسی زمانہ میں جنگ خندق کا معرکہ بھی پیش آیا جو حضرت علی کی قوت بازو سے ہی سر ہو سکا۔ پھر اس کے بعد یہودیوں کی عہد شکنی اور غداری کے خلاف جنگوں اور محاصروں نے مسلمانوں کو مبتلا کر رکھا تھا اور ایسے ہی وقت میں دو شاندار فتوحات کی پیشین گوئیوں کا صادق آنا خدا کی غیبی امداد سے ہی ممکن ہو سکا ورنہ مسلمانوں کے لئے ان کے ذہنی، جسمانی اور روحانی انتشار اور خلفشار کی وجہ سے یہ فتوحات ممکن نہیں تھیں کہ وہ مستقبل قریب میں آرام اور اطمینان کے ساتھ اعمال عمرہ بجا لا سکیں گے بڑے بڑے محققین اور فوجی ماہرین ان واقعات کو غیبی امداد سے ہی تعبیر کرتے ہیں ورنہ اس وقت مسلمانوں کی حالت ایسی خراب تھی کہ اس قدر سہولت کے ساتھ فتح مکہ کی کوئی امید ہی نہیں تھی دراصل فتح مکہ اہل اسلام کی فوجی طاقت اور ان کے اسلحوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ فتح خداوند کریم کی عطا اور غیبی امداد سے ہوئی تھی جو بلا کسی طرح کی مبارزت یا جنگ کے حاصل ہو سکی اس آیت میں ایک دوسری فتح کی خوشخبری جو دی گئی ہے وہ خیبر کی فتح کے متعلق ہے جو فتح مکہ سے پہلے ہوئی تھی جب مسلمانوں پر بہت سخت اور مشکل دور تھا اور اس جنگ کو بھی امیرالمومنین کے دست یداللہی نے ہی فتح کیا اور اس طرح قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ ان دونوں

کامیابیوں کا سہرا آیات قرآنی اور نزول وحی کے سر پر باندھا جائے گا کیوں کہ اسوقت مسلمان اس قدر کمزور تھے کہ ان سے اتنی بڑی فتوحات کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ فتح مکہ کے سلسلے کی ہی ایک آیت اور ہے جس میں اسوقت کی پیشین گوئی کی گئی ہے کہ فتح مکہ کے بعد مشرکین گروہ در گروہ بڑی تعداد میں اسلام قبول کریں گے۔

اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله افواجا

اے رسول جب خدا کی مدد آپہونچے گی اور مکہ فتح ہو جائے گا تو تم لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ فوج کے فوج خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ (۱۱۰-۱ و ۲)

یہ سب پیشین گوئیاں جو اسوقت ذہن انسانی کو پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی تھیں ان کا اسطرح صادق آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صحیح وحی کے ذریعہ سے تھیں اس خدائے علیم وحکیم کی طرف سے جو ان کے پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

۲۔ اسلام کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی:

اس سلسلے کی سند جو ذیل آیات کو پڑھو اور اسوقت مکہ کے حالات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس پیشین گوئی کے صادق آنے کے بھی کوئی ظاہری امکان نظر نہیں آتے "وللآخرة خير لك من الاولى" اور یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے (۹۳-۴)

خداوند عالم اپنے رسول کے لئے یہ پیشین گوئی بھی ایسے وقت میں کر رہا ہے جب آپ مکہ میں مشرکین کے درمیان محض گنتی کے چند مسلمانوں کے ساتھ بڑی تکالیف اور مشکلات کے دن گذار رہے تھے اور دور دور تک کوئی ایک امید و تسلی نظر نہیں آتا تھا جو ان آفت رسیدہ اور بے سرو سامان مظلوم مسلمانوں کو کسی طرح کا سہارا دیتا اور اس وقت جناب ابوطالب ہی ایک ایسے تھے جو ہر طرح کی روحانی اور جسمانی ایذائیں برداشت کر کے اسلام کے اس نونہال کی آبیاری کر رہے تھے۔ اسوقت اسلام کی شمع آخری سانسیں لیتی معلوم ہوتی تھی جسے بجھا دینے کے لئے ہر طرف سے کفر و شرک کی ظالم آندھیاں چیختی چلاتی ہوئی پورے جوش و خروش کے ساتھ بڑھ رہی تھیں۔ اس پیشین گوئی میں خدا نے ایسے ہی وقت میں رسول کی ہمت افزائی کی تھی کہ آپ ان مشکل گھڑیوں میں مطلق ہراساں اور پریشان نہ ہوں۔ آپ کے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا جس میں آپ کی قوت شان عزت قدر و منزلت بڑھتی ہی جاتی ہے اور انشاء اللہ آپ کی بات بڑھتی ہی رہے گی اس سلسلے کی ایک روایت ابن عباس کی طبرانی اور بیہقی دونوں نے نقل کی ہے کہ رسول نے فرمایا کہ میرے سامنے وہ تمام کامیابیاں پیش کی گئی ہیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں اور اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

اسی طرح کی ایک آیت اور ہے جس میں خالق مطلق نے اسلام کے عروج اور دین کے غلبے کی پیشین گوئی کی ہے۔ "ولسوف يعطيك ربك فترضى" تمہارا پروردگار تم کو (عنقریب) اس قدر عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے (۹۳-۵) اس آیت گرامی میں رسول کو عنقریب بہت بڑی عطاؤں

اور بخشش کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو آپ کی زندگی میں ہی پوری ہوئیں اور سارا جزیرہ نمائے عرب جنوبی
ساحل سمندر سے لے کر شمال میں شام و عراق تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر
تک آپ کے زیر نگیں ہو گئے اور تاریخ اسلام میں ایسا پہلی مرتبہ ہو سکا جب اس سرزمین کا ایک
طویل و عریض حصہ ایک ہی قانون اور ضابطہ کے تابع تھا اور اس طاقت سے جس نے بھی ٹکرانے کی
کوشش کی وہ پاش پاش ہو کر رہ گیا۔

۴. رسولؐ کے رفع ذکر کی پیشین گوئی:

یہ خوشخبری خداوند کریم نے رسولؐ کو اس وقت دی تھی جب کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا
کہ رسول جو صرف چند اہل ایمان اور بیروان اسلام کے ساتھ محض مکہ تک ہی محدود ہیں اتنی جلد اس
قدر عظیم اور عالمی شہرت کے مالک بن جائیں گے۔ اور ناموری حاصل کریں گے۔

ورفعنا لک ذکرک "اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا" (۹۴-۴)

خداوند علیم و حکیم نے رسول کا ذکر سب سے پہلے آپ کے دشمنوں کے ذریعے ہی بلند کر دیا کفار مکہ نے رسول
کو بدنام کرنے کے لیے اور ایذائیں پہنچانے کے لیے جو حرکتیں کی تھیں انہیں سے ایک یہ بھی تھی کہ حج
کے موقع پر جب تمام اہل عرب مکہ میں جمع ہوتے تھے تو یہ لوگ حاجیوں کے خیموں میں جا کر ان
کو خبردار کیا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ) نامی ایک ایسا جادوگر ہے جو لوگوں پر ایسا
جادو کر دیتا ہے کہ باپ بیٹے بھائی بھائی اور زن و شوہر میں جدائی ہو جاتی ہے اس لئے اس
سے دور ہی رہنا اور اس کی باتوں پر دھیان مت دینا۔ اس کے علاوہ بھی جب دوسرے مقامات
سے اہل عرب تجارت کے سلسلے سے مکہ آتے تھے تو یہ مشرکین مکہ ان سے بھی اسی طرح کی باتیں کیا
کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے میں اور مشرق وسطیٰ میں جو لوگ آپ کو نہیں
جانتے تھے وہ بھی جاننے لگے۔ اور اس طرح خدا نے آپ کو گمنامی کی تاریکیوں سے نکال کر بہت جلد شہرت
کی روشنی میں لے آیا اس کے علاوہ یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ جس چیز سے اسے منع کیا جائے اس
کے لئے اسکا تجسس اور اشتیاق اور بھی بڑھ جاتا ہے لوگ اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ
وہ خود بھی تو دیکھیں اور معلوم کریں کہ ایسا کون سا جادوگر ہے اور اس طرح آپ زیادہ سے زیادہ
لوگوں سے متعارف بھی ہونے لگے اور اسطرح جس قدر آپ کے خلاف پروپیگنڈہ بڑھتا گیا اسی
قدر لوگوں میں تجسس بھی بڑھتا گیا اور آپ سے متعارف ہونے کے بعد جب لوگوں نے آپ کو
نہایت سنجیدہ، فراخ دل، سچا، خلیق اور ہمدرد بے مثال پاکیزہ خیال اور صالح پایا اور دیکھا
کہ آپ کے بلند اور پاکیزہ کلام اور آپ کی تعلیم اسلام کے اثر سے مسلمانوں کی زندگیاں سنور
گئی ہیں۔ اور ان کے معاشرہ کی کایا ہی پلٹ گئی ہے تو وہی بدنامی اب نیک نامی میں بدلنی
شروع ہو گئی تاریخوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ہجرت کے زمانہ تک عرب کے
علاقوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں رہ گیا تھا جس کا کم سے کم ایک فرد اسلام قبول نہ کر چکا ہو

آج سے چودہ سو سال پہلے ہی جن حقائق سے پردہ اٹھایا ہے انھیں آیات کریمہ میں اس طرح ظاہر کیا ہے " وَ
هُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ " وہ وہی ایسا (قادر)
ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا (یہ) سب کے سب اپنے اپنے مدار پر تیزی کے
ساتھ گھومتے رہتے ہیں ۔ (۲۱ - ۳۳)

اس طرح ذیل کی آیات میں قوت جاذبہ اور سیاروں کی کشش کو ایسے ستونوں سے تشبیہ
دی گئی ہے جن کے سہارے پر یہ قائم ہیں۔ جنکو ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں (یہ قوت جاذبہ ستون ایسے
نہیں ہیں جنکو ہم عموماً دیکھتے ہیں) اَللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ اللہ ایسا صاحب قدرت ہے کہ اس نے آسمانوں کو
بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کھڑا کر دیا۔ پھر عرش (تمام کائنات پر) غالب آیا اور سورج
اور چاند کو مسخر (اپنے احکام کا) پابند بنا دیا ہے۔ (۱۳ - ۲)

آیات قرآنی جس " عالمی قوت جاذبہ UNIVERSAL GRAVITY کیطرف اشارہ
کر رہی ہیں اس پر سب سے پہلے نیوٹن نے غور کیا تھا اور وہ بڑی تحقیق و تجسس کے بعد اس نظریہ
کو حل کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا اس نظریہ کی رو سے کسی گول یا کروی شے کی قوت جاذبہ اس کے ہر نقطہ پر وہی
ہوگی جو اس کے مرکز پر ہوگی نیوٹن اس عالمی قوت جاذبہ کو علم ریاضی اور فزکس کے فارمولوں سے ثابت
کر کے ایک مشہور عالم سائنسداں بن گیا اور اس نظریہ کا موجد قرار پا گیا جبکہ مندرجہ بالا آیات مقدسہ
چودہ سو سال پہلے اشارہ کر چکی ہیں کہ رہتا ہے چاند اور سورج خلاؤں میں اپنے مقررہ مدار پر ایک مقررہ
رفتار سے باہم ایکدوسرے سے قوت جاذبہ (کے ستونوں کے سہارے) گردش کر رہے ہیں۔ اور یہ
قوت جاذبہ کے ستون ایسے ستون نہیں ہیں جنکو تم دیکھا کرتے ہو۔ اسی قوت جاذبہ کے تحت یہ اجرام فلکی
ایک دوسرے سے ایک مقررہ فاصلہ قائم کئے ہوئے گردش کر رہے ہیں نہ قریب آسکتے ہیں نہ ٹکراتے ہیں۔
اور نہ انمیں کسی قسم کی بے ترتیبی دیکھنے میں آئی ہے۔ اور قرآن کریم نے اسکے استحکام کیطرف مندرجہ ذیل
آیت میں اشارہ کیا ہے " هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۝ وہ وہی ہے جس نے آسمانوں
اور زمین کو حکیمانہ پختگی کے ساتھ پیدا کیا۔ (۶ - ۷۳) کب پیدا ہوئی یہ کائنات کچھ معلوم نہیں۔ شاید کھربوں
سال پہلے کچھ پتہ نہیں۔"

آج کے جدید سائنسی دور میں دانشوروں اور منجموں نے طاقتور دوربینوں کی مدد سے آسمان کے
نیلے رنگ کا راز بھی معلوم کر لیا ہے کہ قدرت نے کائنات کی خلاؤں کو ایک نہایت ہی لطیف گیس ایتھر
ETHER سے پر کر رکھا ہے جو بہت ہی ہلکی اور بے رنگ ہے مگر دور حد نگاہ سے یہ نیلا رنگ اسی گیس کا
ردعمل REACTION ہے ایتھر ہی کی مدد سے کائنات صاف اور بے رنگ معلوم ہوتی ہے۔ سیاروں کی
روشنی ہماری زمین پر دکھلائی دیتی ہے یا اجرام فلکی کی قوت جاذبہ پر کسی حالت میں مخل نہیں ہوتی اور
اب انکشاف ہے کہ چمکتی ہوئی مچھلیاں ہیں جو نیلگوں سمندر میں تیر رہی ہیں یہ گیس اس قدر سبک ہے کہ

پھر جب کبھی دشمنانِ اسلام نے جنگوں کے ذریعے سے اسلام کو مٹانے کی کوششیں کیں مگر رسول کے ہاتھوں جو اسلامی جماعت تیار ہوئی تھی ان کے نظم و ضبط، شجاعت اور جذبۂ جہاد کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق اور تواضع نے سب پر اپنی برتری قائم کر لی اور اس طرح سارے جزیرہ نمائے عرب نے اسلام قبول کر لیا اور دس سال کے اندر ہی اندر اسلام کا اتنا ذکر بلند ہو گیا کہ وہی عرب جہاں آپ بدنام کئے جا رہے تھے اور جس جگہ کا ذرہ ذرہ اور مخالفین نے آپ کو مٹا دینے کی پوری کوششیں کی تھیں اسی عرب کا گوشہ گوشہ اب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔

بشارتِ کوثر۔

اس بات کا ذکر پہلے ہی آ چکا ہے کہ نبوت کا ابتدائی دور رسول پر کس قدر مشکلات اور بدترین شدائد میں گزر رہا تھا اور ہر طرف دشمنانِ اسلام تبلیغِ حق اور دینِ اسلام کے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ رسول اور معدودے چند مسلمانوں کو دور دور تک کہیں کامیابی اور سکون کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور ایسے ہی نازک وقت میں سورۂ کوثر کا نزول آپکی دلبستگی اور سکون کا باعث بنا تھا اس سورہ میں صرف آپ کو تسلی ہی دی گئی ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ آپ کے دشمنوں کی بربادی کی بھی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ خدا کے حکم سے رسول نے جس وقت سے دعوتِ اسلام دینی شروع کی تھی۔ قریش کے کفار اسی وقت سے الگ ہو گئے تھے اور آپ کو تنہا چھوڑ کر ایک سوشل بائیکاٹ کر رہے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ محمدؐ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے الگ ہو گئے ہیں جیسے کوئی درخت جو اپنی جڑ سے کٹ کر دھیرے دھیرے زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتا ہے مکہ کے سردار عاص بن وائل رسول کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ یہ تو ابتر (جڑ کٹے) آدمی ہیں انکی کوئی اولاد نرینہ بھی نہیں ہے اور جب یہ مر جائیں گے تو انکا کوئی نام لیوا بھی نہیں رہ جائے گا اسی زمانہ میں سورۂ کوثر میں رسول سے ارشادِ پروردگار ہوا کہ "اے رسول ابتر تم نہیں ہو بلکہ تمہارے دشمن ہی ابتر ہیں"۔ یہ کوئی جوابی حملہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک بھی پیشین گوئی تھی جو حرف بحرف صادق آئی اگرچہ وہ وقت ایسا تھا جب رسول اسوقت تنہا اور گنتی کے مسلمان بدترین اقلیت میں اور پریشان حال تھے اور کوئی اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مکہ کے اہلِ قریش اور بڑے بڑے سردار کبھی برباد بھی ہو سکیں گے یہ لوگ صرف مکہ ہی میں نہیں بلکہ سارے عرب میں نامور اور بہت مشہور تھے جن کے پاس دولت اور عزت کی کوئی کمی نہیں تھی ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب مشرکین کا متحدہ لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا اور اس طرح وہ رسول اسلام اور دینِ اسلام کو جڑ سے ہی مٹا دینے کا عزم لے کر آئے تھے اور رسول کو مدینے کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی مگر پھر چند سالوں بعد ہی یہ پیشین گوئی اس طرح صادق آئی کہ ۸ھ میں جب مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کی تو ان مشرک سرداروں کا کوئی حامی و مددگار نہیں تھا اور انتہائی بے بسی اور ذلت کی حالت میں انھیں اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑے تھے اور پھر ایک سال کے اندر سارے عرب پر اسلام غالب ہو چکا تھا اور ملک کے کونے کونے سے لوگ آ کر مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے۔ اور اس طرح آپ کے دشمن بے یار و مددگار اور ابتر ہو کر رہ گئے تھے اور پھر اس کے بعد وہ اس طرح

بے نام و نشان ہو کر رہ گئے کہ آج اس کی اولاد میں بھی کوئی دکھلائی نہیں دیتا اور اگر کہیں کوئی ہوگا بھی تو وہ خود کو ابوجہل یا ابولہب جیسا کہلانا گوارہ نہیں کریگا اور شرمندہ ہو کر ایسی جسارت نہیں کر سکے گا۔ جبکہ آل رسول دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہے ہر جانب سے رسول اسلام اور آل رسول پر درود و سلام بھیجے جا رہے ہیں اور ہر طرف علوی، رضوی، زیدی اور نقوی وغیرہ آل رسول کی اولاد ہونے پر فخر کر رہے ہیں۔

۶۔ اسی سلسلے کی

ایک پیشین گوئی کا اختصار کے ساتھ حوالہ دیتا چلوں کہ آپ کے مکہ چھوٹ جانے اور وہاں سے نکل جانے کے ساتھ ساتھ وطن سے دوری آپ پر بہت گراں گذر رہی تھی اور ایسے وقت میں خداوند کریم نے بزبان وحی "سورہ قصص کی آیت ۸۵" میں تسلی دینے کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ "اے رسول جس خدا نے قرآن کی تلاوت تم پر واجب کی ہے وہی تم کو تمہارے وطن واپس لے گا (قصص۔ ۸۵) اور اس طرح فتح مکہ کے ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی سچ ہو کر سامنے آگئی تھی۔

۷۔ ابولہب کے انجام بد کی پیشین گوئی:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ۔ ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ" (۱۱۱-۱)

قرآن عظیم کی اس آیت میں ابولہب کے برے انجام کی خبر دی گئی ہے جسکی آنے والے زمانے نے حرف بحرف ترجمانی کی ہے اس آیت کا انداز بیان ایسا ہے گویا یہ بات اتنی ہی یقینی ہے گویا اسکا یہ انجام ہو چکا ہاتھ ٹوٹنے سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے مقصد میں قطعی ناکام رہا اور نامراد بھی اس طرح ہوا کہ آخری وقت میں اسکا کوئی ہمدم اور ہمدرد نہیں تھا۔ اور وہ بڑی ہی کسمپرسی کی حالت میں مر گیا۔ ابولہب نے اسلام کو زیر کرنے اور زک دینے کیلئے اپنا سارا زور لگا ڈالا تھا مگر اس سورہ کے نازل ہونے کے سات آٹھ سال بعد ہی جنگ بدر میں مکہ کے بڑے بڑے مشرک سردار جو ابولہب کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے سب کے سب مارے جا چکے تھے پھر جب شکست فاش کے ساتھ ساتھ ان سب کے مارے جانے کی خبر مکہ پہونچی تو ابولہب کو اتنا رنج اور دلی صدمہ ہوا کہ وہ اسی غم میں سات روز کے اندر ہی جہنم واصل ہو گیا۔ اس کی موت بھی بڑی عبرتناک تھی اسے عدسہ MALINGNANT PUSTULA کی خطرناک بیماری ہو گئی تھی۔ اور اس طرح اس پر بلا اپنے پرائے کا لحاظ کئے ہوئے ہر ایک کو جان سے مارنے اور نقصان پہونچانے کی خباثت چھا گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے خاندان والے بھی اس سے نفرت کرنے لگے تھے اور قریب نہیں جاتے تھے مرنے کے بعد بھی اس کی لاش تین دنوں تک پڑی رہی اور کوئی اس کے پاس نہیں گیا یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور جب اسمیں سے بدبو پھیلنے لگی اور لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دینے شروع کئے تو ان لوگوں نے کرایہ کے حبشیوں کو لگا کر اس کی لاش لکڑیوں سے اٹھوا کر ایک گڈھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی اور پتھر سے بند کر دیا تھا اس پر فتح مکہ بھی اس طرح سے ہوئی کہ سب سے پہلے اس کی لڑکی درہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا کر رسول کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی اور فتح مکہ کے دن اس کے دونوں بیٹوں عتبہ اور

عقب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

۸. نعش فرعون کیلئے پیشین گوئی:

قرآن حکیم میں اسی طرح ایک پیشین گوئی نعش فرعون کے سلسلے میں کی گئی ہے جو آج بھی قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے اور جس کو دیکھنے کے بعد قرآن حکیم کو کتاب آسمانی ہونے کی اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل مل جاتی ہے۔ فرعون اور حضرت موسیٰ کے واقعات کے سلسلے میں بعض باتیں مبہم سی تھیں اور ساری باتیں دیو مالاؤں کی کہانیوں جیسی بن کر رہ گئی تھیں لیکن اب تاریخوں سے اور ان نشانات اور آثار قدیمہ کے کتبوں اور حوالوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش جس فرعون کے زمانہ میں ہوئی تھی اسکا نام رامیسس دوم RAMESES II تھا اور وہ فرعون جو حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے نتیجے میں بحر قلزم میں غرقاب ہو گیا تھا وہ رامیسس دوم کا جانشین میر نفتاح MER MEFTAH تھا۔ فرعون اس وقت مصر کے ہر قبطی بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسے چین کے بادشاہوں کے لئے خاقان چین یا روم کے بادشاہوں کے لئے قیصر روم وغیرہ وغیرہ القاب تھے۔

قصہ مختصر جب حضرت موسیٰ کو خدا کا حکم ملا تھا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل کر جاؤ اور رہبری بھی شام کی طرف چلے جاؤ اور آپ بنی اسرائیل کو لے کر صبح ہوتے ہوتے دریائے قلزم کے کنارے پر پہنچ بھی گئے کہ عین اسی وقت فرعون اپنی دس لاکھ فوج کے ہمراہ بنی اسرائیل کا پیچھا کرتا ہوا پہنچ گیا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل بہت پریشان اور سراسیمہ ہو گئے تھے ان کے آگے موجیں مارتا ہوا سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا دس لاکھ کا لشکر اور ایسے وقت میں جبکہ ان کے آگے بھی موت تھی اور پیچھے بھی موت تھی ان میں سے اکثر حضرت موسیٰ اور خداوند کریم سے بدظن ہو کر کہہ رہے تھے کہ اے موسیٰ آج تو تم نے ہم کو مروا ہی ڈالا تو حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور ہمارا خدا ہم کو ضرور بچائے گا۔ اسی وقت وحی الٰہی ہوئی کہ موسیٰ اپنا عصا دریا پر مارو تو تمہارے واسطے راستے کھل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے پانی پر اپنا عصا مارا تو سمندر میں بارہ بالکل خشک راستے اس طرح بن گئے کہ راستوں کے دونوں طرف پانی پہاڑ کی طرح بلند ہو کر ساکت ہو گیا اور موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر بحر قلزم کے پار اتر گئے۔ عین اسی وقت فرعون بھی اپنی فوجوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور انہیں راستوں سے گذر کر بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے لگا مگر جیوں ہی وہ لوگ بیچ سمندر میں پہنچے ویسے ہی پانی کی سطح برابر اور ہموار ہو گئی۔ اور فرعون اور اس کا سارا لشکر غرقاب ہو گیا ڈوبتے وقت فرعون کے الفاظ قرآن حکیم کی زبان میں کچھ اس طرح دہرائے گئے ہیں۔

"یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (یونس ۹۰-۱۰)

گو عذاب خدا نازل ہو چکنے کے بعد توبہ کر اب کام آسکتا ہے اور جبکہ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار حضرت موسیٰ سے ایمان لانے کا وعدہ کر کے مکر چکا تھا اور انجام کار وہ غرقاب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکو خدا کیطرف سے جواب ملا اس کا ذکر آگے کی آیت میں اسطرح آیا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ " سو ہم آج (تیری روح کو نہیں) تیرے بدن کو تہ نشین ہونے سے) بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت (کا باعث) ہو جا" (۹۲-۱۰)

یہی وہ پیشین گوئی ہے جو آج بھی دنیا کے ہر خاص و عام کو درس عبرت دینے کے ساتھ ساتھ کلام پاک کے کتاب آسمانی ہونے کی دلیل پیش کر رہی ہے۔ قرآن حکیم نے یہ پیشین گوئی آج سے چودہ سو سال پہلے کی تھی جبکہ میرنفتاح (فرعون) کی ممی کی دریافت مشکل سے سو سال پہلے ۱۸۹۸ میں ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے کسی کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دور موسیٰ کے اس فرعون کی لاش محفوظ بھی ہے یا نہیں اور اکثر لوگ اس تین ہزار سال پرانے واقعہ کی تفصیل جانتے بھی نہیں تھے یہ ایسے حقائق کا انکشاف ہوا جس نے منکرین قرآن کی تشکیک میں ایک اور مستحکم اور مضبوط دلیل پیش کی ہے۔ ابھی ۱۹۰۷ء کی ہی بات ہے جب آثار قدیمہ کے دانشوروں کو میرنفتاح کی ممی دستیاب ہوئی ہے اور اہرام کے کتبوں سے اس بات کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میرنفتاح (فرعون) کا تابوت کھولنے پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ یہ وہی فرعون ہے جو غرقاب ہوا تھا مگر اس کی لاش غرقابی کے ان اثرات سے محفوظ ہے جو عموماً زیادہ عرصہ تک تہ نشین رہنے کے بعد لاش میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ سر گرافٹن ایلیٹ اسمتھ نے جب اس کی ممی پر سے پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی۔ جو اس کے سمندر کے کھارے پانی میں ڈوب جانے کی ایک پختہ دلیل ہے مگر وہ لاش زیادہ دیر تک تہ نشین نہیں رہی آج بھی وہ مقام خاکنائے سیناء کے مغربی ساحل سمندر پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش تیرتی ہوئی پائی گئی تھی اور جسکو آج بھی "جبل فرعون" کہتے ہیں اور اسی کے قریب گرم پانی کا ایک چشمہ بھی ہے جسے یہاں کے مقامی لوگ "حمام فرعون" کہتے ہیں اور فرعون کی لاش اسی جگہ ساحل پر تیرتی ہوئی پائی گئی تھی جسے قدرت الٰہی نے غرقابی کے بعد تہ نشین ہونے سے بچا لیا تھا۔

"اور ہم تو سبق آموز اور عبرت انگیز نشانیاں دکھلاتے ہی جائیں گے اگرچہ اکثر انسانوں کا یہ حال ہے کہ کسی بڑی سے بڑی عبرتناک نشانی کو دیکھ کر بھی انکی آنکھیں نہیں کھلتیں۔"

(قرآن حکیم)

بنی اسرائیل (قوم یہود) کیلئے پیشین گوئی

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ " اور ہم نے بنی اسرائیل

کو کتاب (تورات) دی اور نبوت و حکومت عطا کی اور انھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور ان
کو سارے جہاں پر فضیلت دی" (۴۵-۱۶)

قرآن جگہ جگہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ قوم بنی اسرائیل پر لگاتار خدا کی عنایات ہوتی رہیں ان کی رہنمائی کے لئے لگاتار انبیاء اور پیغمبر آتے رہے ہیں خدا نے انھیں بہت بڑی عظیم الشان حکومتیں عطا کیں مگر وہ کبھی متحد ہو کر اور ایک خدا کے ہو کر نہیں رہ سکے کبھی تو انھیں ستاروں نے بہکایا کبھی سامری نے تو کبھی شیطان طوطون نے اور اس طرح ان کے آپس کے اختلافات اور جھگڑے کبھی بھی نہیں ختم ہو سکے۔ جیسا کہ آگے چل کر قرآن میں اسطرح ذکر آتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰھُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ "اور ان کو دین کی کھلی ہوئی دلیلیں عنایت کیں تو ان لوگوں نے علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا" (۴۵-۱۷)

بنی اسرائیل پر خدا کے احسانات اور ان احسانات کے بدلے میں ان کا ناشکرانہ جاہلانہ احسان فراموشی کا رویہ اسوقت واضح ہو سکتا ہے جب قرآن پاک میں اس قوم سے متعلق واقعات کو پڑھا جائے کہیں سے قرآن کا ایک ایک صفحہ بھرا ہوا ہے کہ یہ قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے باربار خدا کی ناراضگی کا سبب بنتی رہی ہے مگر ان سب کے باوجود نہ تو یہ قوم کبھی دل سے ایمان لاسکی اور نہ خالص ایک خدا کی ہو سکی اور ہر طرح سے آزمالینے کے بعد خدا نے آیات قرآنی کے ذریعہ اس قوم کے تاقیامت ذلت اور رسوائی کی زندگی کی پیشین گوئی کر دی۔

"وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ" اور جب اعلان کر دیا تمہارے رب نے کہ وہ تاقیامت ان پر کسی ایسے کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب دے گا (۷-۱۶۷)

یہ پیشین گوئی قوم یہود کے کسی فرد واحد کے لئے نہیں ہے بلکہ ساری قوم کے لئے کی گئی ہے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ کبھی تو بخت نصر نے تاراج اور ملک بدر کیا کبھی عیسائیوں نے تو کبھی مسلمانوں نے اور اسطرح یہ تاقیامت ذلیل و خوار ہوتی رہے گی۔ اور آیات قرآنی اسی طرح انشاءاللہ صادق آتی رہے گی۔ موجودہ کی طرح اس سے پہلے بھی دنیا کی دوسری قوموں کی بار بار عمر ان رہے چلے ہیں کبھی ان کے لئے بستیاں بسائی گئیں کبھی ان کی ایک الگ ریاست بنادی گئی مگر برابر یہ قوم مجرم رہی ہے اور مجرم رہے گی موجودہ زمانہ میں بھی اسکی مثال ریاست "اسرائیل" سے دی جا سکتی ہے۔
قرآن پاک کی زبان میں

"ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ" "ان پر ذلت تھوپ دی گئی جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں بجز اس کے کہ کہیں اللہ کے عہد سے اور انسانوں

کیونکہ یہ تعمتوں کی ناشکری کرتے تھے، غرضیکہ پھر پھر کر اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے خدا کے غضب میں پڑ گئے اور ان پر محتاجی (خانماں بربادی) کی مار پڑی" (۳-۱۱۲)

اور اس طرح ذلت و رسوائی کہیں اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتی اپنی بد اعمالیوں، شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں کے نتیجہ میں ہمیشہ جنگوں اور قتل و غارت میں ملوث رہتے ہیں۔ اور کہیں بھی سکون کے ساتھ نہیں رہ پاتے ان کو قتل و غارت کیا جاتا رہا ہے تاریخیں اس بات کی گواہ ہیں کہ کبھی بھی دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ سے کوئی نہ کوئی طاقت ابھرتی رہتی ہے جو یہودیوں کو قتل اور ملک بدر کرتی رہتی ہے مگر خدا کے دیئے ہوئے امان کے سایہ میں اور سہاروں پر یہ قوم زندہ ہے اور یا تو پھر دوسری قوموں کے حمایت میں آجانے کی وجہ سے!!

موجودہ صدی میں بھی یہ قوم ایڈولف ہٹلر کی جرمنی کے قہر و غضب کا شکار ہو چکی ہے جنہوں نے ان کا قتل عام کر کے اپنی نمک حرامی کے نتیجے میں انکو ملک بدر کر دیا تھا۔ اور یہ قوم جان بچانے کی غرض سے یورپ کے بہت سے دوسرے ممالک میں منتشر ہو گئی تھی اور آخر کار امریکہ اور برطانیہ نے مل کر مسلمانوں کے سینے پر ایک ریاست "اسرائیل" بنا کر اس ناحق قوم کو مسلط کر دیا ہے اور یہ قوم پھر اپنی عادتوں سے مجبور ہو کر اور ایک بار پھر خدا کے قہر کا نشانہ ہونے کے لئے پھر فتنہ پردازیوں میں اور مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں مشغول ہے اور اس کو امریکہ برطانیہ اور دوسری یورپی ریاستوں کی پشت پناہی حاصل ہے اور جس روز یہ پشت پناہی ہٹ جائے گی یا خدا کا حکم نافذ ہو جائے گا اسی روز یہ اپنا انجام بھی دیکھ لینگے۔ شاید خدا کا ارادہ اس قوم کو بالکل فنا کر دینے کا نہیں ہے ورنہ دوسری معذوب قوموں کیطرح یہ قوم بھی کب کی فنا ہو چکی ہوتی اور شاید خالق مطلق اس قوم کو ایک نمونہ عبرت بنا کر تا قیامت باقی رکھنا چاہتا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ خدا نے انکو اسی رسوائی اور ذلت کے ساتھ تا قیامت باقی رہنے کا انتظام کر دیا ہے۔

۱۰۔ مستقبل کی سواریوں کی پیشین گوئی:

قرآن پاک میں ارشاد ربی ہے کہ ہم نے انسان کو خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں۔ سواریوں کی نوازش خداوند کریم کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے جن کے ذریعہ اور وسیلے سے انسان اپنی ضروریات اور تجارت کے سلسلے میں اپنے لمبے لمبے زمینی اور دریائی سفر کرتا آ رہا ہے اگر سواریاں نہ ہوتیں تو اس کے لئے اپنے مال اور سامان کے ساتھ دور دراز کے سفر کرنا ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن حکیم میں کی گئی پیشین گوئیوں کے سلسلے میں انسان کی سواری کے متعلق ایک آیت پیش کرنے کے بعد اس عنوان کو یہیں پر ختم کرتا ہوں۔

"وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ"

اور اس نے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور آئندہ بھی ایسی سواریاں پیدا کرے گا جنکو تم نہیں جانتے (۱۶-۸)

انسان کے ارتقائی اور جغرافیائی حالات کے تحت پہلی کی سواریوں میں اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، گدھوں کے ساتھ ڈولیوں اور پالکیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اور ان سواریوں کو انسان اپنے مراتب، درجات اور حیثیت کے لحاظ سے استعمال کرتا تھا انسان جیسے جیسے علوم حاصل کرتا اور سائنس کے میدان میں بڑھتا رہا ویسے ویسے اس کی سواریوں کی شکلوں میں بھی اصلاح اور جدت ہوتی رہی سب سے پہلے پہیوں کو گول کاٹ کر پہیاں بنائی گئیں پھر لکڑی کی اور اس طرح طرح طرح کی گاڑیاں اور سواریاں تیار ہونے لگیں یعنی اونٹ گاڑیوں، بیل گاڑیوں، رتھوں اور بگھیوں کا زمانہ آگیا جنہیں انسان اپنے رتبوں اور مراتب کے لحاظ سے استعمال کیا کرتا تھا۔ نزول قرآن کے زمانہ میں بہت ہی محدود قسم کی سواریاں تھیں اور خصوصاً جزیرہ نمائے عرب میں جہاں نہ سڑکیں تھیں نہ میدانی علاقے تھے اور ہر طرف ریگزار، پتھریلی چٹانیں اور میلوں پھیلے ہوئے سنگلاخ میدان اور پہاڑی سلسلے تھے ایسی جگہ پر اونٹ خچر اور گدھوں کی سواریاں کا ہی عام رواج تھا اور یا پھر گھوڑے تھے جو جنگی سواری ہونے کی وجہ سے محض ذی حیثیت اور اہل ثروت لوگوں تک ہی محدود تھے۔ اسوقت کے دریائی سفر بھی بڑی بڑی کشتیوں اور بادبانوں پر کئے جاتے تھے جو سست رفتاری کے ساتھ ساتھ پر خطر بھی تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کا خصوصاً وہ علاقہ جو سعودی عرب کہلاتا ہے اس قدر خشک اور صحرائی ہے کہ وہاں نام کے لئے بھی ایک دریا نہیں ہے ان دنوں عرب کے صحرا نشین اپنے تجارتی سفر اونٹوں کے قافلے بنا کر دور دراز تک پھیلے ہوئے ریگستانوں سے ہوا کرتے تھے۔ یہ سفر ان کے لئے اکثر بڑے ہی پر خطر جان لیوا بھی ثابت ہوتے تھے۔

قرآن حکیم کی یہ پیشین گوئی جو آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی تھی اسوقت عرب تو کیا دنیا کا مہذب سے مہذب اور ترقی یافتہ ملک میں بھی جانوروں اور انسانوں سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ کوئی سواری نہیں جانتا تھا اور آج کے اس موجودہ دور میں خود کار سواریوں، مشینوں اور بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کو چلتا دیکھ کر یہ پیشین گوئی سچ ہو کر سامنے آگئی ہے۔ آج ریل گاڑیاں موٹر کاریں، ہوائی جہاز، تیز رفتار پانی کے جہاز خلاؤں میں اڑنے والے راکٹ اور خلائی گاڑیاں اور نہ جانے کیسی کیسی سواریاں وجود میں آچکی ہیں اور ان سواریوں میں ہر گھڑی نت نئے اصلاح اور ترقی ہو رہی ہے مہینوں کے سفر گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہو رہے ہیں اور ان سواریوں میں نت نئی آرام اور سہولتوں کے سامان مہیا کئے جا رہے ہیں اور اسطرح قرآن حکیم کی یہ پیشین گوئی بھی صادق آرہی ہے۔

قرآن حکیم ایک خزینہ علم ہے، انمول جواہرات سے چھلکتا ہوا گراں علمی پاروں کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور ان جواہرات کو پرکھنے کے لئے دیدہ بینائی! متجسس متلاشی اس طرح کہ ان سے اپنی بساط علم اور رسائی عقل کے مطابق حاصل کر ہی لیتے ہیں

امم سابقہ کی تباہی کے آثار

جس طرح خداوند رحیم و کریم نے اس کائنات کی تخلیق کرنے کے بعد اس کے استحکام کا بھروسہ مند انتظام کیا اسی طرح زمین پر انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے عقل سلیم دینے اور ذی فہم بنانے کے ساتھ ساتھ اس کی رہبری کا بھی خاطر خواہ اہتمام کیا اور وقت پر انبیاء اور آسمانی صحیفوں کے ذریعہ سے انکی تربیت اور اصلاح کرتا رہا تاکہ قوموں کے لئے بہترین معاشرہ کی تشکیل ہو سکے اور انکی بہبودی اور بہترین زندگی کے طریقے فراہم ہو سکیں انسان کو صراط مستقیم پر رہبری کرنے کے لئے، امر بالمعروف کی تعلیم دینے کے لئے اور نہی عن المنکر سے پرہیز کرنے کی ہدایتیں دیتے رہنے کے لئے خدا نے انبیاء اور پیغمبر بھیجے جنہوں نے رہبری اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنی عملی زندگی کے بہترین نمونے بھی پیش کئے اور اسطرح دنیا کبھی خلیفہ خدا اور امام برحق سے خالی نہیں رہی جو کبھی تو بظاہر اور کبھی غائبانہ معاشرہ کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اسی طرح قرآن بھی تعلیمات الٰہی کی آخری کتاب ہے جو تاقیامت بنی نوع انسان کی رہبر ہے۔

قرآن مقدس ایک مکمل دستور العمل ہے قرآن مقدس ایک صحیفۂ نجات ہے جو دین فطرت و دین حق پر چلنے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے بزبان وحی رسول اسلام حضرت محمدؐ پر ۲۳ برس ۵ مہینوں اور ۱۵ دنوں تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن حکیم میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی انسان کو اسکی زندگی میں ضرورت پڑ سکتی ہے اور ہر ذی عقل ان تعلیمات سے مستفیض ہوتا آیا ہے

زمانہ ماضی کی تاریخوں اور آثار قدیمہ کے کھنڈرات اور رہائشی نشانات کے دیکھنے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قومیں جنہوں نے ان آسمانی ہدایات سے انحراف کیا اور جو اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر غلط راستوں پر گامزن رہیں اور ساتھ ساتھ ظلم و جبر کی مرتکب ہوتی رہیں تو پھر آخر کار دین فطرت کے خلاف عمل کرنے کے نتیجے میں فنا کی تاریکیوں میں ہمیشہ کے لئے چلی گئیں۔ یہ وہی قومیں ہیں جن کے کھنڈرات اور آثار آج بھی عبرت نشان بنے ہوئے ہیں اور جنکی طرف آیات قرآن نے اشارہ کر کے ان عرب کے جاہل اور ناخواندہ لوگوں کو توبہ کرنے اور راہ راست پر گامزن ہونے کی تاکید کی ہے۔

"قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ"

تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں پس ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ (اپنے اپنے وقت کے پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ یہ جو ہم نے کہا) عام لوگوں کے لئے

تو صرف بیان واقعہ ہے مگر پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے" (۳: ۱۳۷-۱۳۸)

خدائے واحد و لاشریک جو ہم سب کا خالق اور بڑا مہربان ہے اور جس نے ہمارے آرام کے اور پرسکون زندگی گذارنے کے سارے سامان فراہم کئے ہیں۔ اگر وہ قومیں جو خدا کے ان بیش بہا اور قیمتی عطیات سے لطف اندوز ہوتی رہیں اگر ان نعمت کے ساتھ ساتھ خود سر، عیاش اور ظالم بھی ہو گئیں انھیں کے باز لوگ یا تو خود خدا بن بیٹھے اور یا تو پھر اپنے بنائے ہوئے خداؤں کی اپنے زیر دستوں سے عبادت کرانے لگے۔ اس کے بعد بھی خداوند صبیر و رحیم نے انکی اصلاح کے لئے انھیں میں سے انبیاء اور پیغمبر مبعوث کئے جنکی ان کافر قوموں نے تکذیب بھی کی اور انکو مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دیں اور پھر آخرکار انکی اصلاح کی کوئی امید نہ دیکھ کر خالق مطلق نے اپنا عذاب نازل کر کے انھیں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

قانون فطرت بھی یہی ہے کہ جب کسی قوم نے دست ظلم دراز کئے اور راہ حق سے بغاوت کی وہ بالآخر آخرکار مغلوب ہو کر رہ گئے اور بغاوتیں نیز انکے بیرونی سلسلے کچل دی گئیں اور اس طرح یہ قومیں اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں خود ہی ہلاک ہو گئیں اور خداوند عالم نے کسی قوم پر حجت تمام کئے بغیر اپنا عذاب نازل نہیں کیا جیسا کہ آیۂ مبارکہ میں فرمایا ہے

"أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ
إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ
فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" کیا ان منافقوں
کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہونچی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور
ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح
دلائل (روشن معجزے) لے کر گئے تو وہ مبتلائے عذاب ہوئے اور خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا مگر یہ
لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے" (۹: ۷۰)

اس عنوان سے متعلق آیات میں سے کچھ کا ذکر کرنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ جن قوموں نے دنیا کو محض ایک تماشہ گاہ اور عشرت کدہ سمجھ کر بدمستی اور خود سری سے چلے۔ اپنے زیر دستوں خصوصاً کمزوروں پر بے دردی سے اپنی برتری دکھائی خدائے وحدہ لاشریک کو بھول کر شرک اور کفر کا راستہ اختیار کیا اپنا اجبار کی ہیبت کے منحوس ڈنکے بجائے ان کا کیا برا انجام ہوا اور آج محض ان کی یادگاریں ہی کھنڈرات کی شکل میں باقی رہ گئی ہیں جو آنے والی قوموں کو درس عبرت دے رہی ہیں اس سلسلے کی ایک مختصر سی آگاہی حاصل کر لینے کے بعد آئیے اب ان معذوب قوموں میں سے کچھ کا اجمالی جائزہ لیں جنکا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے یہ خبریں آج سے چودہ سو سال قبل عرب جیسے تاریک اور علم سے بے بہرہ ملک کو دی گئی ہیں جو ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے اور اگر ان کو کچھ علم بھی تھا تو وہ بھی محض لوک کہانیوں اور بے جان قصوں تک ہی محدود تھا۔ اس عنوان کے تحت انھیں قوموں کا ذکر کیا گیا ہے جنکے نشانات آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔

۱۔ قوم نوح

حضرت نوحؑ کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں اس طوفان (سیلاب) کا ذکر مصر، یونان، ہندوستان اور چین کے علاوہ برما، ملایا سے لے کر یورپ اور امریکہ کے قدیم لٹریچر اور تاریخ میں بھی ملتا ہے جس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ طوفان اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب نسل انسانی ایک ہی خطہ زمین پر آباد تھی اور اس طوفان سے بچے ہوئے اہل ایمان اور حضرت نوحؑ پر یقین رکھنے والے انسان بعد میں وہاں سے نکل کر دنیا کے دوسرے حصوں میں پھیل گئے تھے اور اسطرح اس طوفان کی داستان بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اسی وجہ کر ساری دنیا میں اس عظیم طوفان کا ذکر ہر جگہ ملتا ہے قرآن حکیم کے اشارات اور بابل کے آثار قدیمہ میں پائے گئے کتبوں سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ قوم نوح اسی سرزمین پر آباد تھی جسکو ہم عراق کے نام سے جانتے ہیں۔ زمانہ ماسلف کے اثبات کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس قوم کا صحیح مسکن کوفہ اور موصل کے نواح میں تھا اس کے علاوہ ان روایات کے پیش نظر اس عظیم طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کی کشتی جس علاقہ میں ٹھہری تھی وہ آرمینیا اور کردستان کے درمیان کوہ ارارط پر واقع ہے اور اس پہاڑ کو جہاں یہ کشتی دیکھی گئی ہے کوہ جودی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت نوحؑ کے قصے کی جھلک اور اس کے آثار آج بھی کردستان اور آرمینیا کے قدیم کھنڈرات میں ملتے ہیں اور حضرت نوحؑ کی کشتی جودی کی جس چوٹی پر ٹھہری تھی اسکو بائبل میں ارارط کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو آرمینیا کے پہاڑی سلسلوں میں سے ایک ہے۔ ارسطو کا شاگرد ابیڈینو نس ABYDENUS اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ (اس کے زمانہ میں) اہل عراق اس کشتی کے ٹکڑوں کو محفوظ کر لیتے ہیں اور بیمار کو گھس کر پلاتے ہیں۔ کشتی نوح آج بھی ایک نشان عبرت ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے کہ "وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور اسے دنیا والوں کے لئے ایک نشان عبرت بنا کر رکھ دیا" (۲۵-۱۵)

حضرت نوحؑ کی قوم کے واقعات سے جو قرآن حکیم میں ملتے ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قوم ایک سرے سے کافر یا خدا کے وجود کی منکر نہیں تھی اور نہ خدا کے حقیقی سے مطلق لاعلم ہی تھی بلکہ انکی سب سے بڑی گمراہی ان کا شرک تھا اور وہ خدا کا شریک دوسری ہستیوں کو بھی مانتے تھے اور انکو اپنی عبادتوں میں خدا کا برابر کا شریک سمجھتے تھے ان کے یہاں مشرکوں کا ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو ان کے مذہبی سیاسی اور معاشی معاملات میں ساری قوم پر حاوی تھا اور عوام پر ہر طرح کے دباؤ ڈال کر اپنے مفاد کے کام کروایا کرتا تھا جس سے معاشرہ میں ہر طرح کی برائیاں پیدا ہو گئیں تھیں انکی اجتماعی زندگی ظلم و فساد اور فسق و فجور سے بھری ہوئی تھی اور ہر طرح کی اخلاقی کمزوری نے انسانیت کی جڑیں کمزور کر دی تھیں جسکا ذکر قرآن پاک میں اسطرح آیا ہے "وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا" ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر پھیلا رکھا تھا" (۷۱-۲۲) اور وہ یہ کہ اس قوم کے بڑے سرداروں اور پیشواؤں کا وہ فریب تھا جس سے وہ عوام کو حضرت نوحؑ کی تعلیمات کے خلاف بہکایا کرتے تھے اور جتایا کرتے تھے کہ یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں اور ان پر وحی نازل ہوتی ہے" انکی تعلیمات کو محض گنتی کے کم تر لوگوں نے بلا سمجھے بوجھے قبول

ستاروں کی روشنی کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہم تک پہونچتی ہے ان خلاؤں اور فضاء بسیط میں اور بھی نہ جانے کون کون سی چیزیں ہوں گی جنکو ہم دیکھ ہی نہیں پارہے ہیں اور جنکو شاید ہم آئندہ دیکھ سکیں جیسا کہ آیات کریمہ میں آیا ہے "وَمَا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ" اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور انکے درمیان جو جو چیزیں ہیں ناحق پیدا نہیں کیا (۱۵-۸۵) ابھی تو ان خلاؤں میں کہکشائیں اور ستارے کچھ تھوڑی انسانی علم میں آسکے ہیں اور ابھی نہ جانے کیا کیا اس کائنات میں ہوگا جسکا کسی کو علم نہیں ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں آیا ہے "لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتیں خدا ہی سے متعلق ہیں۔ (۱۶-۷۷)

خالق ایسا عظیم ہے جس کو کسی چیز کے پیدا کرنے میں کسی قسم کا زور نہیں کرنا پڑتا ہے کسی چیز کے لئے اسکا صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے "فَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ" اور جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کیلئے صرف اتنا کہدیتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے (۲-۱۱۷) کائنات کی تخلیق کو دور حاضر کے سائنسداں جب جدید دوربینوں کی مدد سے دیکھتے ہیں انکی عقلیں حیران رہجاتی ہے اور انھیں قرآن کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک جدید معلومات اور پیش کرتا ہوں نپ چیون NEPTUNE سیارہ جو ہمارے نظام شمسی سے ہی متعلق ہے اور جو دیکھنے میں اتنا چھوٹا ہے کہ بڑی مشکلوں سے جدید اور طاقتور دوربینوں کی گرفت میں آسکتا ہے اس کے فاصلہ کا یہ عالم کہ اس کی روشنی ہماری زمین تک تین سو سال میں پہونچ پاتی ہے۔ جبکہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اسیطرح ہمارے نظام شمسی کا سب سے دور افتادہ اور آخری سیارہ پلوٹو PLUTO ہے جسکا فاصلہ ہماری دنیا سے تقریباً پچاس بلین میل ہے جسکے بعد پھر ہمارے سورج کی کشش ثقل بے اثر ہوکر ختم ہوجاتی ہے اور اسکے آگے دوسرے سیارے اور نظامات شمسی کا کائناتی نظام ہے جس کے سمجھنے اور دیکھنے کے لئے عقل انسان کے ساتھ ساتھ علمی استعداد بھی ناکافی ہے جوں جوں علمی معلومات میں اضافہ اور ترقی ہورہی ہے سائنسدانوں اور ماہر فلکیات کو ابتک بیشمار اجرام فلکی اور جھرمٹوں میں بعض کچھ کی معلومات ہوپائی ہیں یہ اجرام فلکی ہمارے نظام شمسی سے بہت دور دور فاصلوں پر واقع ہیں۔ بہت طاقتور دوربینوں کی مدد سے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کہکشاؤں اور ستاروں کے فاصلے ہماری دنیا سے جسقدر دور ہیں اس سے بھی زیادہ انکی آپس کی دوریاں بھی ہیں اور انکے یہ فاصلے خلائی سائنس کی زبان میں انٹر اسٹیلر اسپیس STELLER SPACE کہلاتے ہیں انمیں کا سب سے نزدیک ستارہ جو ہمارے نظام شمسی کے قریب دیکھا جاسکتا ہے اسکا فاصلہ بھی ہماری دنیا سے ۲۵ ٹریلین میل ہے اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے اگر کوئی راکٹ روشنی کی رفتار سے پرواز کرے اور پھر واپس آجائے تو اسکو چالیس سال لگ جائینگے جبکہ ان ستاروں کا آپس کا فاصلہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے تو پھر اس کائنات کی وسعتوں کا اندازہ لگا پانا ایک دشوار امر اور محض ناممکن تصور ہے ابھی تک تو یہ بھی معلوم نہیں ہوپایا ہے کہ اس کائنات میں کتنی کہکشائیں

کرلیا ہے۔ یا اگر خدا کو بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیجتا۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت نوح ان کی اصلاح کے لئے ایک زمانہ دراز تک اور بزبان قرآن ۹۵۰ برسوں تک کوشاں رہے مگر وہاں کے باشندے یا تو لوگوں کے بہکانے میں اس حد تک آ چکے تھے کہ ان پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہو سکی بلکہ لوگ آپ ہی کو مار ڈالنے کے درپے ہو گئے آپ کا دعوت حق و ایمان اور تبلیغ دین کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ لوگوں کے دروازہ دروازہ پر جاتے تھے اور بلند آواز میں فرماتے تھے کہ جانو کہو "لا الہ الا اللہ" تاکہ رستگاری پاؤ اور تم پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ مگر ہر طرف سے پریشان و لاچار ہو کر جب کسی کو تنہا پاتے تھے تو اس کے کان کے پاس اپنا منہ لے جا کر ایمان لانے کی تبلیغ دیتے تھے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ آپ کے سامنے سے گذرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے اور منہ چھپا کر کترا کر نکل جاتے تھے کہ کہیں پھر کچھ نہ کہیں۔ قرآن حکیم میں کئی جگہ اس طویل کشمکش کا ذکر آیا ہے کہ حضرت نوح صدیوں تک ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے۔ سورۂ عنکبوت میں آیا ہے کہ یہ کشمکش ساڑھے نو سو سال تک جاری رہی۔ حضرت نوح نے ان کی اجتماعی روش سے بالآخر یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے اندر حقیقتوں اور سچائیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں ہے بلکہ یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ ان کی نسل میں آئندہ بھی کسی صلح اور ایمان کے پیدا ہونے کی امید نہیں ہے جیسا کہ آپ نے اپنی دعا میں فرمایا ہے

وقال نوح رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا ۝ انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرا كفارا ۝ اور نوح نے عرض کی پروردگار ان کافروں میں سے روئے زمین پر کسی کو بسا ہوا نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو انکو چھوڑ دے گا تو پھر تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بس گنہگار اور کافر ہی ہوگی۔ (٢٦-٢٧-٧١)

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی تائید کرتے ہوئے اپنا عذاب نازل کیا طوفان نوح سے متعلق سورۂ ہود کی آیات ۳۶ سے ۴۴ تک پڑھ لینے کے بعد اس ذکر کا خلاصہ معلوم ہو جاتا ہے جس کا صرف ترجمہ ہی لکھ دینا ہی کافی ہو گا۔

"اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں وہ لا چکے، ان کے سوا اب کوئی شخص تمہاری قوم سے ہرگز ایمان نہ لائیں گے تم خواہ مخواہ ان کی کارستانیوں کا غم نہ کھاؤ اور بسم اللہ کر کے ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے ہرگز سفارش نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ ضرور ڈبا دیئے جائیں گے۔ اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب کبھی ان کی قوم کے سر آوردہ لوگ ادھر سے گذرتے تھے تو ان سے مسخرہ پن کرتے تھے۔ نوح جواب دیتے تھے کہ اس وقت تم ہم سے مسخرہ پن کر لو اور جس طرح تم ہم پر ہنستے ہو اسی طرح ہم بھی تم پر ایک وقت ہنسیں گے اور تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور اسے رسوا کر دے اور کس پر قیامت میں دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب دروازے تک آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم

نے حکم دیا کہ (اے نوح) ہر قسم کے جانوروں میں سے (نر و مادہ) کا جوڑا (ا) اور جس کی بابت حکم پہلے
سے ہو چکا ہے ان کے سوا اپنے گھر والے اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان سب کو کشتی پر بٹھالو۔ اور
ان کے ساتھ ایمان بھی تھوڑے ہی لوگ لائے تھے اور نوح نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ بسم اللہ
(خدا ہی کے نام سے) اس کا بہاؤ اور ٹھہراؤ ہے کشتی میں سوار ہو جاؤ بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا اور
مہربان ہے اور کشتی ہے کہ پہاڑ جیسی اونچی اونچی لہروں میں ان لوگوں کو لے کر چلی جا رہی ہے
اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو ان سے الگ تھلگ ایک گوشے میں تھا آواز دی کہ اے میرے
فرزند (آ) ہماری کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ وہ بولا (مجھے معاف کیجئے)
میں ابھی تو پہاڑ کا سہارا پکڑتا ہوں جو مجھے پانی میں ڈوبنے سے بچا لیگا۔ نوح نے کہا (اے کم بخت)
آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر خدا ہی جس پر رحم فرمائے (یہ بات ہو ہی رہی
تھی) یکایک دونوں باپ بیٹے کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوب گیا اور جب (خدا
کی طرف سے) حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان (برسنے سے) تھم جا
اور پانی گھٹ گیا اور لوگوں کا کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری اور کہا گیا اور
طرف پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کو (خدا کی رحمت سے) دوری ہو" (۱۱-۳۶ تا ۴۴)

مضمون کے عنوان کے تحت اس واقعہ کا خلاصہ ان آیات سے حاصل کرنے کے بعد اب چلتے ہیں
ان آثار قدیمہ کی طرف جن کا قرآن حکیم نے ان آیات میں ذکر کیا ہے "اور اسے دنیا والوں کے لئے ایک نشان
عبرت بنا کر چھوڑ دیا (۱۵-۲۹)" اور نشان عبرت رہی کشتی ہے جو (جودی) پہاڑ پر آنے والی نسلوں کے لئے
ایک نشان قہر خدا اور نمونہ عبرت ہے۔ ابن جریر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ عہد صحابہ میں جب
مسلمان الجزیرہ اور عراق کے علاقہ میں گئے تو انھیں وہ کشتی کوہ جودی پر "باقردا" نامی بستی کے قریب نظر آئی
تھی اور آج بھی اس کشتی کی تلاش جاری ہے اور اکثر مہمات بھیجی جا رہی ہیں اس کشتی کے متعلق وقتاً فوقتاً
اخباروں میں آتا رہتا ہے کہ اس کشتی کی تلاش کی مہم جاری ہے اور اکثر ہوائی جہاز جب کوہ اراراط کے اوپر سے
گذرتے ہیں تو انھیں ایک بہت بڑی کشتی جیسی چیز کا ڈھانچہ نظر آتا ہے ابھی جولائی ۱۹۵۱ء کی بات
ہے جب روس کے ماہرین معدنیات کو پہاڑوں پر ریسرچ کے دوران اس مقام پر جہاں حضرت نوح کی
کشتی ٹھہری تھی لکڑی کی ایک تختی "۱۴×۱۰" کی ملی تھی جس پر قدیم سامانی زبان میں کچھ عبارتیں کندہ
تھیں ۱۹۵۲ء میں ایک تحقیقاتی کمیشن جو آثار قدیمہ کے فلامنگ آنمیر ڈائرکٹر ریسرچ ایسوسی ایشن اور پروفیسر
آثار قدیمہ پر مشتمل تھا اپنی رپورٹ میں آگاہی دی کہ یہ ایسی لکڑی کی تختی ہے جس سے کشتی نوح بنائی گئی
تھی ان عبارتوں کا روسی زبان میں ترجمہ کیا گیا جس کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

"اے میرے خدا میری مدد کر۔ اپنے رحم و کرم سے میرا ہاتھ پکڑو اور اپنے مقدس نفوس کے طفیل
محمد۔ ایلیا۔ شبر۔ شبیر۔ فاطمہ جو تمام عظیم ترین اور قابل احترام ہیں۔ تمام دنیا انھیں کے لئے
تمام کی گئی ہے ان کے ناموں کے بدولت میری مدد کر تو ہی سیدھے راستے کی راہ نمائی کرنے

والا ہے۔

یہ تحقیق روس کے مرکز آثار قدیمہ و تحقیقات (ماسکو) میں رکھی ہوئی ہے۔ حوالہ کے لئے (ماہنامہ ماسکو نومبر ۱۹۸۶ء و روزنامہ الاہرام قاہرہ ۱۰ مارچ ۱۹۸۷ء اخبار صلوات، ایڈنبرا ۲۲ جنوری ۱۹۸۷ء اخبار ڈیلی نیوز لندن ۱۴ فروری ۱۹۸۷ء دیکھے جاسکتے ہیں)

قوم عاد: یہ عرب کی قدیم قوموں میں تھی۔ قرآن حکیم کی رہنمائی میں اس قوم کا اصل مسکن احقاف تھا جو حجاز یمن اور یمامہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ قوم اپنے وقت میں بڑی شان و شکوہ والی تھی احقاف کے علاقے میں موجودہ ویرانوں اور ریگزاروں کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس جگہ بھی ایک ترقی یافتہ قوم رہتی ہوگی مگر ان کے باقیات اور کھنڈرات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ سنڈوب ہونے سے پہلے احقاف کا علاقہ بہت ہی شاداب رہا ہوگا۔ مگر اب یہ علاقہ قہر خدا کے نازل ہو جانے کے بعد ایک لق و دق صحرا اور ویران ریگستان بن کر رہ گیا ہے۔ قوم نوح کے بعد اسی قوم کو خدا نے جسم و ابدان عروج عطا فرمایا تھا جس کا ذکر آیات قرآنی میں اس طرح آیا ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً: اور وہ وقت یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ (جانشین) بنایا اور تمہاری جسمانی ساخت (خلقت) میں بھی زیادتی کر دی (۷-۶۹)

اب کہیں کہیں اس قوم کے باقیات اور کھنڈرات رہ گئے ہیں جنہیں قوم عاد کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور اسی جگہ ایک مقام پر حضرت ہود کی قبر بھی بتائی جاتی ہے۔ جہاں پر ہر سال شعبان کی پندرہ تاریخ کو عرس بھی ہوتا ہے جس میں ہزاروں مقامی عرب اکٹھا ہوتے ہیں لیکن ویران ریگزاروں کے اندرونی حصوں میں جانے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی ۱۹۳۸ء میں ایک انگریزی افسر جیمس آر، ویلیسٹڈ GAMES-R-WELLESTED کو یہاں پر ایک پتھر ملا تھا جس میں حضرت ہود کا ذکر ملتا ہے۔ عرب بدو تو اس علاقہ میں جاتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں اور ساتھ چلنے پر بھی تیار نہیں ہوتے ۱۸۴۳ء میں یوہر نام کا ایک جرمن افسر ہمت کر کے اکیلا ہی اس علاقہ میں گیا تھا وہ لکھتا ہے کہ حضرموت کے شمال میں کھڑے ہو کر اگر دیکھا جائے تو یہ صحرا تقریباً ایک ہزار فٹ نشیب میں ہے اس کا بیان ہے کہ میں نے وہ ریت اس میں ایک شاقول (ساحل) ایک لمبی ڈوری میں باندھ کر پھینکا تو وہ پانچ منٹ کے اندر سطح میں ایک ریت میں غرق ہو گیا جوں ہی میں نے ڈوری کو اپنی طرف کھینچا تو وہ شاقول سے کٹ کر واپس آ گئی اور محض اتنی ہی دیر میں ڈوری کا سرا گل گیا تھا حضرموت کے ان نشیبوں میں جگہ جگہ سفید ریت کے ٹکڑے ہیں جو نہایت ہی باریک سفوف جیسے ہیں جنہیں ریت کے دلدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

اب حضرموت میں قوم عاد کا صرف وہ حصہ باقی رہ گیا ہے جہاں کے لوگ حضرت ہود کے پیرو تھے۔ اور اسی علاقہ میں وہ کتبہ بھی دستیاب ہوا ہے جس میں حضرت ہود کا ذکر ہے اس کتبہ کو ۱۸۰۰ سال قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے کتبہ کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

ہم نے ایک مدت طویل اس قلعہ میں گذاری ہے۔ ہماری زندگی نہایت ہی شاندار اور تنگی و بدحالی سے دور تھی ہماری نہریں دریا کے پانی سے بھری رہتی تھیں اور ہمارے حکمراں ایسے بادشاہ تھے جو برے خیالات سے پاک اور اہل شر و فساد پر سخت تھے وہ ہم پر ہود کی شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور عمدہ فیصلے ایک کتاب میں درج کئے جاتے تھے اور ہم معجزات اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے!! مگر اس قوم کے اکثر لوگ گمراہ تھے۔ اور پھر جیسا کہ ہوتا آیا ہے اور جس کی تاریخیں بھی گواہ ہیں ان کے غرور اور نخوت نے انکو بدمست کر دیا اور یہ قوم اپنے خالق حقیقی کو بھول کر ہر طرح کے فسق و فجور میں ملوث ہو گئی۔ اور انھوں نے خود ہی وہ راستہ اختیار کیا جو انھیں بربادی کیطرف لیجانے والا تھا خداوند حکیم و کریم نے انھیں راہ راست پر آنے اور سوچنے سمجھنے کا پورا موقعہ دیا۔ انکی تعلیم، رہنمائی اور سرزنش کیلئے رسول بھیجے مگر جب انھوں نے اسکا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اپنی ہی ذلیل اور رسوا کن باتوں پر اڑے رہے مظالم کی انتہا کر دی تو پھر آخر وہی ہوا جو ایسی قوموں کے ساتھ ہوتا آیا ہے اور جسکا ذکر قرآن میں اسطرح آیا ہے۔

فارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی ایام نحسات لنذیقھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا آخر ہم نے چند نحوس دنوں میں سخت طوفانی ہوا ان پر بھیجدی تاکہ انھیں زندگانی دنیا میں ہی سخت ذلت اور رسوائی کا مزہ چکھا دیں (۴۱-۱۶)

اور اس طرح آخر کار ایک طوفانی زہریلی ہوا نے جو آٹھ دن اور سات رات برابر چلتی رہی انھیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور انکا غرور خاک میں مل گیا۔

فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ۔ رہے عاد تو انھوں نے زمین پر حق کی راہ سے ہٹ کر کبر کی روش اختیار کی اور کہنے لگے کہ کون ہے ہم سے زیادہ زور آور" (۴۱-۱۵)

اور انکی سرکشی کا ذکر ایک آیت میں اسطرح بھی آیا ہے۔

قالوا اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ ونذر ما کان یعبد اباءنا۔ انھوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی بندگی کریں اور انھیں چھوڑ دیں جنکی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (۷-۷۰)

قوم عاد کی بربادی اسوجہ سے نہیں ہوئی کہ خدا کو ان سے کوئی دشمنی تھی یا اسوجہ سے کہ یہ خدا کو نہیں مانتے تھے کیونکہ خدا تو اس سے منزہ ہے مگر وہ خود اپنے کالے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اور قانون فطرت کے خلاف چل کر اپنی ہلاکت اور بربادی کا سامان کر رہے تھے جس کے نتیجے میں ان پر عذاب نازل ہوا اور پھر

انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر ۔ تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر ۔ اور ہم نے ایک پیہم نحوست کے دن سخت عذاب والی طوفانی ہوائیں ان پر بھیجدیں جو انکو اٹھا اٹھا کر اسطرح پھینک رہی تھی جیسے کھڑے ہوئے

کھجور کے تنے ہوں" (۵۴-۱۹-۲۰)

عنوان کے پیش نظر اس سلسلے کی دو معتبر روایات کے پیش کرنے کے بعد قرآن حکیم کی معجزنما آیات میں دی گئی خبروں کا ایک اور محکم ثبوت مل جاتا ہے۔

(۱) علی ابن یقطین سے منقول ہے کہ منصور دوانیقی نے انھیں حکم دیا کہ ایک حائر کے قصر میں ایک کنواں کھودا جائے اور جب تک پانی نہ نکلے کھدائی بند نہ کی جائے۔ کھدائی جاری رہی مگر پانی نہیں نکلا یہاں تک کہ منصور کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ مہدی بادشاہ ہوا اس نے بھی اس کھدائی کو جاری رکھنے کا حکم دیا یہاں تک کہ زمین کی تہ میں ایک غار ظاہر ہوا جس سے بہت تیز ہوا نکلی اور کھودنے والے ڈر گئے۔ یقطین کا بھائی ابو موسیٰ اس جگہ پر آیا اور کہا کہ مجھے کنویں کے اندر اتارو۔ وہ غار کافی چوڑا تھا اس لئے ابو موسیٰ خود ایک محمل میں بیٹھ کر اس غار میں رسیوں کے ذریعے اتار دیا گیا آگے چل کر غار کو اور بھی چوڑا کیا گیا اور دو آدمی محمل میں بٹھا کر نیچے کی طرف رسیوں کے سہارے لٹکا دیئے گئے وہ دونوں کافی عرصہ تک نیچے رہے جب اوپر کھینچے گئے تو انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے اندر عجیب چیزوں کا مشاہدہ کیا۔ ہم نے مرد، عورتیں، مال، دولت اور زیورات دیکھے جو سب کے سب پتھر کے ہو گئے تھے مرد و عورتیں لباس پہنے ہوئے تھے ان میں سے بعض بیٹھے تھے بعض ایک کروٹ پر لیٹے تھے اور بعض ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ مثل غبار کے ہوا میں اڑ گئے۔ ابو موسیٰ نے حالات سے مہدی کو مطلع کیا جس نے امام موسیٰ کاظم سے اس مشکل کو حل کرنے کی درخواست کی۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سب بقیہ قوم عاد ہیں۔ خداوند عالم نے ان پر اس صورت سے اپنا غضب نازل فرمایا کہ وہ سب زمین بوس ہو کے مع گھر زمین کی تہ میں چلے گئے تھے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم عاد پر مختلف طریقوں سے عذاب نازل ہوا تھا۔ اور باد صرصر یا باد عقیم کے ساتھ ساتھ یہ اپنے مکانات کے ساتھ ساتھ زمین کے اندر دھنس گئے تھے۔

اسی طرح کی ایک دوسری روایت بادشاہ معتصم کے وقت کی ہے جب اس کے حکم سے بطانیہ میں ایک کنواں تین سو قامت کے برابر کھدنے پر بھی پانی نہیں نکلا تو اس نے اس کام کو بند کروا دیا مگر جب متوکل بادشاہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ کھدائی پھر سے شروع کی جائے اور جب تک پانی نہ نکلے اس کام کو بند نہ کیا جائے۔ آخر میں ایک پتھر تک کھدائی پہونچ گئی اور جیسے ہی اس پتھر کو نیچے سے توڑا گیا تو وہاں سے ایک بہت تیز ہوا نکلی جس نے اس چاہ کے اندر اور باہر قریب کے سارے آدمیوں کو مار ڈالا۔ آخر اس کے بارے میں امام علی نقی کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ یہ احقاف کے شہر ہیں جن میں قوم عاد رہا کرتی تھی۔ اور اس قوم کے پیغمبر حضرت ہود تھے۔ جب انکی سرکشی میں حد سے زیادہ اضافہ ہو گیا تو خدا نے انھیں اپنے عذاب باد صرصر کے ذریعہ سے معذب فرمایا اور یہ مقام وہی ہیں جہاں عذاب نازل ہوا تھا۔

"تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں بس ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو تو کہ اپنے اپنے وقت کے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا" (۳-۱۳۷)

قوم ثمود: یہ بھی عرب کی قدیم ترین قوموں میں سے ایک تھی جو قوم عاد کے بعد سب سے زیادہ مشہور ہوئی اور خوشحال رہی اس قوم کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ ہے جسے آج "الحجر" کہتے ہیں مدینہ اور تبوک کے راستے میں آج بھی ایک مقام "مدائن صالح" کے نام سے مشہور ہے جو کسی زمانہ میں اسی قوم کا صدر مقام تھا۔ ہزاروں ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے ان کے کھنڈرات آج بھی زبان حال سے اپنے زمانہ کی شان و شوکت کی داستانیں سنا رہے ہیں آج یہ علاقہ بڑا منحوس اور خشک ہو چکا ہے انکی عمارتیں پہاڑوں کو تراش خراش کر بنائی گئی ہیں۔ بہترین نقش و نگار سے مزین ان شاندار عمارتوں کو دیکھ کر انکی انجینئرنگ صنعت، ترقی اور ثروت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کھنڈرات کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم ثمود کی آبادی پانچ لاکھ سے کم نہ رہی ہوگی انہیں کھنڈرات میں "فج الناقہ" نام کے مقام پر وہ کنواں آج بھی ہے جہاں پہاڑ کے درے سے آکر ناقۂ صالح پانی پیا کرتا تھا۔ ان لوگوں کا پہاڑ کاٹ کر عمارتیں بنانے کا فن ہندوستان کے اجنتا اور ایلورا جیسا ہی تھا ان کے بنائے ہوئے عالیشان محلوں کے کھنڈرات میدانی علاقوں میں بھی ہیں جو آج بھی باقی ہیں۔ اور دیکھنے والوں کے لئے مقام عبرت بنے ہوئے ہیں۔ قوم عاد کے بعد اس قوم کو بڑی ترقی نصیب ہوئی تھی مگر معیار زندگی بلند ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا معیار اخلاق و انسانیت بدترین اور پست ہو گیا اور انکا ضمیر ان سے رخصت ہو گیا۔ اس سلسلے میں مورخ ابن بطوطہ کی ایک تحریر کا حوالہ دینا بھی اس عنوان کے تحت ضروری ہوگا۔ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے اس علاقے کو گذرتے وقت اپنے مشاہدات میں لکھا ہے۔ "الحجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا اور اس کے کھنڈرات مدینہ سے شمال مغرب کی جانب موجودہ شہر "العلا" سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہ عام پر پڑتا ہے اور یہ قافلے اس وادی سے ہو کر گذرتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کوئی یہاں پر قیام نہیں کرتا یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انھوں نے چٹانوں کو تراش خراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔ ان کے نقش و نگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج بنائے گئے ہیں ان مکانات میں اب بھی سڑی گلی انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا " اور یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد میں اسکا جانشین بنایا اور تم کو زمین پر یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکان کی شکل میں تراشتے ہو۔ (۷-۷۴)

آیتوں کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صالح کی پیروی سے انکار کرنے کی انکی تین وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہیں دوسرے وہ ہماری ہی قوم کی ایک فرد ہیں لہٰذا ہم پر انکی فضیلت کی کوئی وجہ نہیں اور تیسرے یہ اکیلے آدمی ہیں اور عام لوگ ہیں حضرت صالح کی تبلیغ صرف عوام اور کمزور لوگوں پر اثر انداز ہوئی اور وہ ایمان لائے جبکہ ان کے سردار اور بڑے لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے۔

"اس قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھتے تھے انھوں نے ان لوگوں سے جو کمزور بنا کر رکھے گئے
تھے (جو) ایمان لائے تھے، کہا کیا واقعی تم یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے
انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں ان متکبرین نے
کہا کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اس کے ہم کافر ہیں" (۷: ۷۵-۷۶)

ناقہ۔

کہ صالح نے آ کر بار عذاب جس کی ان کو دھمکی دی تھی اگر وہ اونٹنی کو دکھ دیں تو ان پر عذاب آئے گا۔ (۷: ۷۳-۷۷)
کو سمجھانے اور نصیحتیں کرنے کا، باوجود وہ اپنی ضد اور سرکشی پر اڑے رہے اور خود ان کے مطالبہ پر بطور معجزہ خدا
نے ایک اونٹنی پہاڑ سے پیدا کر دی اور حکم دیا کہ یہ اونٹنی خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ خبردار اس سے تعرض نہ
ہو اور کنوئیں کا پانی ایک دن یہ اونٹنی پئے گی اور ایک دن ساری قوم پئے گی۔ چنانچہ ذکر قرآن میں اس طرح
آیا ہے۔

"(اے صالح) ہم اونٹنی آزمائش کے لئے ان کے پاس بھیج رہے ہیں اب صبر کے ساتھ دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوتا
ہے ان کو جتلا دو کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور ہر ایک اپنی باری کے دن
پانی پر آئے گا ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے پکڑ کر اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں
سو دیکھ لو کیسا عذاب اور ڈرانا تھا ہمارا ہم نے ان پر عذاب کے لئے ایک چیخ کو بھیجا تو وہ ایسے
ہو گئے جیسے باڑھ والے کی روندی ہوئی باڑ" (۵۴: ۲۷-۳۱)

حضرت صالح نے اونٹنی کو پیش کرتے ہوئے خدا کے حکم کے مطابق اعلان کر دیا کہ خبردار اس
اونٹنی کو خدا کی ایک نشانی سمجھنا اور اس کو نقصان نہ پہنچانا مگر انہی میں سے ایک ظالم نے اس کی کونچیں کاٹ
ڈالیں جس کے نتیجے میں ساری قوم مستوجب ہوئی کیونکہ اس فعل ممنوع میں ساری قوم کا اتفاق تھا اور ہر وہ گناہ
جو پوری قوم کی خواہش سے کیا جائے وہ قومی گناہ ہوتا ہے۔ خواہ اس کا کرنے والا ایک فرد واحد ہی کیوں نہ ہو۔
اس قوم نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ وہ ظلم و شقاوت کی حدوں سے بھی تجاوز کر گئے تھے اور ان لوگوں
نے حضرت صالح کے گھر پر شبخون مارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے بڑے بڑے نو سرداروں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ
ہم اس کے گھر والوں پر شبخون مار کر کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ عذاب ہم پر کیسے آتا ہے۔
مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی اس مفسدانہ حرکت میں کامیاب ہوتے خدائے جبار و قہار نے ان پر اپنا عذاب
نازل کر دیا جس کے نتیجے میں ساری قوم تباہ ہو کر رہ گئی یہ خبر قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت میں اس طرح
دی گئی ہے۔

"وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون ○ قالوا
تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک
اھلہ وانا لصدقون ○ ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون ○
فانظر کیف کان عاقبۃ مکرھم انا دمرنھم وقومھم اجمعین ○"

فتلك بيوتهم خاوية بما ظلموا ان في ذالك لآية لقوم يعلمون"
(٢٧ - ٤٨ تا ٥٢)

اور اس شہر میں نو شخص ایسے تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے انھوں نے آپس میں کہا "خدا کی قسم کھاؤ عہد کرو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اسکے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہیں تھے ہم بالکل سچ کہتے ہیں یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک تدبیر ہم نے کی جس کی انھیں خبر نہ تھی اور پھر دیکھ لو کہ انکی چال کا انجام کیا رہا ہم نے انکو تباہ کر کے رکھ دیا اور انکی پوری قوم کو بھی یہ ہیں انکے گھر ہیں کہ انکی نافرمانیوں کی وجہ سے خالی پڑے ہیں عقل و دانش رکھنے والوں کے لئے اسمیں نشانی ہے (٢٧ - ٤٨ تا ٥٢)

قرآن میں دوسری جگہ اس عذاب کی تفصیل اس طرح سے آئی ہے کہ اس کے بعد حضرت صالح نے اونٹنی کے مارے جانے کے بعد ان لوگوں کو تین دن کا نوٹس دیا کہ تین دن اپنے گھروں میں مزہ کر لو" (١١ - ٦٥) اور پھر اس نوٹس کی مدت ختم ہونے کے بعد رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب ایک زبردست دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ زلزلہ آیا جس نے آن کی آن میں ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا اور جب صبح ہوئی تو ہر طرف کچلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں جیسے باڑھ کی باڑھ لگی ہوئی لکڑیاں. اندازہ ہوتا ہے کہ قوم ایک عظیم اور بڑے مہیب زلزلے کی شکار ہوئی ہے.

اس سلسلے کی آگے کی خبر بھی قرآن ہی کی زبان میں اسطرح ملتی ہے.
فلما جاء امرنا نجينا صلحا والذين آمنوا معه برحمة منا ومن خزي يومئذ (١١ - ٦٦) آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آپہونچا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور ان لوگوں کو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے انکو محفوظ رکھا. (١١ - ٦٦)

چنانچہ جب عذاب کا وقت آیا تھا تو حضرت صالح ان کے گھر والے اور ان پر ایمان لانے والے ہجرت کر کے خدا کے حکم اور رہبری میں جزیرہ نمائے سینا میں چلے گئے تھے. چنانچہ کوہ طور سے بہت قریب ایک پہاڑی کا نام "نبی صالح" آج بھی مشہور ہے جہاں پر آپ نے قیام فرمایا تھا.

قوم ثمود کی عمارتوں میں سے اب بھی بہت سی باقی ہیں جو مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان ایک مشہور مقام "العلا" سے قریب ہی شمال کی جانب دیکھی جا سکتی ہیں اس جگہ کو یہاں کے مقامی باشندے آج بھی "مدائن صالح" کے نام سے پکارتے ہیں. اسکے چاروں طرف بڑی ویرانی اور وحشت پائی جاتی ہے یہ جگہ بعد میں کچھ آباد بھی ہوئی جو محض برائے نام کی کہیں دور دور تک بیابان روئیدگی کے نام پر بس کہیں کہیں کانٹے دار جھاڑیاں ہی ملتی ہیں آبادیوں کے قریب چند کنویں ملتے ہیں اسی جگہ ایک کنواں وہ بھی ہے جس میں ناقہ صالح کو پانی پلایا جاتا تھا یہ کنواں ترکی کے عہد کی ایک ویران چوکی

کے اندر آج بھی دیکھا جا سکتا ہے جو اب خشک ہے ہر طرف منتشر اور ٹوٹے ہوئے پہاڑ نظر آتے ہیں جو قہر خدا کی شکل میں آئے اسی زلزلہ کی یادداشت ہیں جنے انھیں ہلا کر اور پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (۴۱-۴۲) قرآن حکیم ایسا زبردست نوشتہ ہے کہ نہ اس میں گذشتہ کی خبریں غلط ہیں اور نہ آئندہ کے متعلق غلط ہوں گی (۴۱-۴۲)

قوم ابراہیم

حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم کو خداوند کریم کی طرف سے عالمی سطح پر تبلیغ دین کا حکم ہوا تھا جس کی تعمیل میں آپ نے عراق سے مصر اور پھر شام و فلسطین کے علاقوں تک گشت لگا کر ساری قوموں کو دین حق کی دعوت اور خدائے وحدہ لاشریک کے اطاعت کی عام تعلیم دی تھی اس کے بعد آپ نے اس وقت کے مختلف مرکزی مقامات پر اپنے نائب بھی مقرر کئے تھے اور اس طرح اپنے بھتیجے حضرت لوط کو اردن کے شرق میں اپنے ایک بیٹے حضرت اسحق کو شام اور فلسطین میں اور اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو جزیرہ نمائے عرب میں حجاز و مکہ کی سرزمین پر مامور فرمایا تھا۔ جدید آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے بعد حضرت ابراہیم کی جائے پیدائش اور اس مقام کی کافی معلومات حاصل ہوئی ہے جو سر لیونارڈ وولی SIR LEONARD WOOLLEY کی کتاب ابراہیم (ABRAHAM) میں ملتی ہیں۔ کتاب کے مطابق آپ کی پیدائش تقریباً ۲۱۰۰ ق۔م "ار" کے قدیم شہر میں ہوئی تھی۔ شہر ار کے آثار دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کی آبادی تقریباً پانچ لاکھ رہی ہوگی۔ یہ شہر اس وقت کا بہت بڑا تجارتی شہر تھا یہ شہر صنعتوں کا بھی مرکز تھا اور یہاں کے لوگوں کے تعلقات بہت دور دراز کے تجارتی شہروں نیلگری اور اناطولیہ کے تجارتی شہروں تک قائم تھے شہر ار اس بڑی ریاست کا مرکزی مقام تھا جس کی حدیں عراق کے شمال اور جنوب دونوں طرف بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں "ار" کے آثار قدیمہ کے کھنڈروں کی کھدائی کے دوران جو تحریریں پتھر کی سلوں پر کندہ ملی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خاص مادہ پرست اور دنیادار لوگ تھے جنکی زندگی کا مقصد محض دولت کمانا اور عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنا ہی تھا۔ یہ لوگ انتہائی سود خور اور سخت ترین کے تھے جنمیں بت پرست، ستارہ پرست اور انسان پرست غرض سبھی شامل تھے اور یہی حکمران طبقہ بھی تھا جس کے پاس فوجیں اور مادی طاقتیں بھی کچھ تھیں اور دوسرا طبقہ خالص تجارتی اور اہل صنعت کا تھا اور تیسرا سب سے کمزور طبقہ غلاموں کا تھا ان کا لقب ہے "اردو" اور اونچا طبقہ "عمیلو" کہلاتا تھا جس کے ہاتھوں میں ہر طرح کی مادی طاقتیں فوجیں اور دولتیں تھیں اور ان لوگوں کی جان اور مال کی قیمت دوسرے طبقہ والوں سے زیادہ تھی۔ حضرت ابراہیم بھی اسی "عمیلو" طبقہ سے تھے "ار" کے کتبوں میں تقریباً پانچ ہزار خداؤں کا ذکر ملتا ہے اور اس طرح ان کے ہر کے الگ الگ خدا تھے۔ اور ان سب کا بڑا دیوتا "ار" کا محافظ "ننار" (چاند دیوتا) تھا "ار" میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عظیم عمارت میں نصب تھا ننار کا معبد ایک عالی شان محل کی شکل کا تھا جس میں عیش و نشاط کے سارے سامان اکٹھے تھے جس میں بہت سی عمارتیں بھی دیوتاؤں

کا نام پر تھا جس کی حیثیت دیو داسیوں RELIGIOUS PROSTITUTES جیسی ہی تھی. اُر کا شاہی خاندان
جو حضرت ابراہیم کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانی اول کا نام ارنمو تھا جس نے ۲۳۰۰ق.م میں ایک
وسیع مملکت بنائی تھی. اس خاندان کو نمو کا لقب حاصل تھا جو عربی زبان میں نمرود ہو گیا اس کی
ریاست بہت وسیع تھی جو مشرق میں سوسہ سے مغرب میں لبنان تک پھیلی ہوئی تھی. نمرود کا
سب سے زیادہ اثر ملک عراق میں تھا وہ خود کو مختار کل کہتا تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا وہ کسی کے سامنے
کی بات کا جواب دہ نہیں تھا اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی رعایا کی موت و زندگی سب اسی کے ہاتھوں
میں ہے اور جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں ایک خدائے واحد کو مانتا ہوں تو یہ بات نمرود کی شان
کے خلاف تھی اور اس نے آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا اور پھر نمرود کی نسل نے آپ کو آگ میں جلا
ڈالنے کا منصوبہ بنا کر اس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے

قالوا حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فعلين ۝ قلنا ينار كوني بردا و
سلما على ابراهيم ۝ (۲۱-۶۸-۶۹)

(تب وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا ہے اور کچھ کرنا ہے تو اسکو آگ
میں جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ
سرد ہو جا (۲۱-۶۰-۶۹)

پھر ایک دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے
"تو انکی قوم کے لوگ بولے تو یہ بولے کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو. مگر خدا نے انکو آگ (کی سوزش)
سے بچا لیا (۲۹-۲۴)

نمرود نے اس واقعہ کو دیکھا اور ڈر کر حضرت ابراہیمؑ سے بولا کہ اے آسمانی بندے آگ سے نکل آ اور میرے سامنے
کھڑا ہو جا اور پھر اس نے حضرت ابراہیم کو انکے خاندان کے ساتھ باعزت اپنے ملک سے رخصت کر دیا حضرت
ابراہیم کے ہجرت کر جانے کے بعد نمرود کے شاہی خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہیاں نازل ہوتی رہیں.
سب سے پہلے عیلامیوں نے شہر اُر کو تباہ و برباد کیا اور نمرود کو ننار کے بت کے ساتھ گرفتار کر کے لے گئے اور
اس طرح سوسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہو گئی اور اُر کا علاقہ ان لوگوں کی ماتحتی میں بحیثیت غلام کے
رہا پھر بعد میں ایک عرب قوم "بابل" میں ابھر کر آئی جس نے سوسہ اور اُر دونوں کو اپنی ماتحتی میں لے
لیا اور شکست کھانے اور غلام بننے کے بعد اُر والوں کا عقیدہ ننار کے بت کی طرف
سے ختم کی حفاظت کرنے کے بجائے وہ اب خود ہی قیدی اور غلام بن چکا تھا اور اس طرح
خدا خداؤں اور اس مغرور قوم کو ان سے بھی زبردست ظالموں کے ہاتھوں پسپا کر کے
ذلیل کیا اور غلام بنا دیا پھر اس کے بعد نمرود اور اسکی قوم کا نام و نشان ہی ختم ہو گیا.
اُر کے کھنڈرات کی کھدائی کے دوران ۱۹۰۲ء میں محکمہ آثار قدیمہ والوں کو ایک منقش سیل دستیاب
ہوئی جسکا ترجمہ سی. ایچ. ڈبلیو جان C.H.W JOHN نے ۱۹۰۳ء میں کیا اور اسے THE OLDEST

پھیلی ہوئی ہیں اور اگر کبھی انسان نے یہ لامتناہی فاصلے طے کر بھی لیا تو پھر اسی طرح نئے سرے سے شروع ہو جاتی ہے ایک اور INTER GALACTEC SPACE انٹر گیلیکٹک اسپیس) اور پھر اسکی لامتناہی حدیں جہاں پر ختم ہوتی ہیں وہیں سے شروع ہو جاتی ہے ایک نئی انٹر گیلیکٹک اسپیس) اور پھر نہ جانے کتنی ہوں گی اسطرح کی منزلیں اور دوریاں ــ!!

دورِ جدید کے سائنسدانوں نے طاقتور دوربینوں کی مدد سے اپنے مشاہدوں اور امکانی قیاسات کی بنیادوں پر کئی نہایت ہی اہم اور لطیف معلومات حاصل کی ہیں بڑی طاقتور ریڈیائی دوربینوں کی مدد سے جب ملکی وے MILKEYWAY کا مطالعہ کیا جسمیں ہمارے سورج کی نظام شمسی بھی شامل ہے۔ تو انھوں نے پایا کہ اپنی کہکشاں کا مرکز ہی ہماری زمین سے ایک لاکھ نوری سال Light years ہے جبکہ ایک نوری سال ہماری دنیا کے 5-88 ٹریلین میل - TRILLION MILES کے برابر ہوتا ہے جدید ریڈیائی دوربینوں کی مدد سے یہ اندازہ بھی لگایا گیا ہے کہ ہماری کہکشاں Milkyway کی طرح کی لاتعداد کہکشائیں GALAXIS اس کائنات میں موجود ہیں اور ان میں کے کئی ستاروں کے جھرمٹ تو ہماری اس کہکشاں سے بھی کئی گنا بڑے ہیں۔

سائنسدانوں اور محققوں کو ابھی تک اس کائنات کی وسعتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں لگ پایا ہے اس سلسلے میں انھوں نے بہت دور خلاؤں میں کچھ تابناک جھرمٹوں کا نظارہ کیا ہے انکا اندازہ ہے کہ یہ تابناکیاں ہماری دنیا سے کم از کم سولہ کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہیں ــ!!

کائنات کے بارے میں دورِ گذشتہ کے منجموں اور دانشوروں کے نظریات محض توہماتی اور فرضی تھے اور انکے مطابق اس کائنات کی انتہا محض انکی دنیا تک ہی محدود تھی انہیں کے کچھ تو سورج چاند اور ان ستاروں کو خدا اور دیوتا تصور کرتے تھے اور کچھ انھیں ملکوتی اور روحانی ہستیاں سمجھ کر انکی پوجا کیا کرتے تھے اور اسطرح ان اجرام فلکی کا راز چودھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں معلوم ہونا شروع ہوا کہ دنیا گول ہے جو اور دوسرے سیاروں کے ساتھ سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے اس سلسلے میں بڑی طاقتور دوربینوں کی مدد سے ہی یہ بات سنہ ۱۹۲۰ء میں ہی معلوم ہو سکی ہے کہ ہماری نظام شمسی اس ملکی وے کے باہری حصے پر واقع ہے اور پھر ہمارا سورج بھی اپنے ملکی وے کے چاروں طرف اسکی کشش ثقل کے تحت گردش کر رہا ہے اور وہ اسکا ایک چکر 250 ملین سالوں میں لگاتا ہے اسطرح بہت دور نظر آرہے ستاروں کے جھرمٹ کی روشنی بھی ہمیں دور افتادہ کہکشاؤں سے ہی آرہی ہے۔

اسی کے بعد انکو یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ یہ کائنات وسعت پذیر ہے اور پھیل رہی ہے کائنات کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ بھی معلوم کیا جا سکا ہے کہ ان تخلیقات کا زمانہ بھی تقریباً ایک ہی رہا ہوگا اسی کے ساتھ اس بات کی بھی تصدیق ہو سکی ہے کہ روشنی کی رفتار سے تیز اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور قوانین طبعیات LAWS OF PHYSICS اس ساری کائنات میں جاری ہیں جدید دور کے سائنسدانوں کے مطابق اس کائنات کے پھیلتے رہنے کے ساتھ اس کے سمٹنے کے بھی امکانات ہیں۔ انھوں

CODE OF LAW دنیا کا سب سے قدیم دستور العمل کے نام سے شائع کیا۔ یہ قوانین شریعت موسوی سے بہت ملتے جلتے ہیں قرآن پاک میں اس قوم پر عتاب یا غضب نازل ہونے کا تذکرہ تو نہیں ملتا لیکن یہ قوم بھی معذوب قوموں میں ہی شمار کی گئی ہے ان کے لئے یہی عتاب کیا کم تھا کہ جو قوم خود کو اس قدر بلند مرتبہ اور با جبروت سمجھتی تھی اور جس کا فرماں روا خود کو خدا سمجھا تا تھا اور کسی بڑے سے بڑے ظلم اور جبر کے لئے بھی جوابدہ نہیں سمجھا جاتا تھا اور جس نے اپنی عیاشیوں اور بہترین عیش و نشاط کے سامان فراہم کر رکھے تھے وہ قوم اسقدر ذلیل ہوئی پھر غلام ہوئی اور پھر ایسی مٹی کہ اس قوم کا ایک فرد بھی اب زندہ نہیں ہے اور ان کی یادگاریں اور کھنڈرات ہی عراق کے شمال اور مغرب میں اپنی عظمت پارینہ کی عبرتناک داستانیں سنا رہے ہیں

قرآن حکیم کے کتاب آسمانی کے ثبوت میں اس کی ایک معجز نما آیت ہی کافی ہے جس میں خداوند علیم و حکیم نے حضرت ابراہیم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے " انی جاعلک للناس اماما " " اے ابراہیم! میں نے تمہیں ساری انسانیت کی امامت کا منصب سونپا " اور یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ آج ہی دنیا کے تینوں الہامی مذاہب یعنی یہودی، نصرانی اور مسلمان آج بھی زندہ اور باقی ہیں۔

قوم لوط:

قوم لوط جس علاقہ میں آباد تھی اسے آجکل شرق اردن .TRANS JORDEN کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ عراق اور فلسطین کے درمیان واقع ہے اس علاقہ کا صدر مقام سدوم SODOM تھا جو بحر مردار - DEAD SEA کے قریب ہی کہیں واقع تھا کیونکہ اب اسکا تقریباً سارے کا سارا شہر بحر مردار میں غرق ہو چکا ہے جیسا کہ قدیم ریکارڈوں اور تحریروں سے پتہ چلتا ہے اس علاقہ کے چار دوسرے بڑے شہر "عمورہ" "ادمہ" "ضبوئیم" اور "ضغر" تھے اور ان شہروں کے درمیان ہر طرف سرسبز و شادابی پھلوں سے لدے سرسبز باغات اور گلزار ہی نظر آتے تھے مگر قہر الٰہی نازل ہو جانے کے بعد آج نہ تو قوم لوط کا اور نہ انکے سرسبز باغات کا کہیں نام و نشان ہے اور ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے جہاں محض کھنڈرات ایک عظیم قبرستان اور دریائے بحر مردار میں ڈوبی ہوئی ان کی بستیاں اور باغوں کے نظر آتے ہوئے ہی انکی یادگار ہیں آج بحر مردار کا وہ حصہ جہاں کبھی سدوم کا شہر آباد تھا بحر لوط کے نام سے جانا جاتا ہے آج بھی حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ معذوب علاقہ راستہ میں ہی نظر آتا ہے تا حد نگاہ غیر آباد آتش فشانی سے اگلے ہوئے لاوے اور جلے ہوئے پتھر ہی نظر آتے ہیں جہاں آج بھی ہر طرف تباہی کے آثار صاف نظر آتے ہیں اس جگہ کے لئے بھی ایک جغرافیائی ریکارڈ اور عالمی حقیقت ہے کہ اس خطے سے زیادہ ویران خطہ دنیا میں اور کہیں نہیں ہے

قوم لوط کے کردار اتنے پست ہو چکے تھے اور انکے ضمیر اس قدر گر چکے تھے اور وہ شہوت انگیز بیحیائی کے کاموں میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ حضرت لوط کی نصیحتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکا اور آخر کار یہ قوم اپنے کالے کرتوتوں اور غیر فطرتی بد فعلیوں کی وجہ سے بدترین طریقوں سے قہر الٰہی کا شکار ہوئی اور اس قہر و غضب الٰہی کی شدت کو دیکھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مضمون کے عنوان کے پیش نظر اس قوم کی بدکرداریوں فرشتوں کے نزول اور اس تفصیلی قصے کو نظر انداز

انہوں نے محض چند آیات قرآنی کا حوالہ دے کر اس قوم پر آئی تباہی اور اس کے آثار کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ولوطا اذ قال لقومه انكم لتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين ○ ائنكم لتاتون الرجال وتقطعون السبيل ○ وتاتون في ناديكم المنكر (۲۹-۲۸-۲۹)

"اور لوط کو یاد کرو، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم عجیب بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم سے پہلے اہل عالم میں کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔ تم لذت کے ارادے سے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ اور مسافروں کی راہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا ناپسندیدہ کام کرتے ہو" (۲۹-۲۸-۲۹)!

اتاتون الذكران من العلمين ○ وتذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عدون ○ ... مما يعملون (۲۶-۱۶۵ تا ۱۶۹)

"کیا تم اہل عالم میں لڑکوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو۔ وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم نصیحت کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔ لوط نے کہا کہ میں تمہارے کاموں سے سخت ناراض ہوں (لوط نے کہا)، اے میرے پروردگار مجھکو اور میرے اہل کو ان کے کاموں کے وبال سے نجات دے" (۲۶-۱۶۵ تا ۱۶۹)

اور پھر نازل ہوا وہ عذاب جس کے وہ مستحق تھے جب ایک دن دو فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں شہر میں داخل ہو کر حضرت لوط کے مہمان بنے۔ حضرت لوط اپنی قوم کے اخلاق اور کردار سے خوب واقف تھے اس لیے آپ بہت پریشان ہوئے کہ ان مہمانوں کو اس بدکردار قوم سے کس طرح بچا پائیں گے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے "پھر جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہونچے تو وہ سخت پریشان اور دل تنگ ہو گئے" (۲۹-۳۳)

اس سے آگے کی تفصیل سورہ ہود میں بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ حضرت ہود کے گھر میں گھستے چلے آ رہے تھے اور پھر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ آپ ان اخلاق مجرمین اور کافرین سے اپنے مہمانوں کو نہیں بچا سکیں گے تو آپ چیخ پڑے "کاش میرے پاس تمہارے ٹھیک کر دینے کی طاقت ہوتی یا (پھر میں) کسی زور آور کی حمایت پا سکتا" اور اس وقت فرشتوں نے کہا کہ "اے لوط ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ تم تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے" (۱۱-۸۰)

فرشتوں نے حضرت لوط سے فرمایا کہ "ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیں جو آپ کے رب کے یہاں حد سے گذر جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں" (۵۱-۳۲-۳۴)

بجا طور قرآن پاک کے سورہ اعراف، سورہ نمل میں اس بات کا ذکر ہے کہ یہ قوم اس قدر بے غیرت اور

عزت باختہ ہو گئی تھی کہ یہ لوگ اس فحش اور غیر فطری کام کو چھپا کر بھی نہیں بلکہ علانیہ اور اپنی محفلوں میں کیا کرتے تھے اور پھر نازل ہوا وہ عذاب جس کے وہ مستحق تھے۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ج وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ج وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا ج وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۵ (۲۹ - ۴۰)

تو ہم نے ان لوگوں کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا سو ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا۔ کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا۔ (۲۹ - ۴۰)

ان آیات قرآنی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم لوط پر چار طریقوں سے عذاب آیا تھا اور غالباً قہر الٰہی بھی طور گناہ اور عنوان خباثت کے مطابق ہی برپا ہوگا۔ اور ان چاروں طریقوں کے عذاب الٰہی کے نشانات اور ثبوت آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور اس جگہ پتھروں کا عذاب، کرخت آواز اور چنگھاڑ سے رعد کی گرج اور بجلیوں کے گرنے کا عذاب، زمین میں دھنس جانے کا اور غرقاب ہو جانے کا عذاب اور ان کے آثار آج بھی نمایاں ہیں اور اس معذوب قوم کی بدکرداریوں کی داستانیں اور خدائے جبار و قہار کے ہیبت ناک عذاب کی عکاسی کر رہے ہیں اور دیدۂ دانا کے لئے آج بھی مقامات عبرت بنے ہوئے ہیں

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ہم نے ان پر کسی طرح کا مینہ برسایا (۲۶ - ۱۷۲)

اس خطہ کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب حصہ وادی سدوم کہلاتا تھا جو اب بحر مردار کے اندر ڈوب چکا ہے عہد سلف کی تاریخیں اور آثار قدیمہ کے نشانات اور جغرافیائی حالات اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ بحر مردار کا جنوبی حصہ عذاب الٰہی سے پہلے اس قدر وسیع نہیں تھا جتنا وہ اب ہے۔

اس بحیرہ میں ایک چھوٹا سا جزیرہ "اللسان" آج بھی اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ پہلے بحر مردار کی حدود کس قدر تنگ تھیں۔ اللسان سے جنوب کے سمندر کی گہرائی بھی اتنی نہیں ہے اور اس جانب کے سمندر میں اکثر مقامات پر جب سورج کی تیز کرنیں پڑتی ہیں تو سمندر کے اندر غرقاب بستیاں عمارتیں اور درختوں کے جھنڈ آج بھی نظر آتے ہیں۔ اللسان سے جنوب کی طرف پھیلے ہوئے سمندر کو "بحر لوط" کہتے ہیں قدیم یونانی اور لاطینی دستاویزوں میں اس علاقہ میں جگہ جگہ گاڑھے سیال جیسے تیل نما کول تار اور اسفالٹ کے بڑے بڑے گڑھوں میں بھرے ہونے کا ذکر ہے جن سے آتشی گیس نکلتی رہتی تھی علم طبقات الارض کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ زلزلے کے جھٹکے اس قدر شدید تھے کہ زمین سے تیل قدرتی گیس اور آتشیں سیال نکلتے ہوئے پتھروں کے ساتھ اندرونی طبقات سے ابل پڑی تھی اور سارا علاقہ ایک شدید آتش فشانی کی زد میں آ کر اور خاکستر ہو کر بکھر گیا تھا۔ قدیم بائبل OLD TESTAMENT سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب الٰہی کے نازل ہو جانے کے بعد جب حضرت ابراہیم اس علاقہ کو دیکھنے گئے تھے تو یہاں ہر طرف ایک کثیف دھواں اٹھ رہا تھا جس پر ایک بہت بڑی بھٹی کا گمان ہوتا تھا

موجودہ زمانہ میں تلاش و جستجو کے بعد اب یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ بحر مردار کا اللسان کے دوسری طرف کا جنوبی حصہ ایک خوفناک اور زبردست زلزلے کی وجہ کر زمین میں دھنس جانے کے بعد وجود میں آیا ہے اور اسی دھنسے ہوئے خطہ میں سدوم کا شہر آباد تھا جو آج زیر آب ہے اور جس کے آثار اور ہیوے آج بھی پانی میں کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں آج کل جدید آلات غوطہ زنی کی مدد سے اس زیر آب شہر اور آبادی کے بارے میں مکمل اور مفصل معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور اس کے لئے مہمات چل رہی ہیں مگر نتیجہ ابھی سامنے نہیں آئے ہیں۔

"اس کے بعد ہم نے وہاں ایک نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں" (۵۱ - ۳۷)

اور اس نشانی سے مراد بحر مردار کا یہی جنوبی حصہ ہے جو آج بھی بدترین تباہی کا منظر پیش کر رہا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کی آبادی شدید زلزلے کے جھٹکوں کی وجہ کر زمین کے اندر دھنس گئی تھی جبکہ اوپر سے سمندر کا پانی پھیل گیا تھا کیونکہ اس بحیرہ کا وہ حصہ جو جزیرہ اللسان کے جنوب میں پھیلا ہوا ہے بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے جو شمال کے بحر مردار کے پانی ساحل گہرائی اور دوسرے جغرافیائی حالات سے بالکل مختلف ہے مقامی حالات اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ یہ جنوبی علاقہ سطح سمندر سے کافی بلند تھا جو بعد میں دھنس کر زیر آب ہوگیا آثار قدیمہ اور علم طبقات الارض کے ماہرین اس حادثہ کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح کا بتلاتے ہیں جو حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا ہی زمانہ تھا۔ ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ والوں کو اللسان کے جزیرہ پر ایک قبرستان بھی ملا ہے۔ جس میں تقریباً بیس ہزار قبریں ہیں۔ اس جزیرہ کے چاروں طرف تاحد نظر پانی ہی پانی پھیلا ہوا ہے اور اس جگہ اتنے بڑے قبرستان کا آج کے دور میں قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ یہ علاقہ کبھی بہت آباد رہا ہوگا جو اب زیر آب ہے۔ بحر لوط کے پاس بالخصوص اس کے جنوب مشرق میں اس قدر تباہیوں کے آثار پھیلے ہوئے ہیں جنکو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور زود ل تباہی کا وہ منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے جب شدید زلزلے کے جھٹکے۔ بجلیوں کے کڑکے اور آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کے ساتھ ساتھ آسمین سے ابلتے ہوئے لاووں اور جلتے ہوئے پتھروں کا شدید پتھراؤ اس قوم پر ہوا ہوگا اور وہ منظر کیا ہوگا کس قدر بھیانک اور عبرتناک - !! جہاں آج بھی زمین میں گندھک۔ رال نارکول اور قدرتی گیس کے اتنے ذخائر پائے جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ کبھی یہاں ایک جہنم سی بھڑکی ہوگی۔

قوم سبا: قوم سبا جنوبی عرب کی ایک تجارت پیشہ قوم تھی جسکا صدر مقام "مارب" تھا جو موجودہ یمن کے دار الخلافہ "صنعاء" سے تقریباً ۵۵ میل شمال مشرق کی طرف واقعہ تھا [illegible] ق م سے ۱۱۵ ق م کا تقریباً ایک ہزار سال کا زمانہ ان کے عروج کا بہترین دور تھا اس وقت انکا علاقہ یمن حضرموت سے لیکر افریقہ میں حبشہ تک پھیلا ہوا تھا۔ شرقی افریقہ۔ ہندوستان

مشرق وسطیٰ اور عرب کے سارے ممالک کے علاوہ روم، مصر، شام اور یونان تک کی ساری تجارت انھیں سبائیوں کے ذریعہ اور تعاون سے ہوتی تھی۔ انکا ملک نہایت سرسبز اور خوشحال تھا اور یہ باتجارت میں بڑے ماہر اور بہت مالدار لوگ تھے۔ تجارت کے علاوہ ان کا ملک بہت ہرا بھرا اور سرسبز بھی تھا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ سیول انجینرنگ میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے ان لوگوں نے اپنے ملک میں کسی بڑے دریا کے نہ ہونے کے باوجود وہاں پہنچنے والی برساتی اور موسمی نالوں پر بڑے مضبوط باندھ بنا کر اس پانی کو بڑی بڑی جھیلوں کی شکل میں اکٹھا کر لیا کرتے تھے اور پھر جھیلوں سے نہریں نکال کر زمینوں کو سیراب کرتے تھے جیسی موجودہ اور ترقی یافتہ شکل بیراجوں اور افلکس ربندوں AFFLUX BUNDS اور BARRAGES جیسی ہی تھی۔ زمانہ قدیم کے عمانی ادب اور یونانی تحریروں میں انکی خوشحالی اور دولتمندی کا ذکر ملتا ہے۔ اور قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ سے انکی خوشحالی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

"لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ" (۳۴-۱۵)

اور قوم سبا کیلئے تو یقیناً انھیں کے گھروں میں (قدرت خدا کی) ایک بڑی نشانی تھی کہ ان کے بستی کے دونوں طرف داہنے اور بائیں بڑے بڑے باغات تھے اور انکو یہ حکم تھا کہ اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی کھاؤ پیو اور اسکا شکر ادا کرو" (۳۴-۱۵)

قرآن میں حضرت سلیمان کے دور ۹۶۵ ق م سے ۹۲۵ ق م کی تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ قوم آفتاب پرست تھی جو بعد میں حضرت سلیمان کے ہاتھوں پر ایمان لائی تھی لیکن پھر بہت بعد کے کسی زمانہ میں یہ قوم دوبارہ مشرک اور بت پرست ہو گئی۔ پرانے کتبوں اور تحریروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ "المقہ" (چاند دیوتا) عشتر (زہرہ) ذات حمیم" اور ذات بعدان (سورج دیوی) "ہوبس" اور "حرم" جیسے بہت سے خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کو پوجنے لگے تھے "المقہ" اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ قدیم تاریخوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی قوم سبا پر حضرت سلیمان کی تعلیمات کا کچھ اثر موجود تھا اور ان کے چند قبیلے بہت سے دوسرے معبودوں کے بجائے ایک خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں محکمۂ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے سلسلے میں یمن کے کھنڈروں سے جو کتبات ملے ہیں ان میں سے بعض اس قلیل عنصر کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان میں کچھ ایسی عبادت گاہوں کا ذکر ہے جو "ذسموی" (رب السماء) کے عبادت کے لئے مخصوص تھیں۔ بعض مقامات پر اس معبود کا نام "ملکن ذسموی" (وہ بادشاہ جو آسمانوں کا مالک ہے) لکھا ہوا ہے۔ ۳۷۸ء کے ایک کتبے میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں "اس خدا کی مدد اور تائید سے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے" ۴۵۸ء کے ایک کتبے میں اسی خدا کے لئے رحمٰن کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے ویسے یمن کے کھنڈرات میں زیادہ تر ایسے کتبے ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک دیوتاؤں کے مندروں اور خصوصاً

المقہ (چاند دیوتا) کے بندروں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کے دور کے بعد سے ۶۵۰ ق م تک یہاں کے فرمانرواؤں کا لقب "مکرب" (مقرب) تھا یعنی انسان اور خدا کے درمیان کا واسطہ اور انکا دارالسلطنت "صرواح" تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مارب سے مغرب کیطرف تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ہیں اسی زمانہ میں مارب کے مشہور ڈیم DAM کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی بعد کے بادشاہوں نے توسیع کی تھی۔ اس کے بعد اہل سبا کا دوسرا دور ۶۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک تھا جب سبا کے بادشاہوں نے اپنا لقب مکرب سے بدل کر ملک (بادشاہ) رکھ لیا تھا اور اسطرح ان پر اب مذہب اور اوہام پرستی سے الگ ہو کر سیاست اور سیکولرزم کا اثر آچکا تھا ان لوگوں نے اب صرواح کو چھوڑ کر اب اپنا دارالخلافہ "مارب" کو بنا لیا تھا اس زمانہ میں مارب کو بڑی ترقی ہوئی آج بھی کھنڈرات صفلے تقریباً ۶۰ میل جنوب کیطرف دیکھے جاسکتے ہیں جو اسوقت کی شان ان کے تمدن اور صنعت کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس کے بعد ۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ء تک اہل حمیر کا دور رہا۔ ان لوگوں نے مارب کو چھوڑ کر ریدان کو اپنا پایہ تخت بنایا اور مارب کی ساری رونقیں اور صنعتیں اپنے ساتھ ریدان لے گئے انلوگوں کے زمانہ میں ریدان کو خوب ترقی ہوئی جسکا نام انھوں نے "ظفار" رکھا آج بھی اس شہر کے کھنڈرات موجودہ شہر یریم کے پاس ایک گول اور مدوری پہاڑی پر دیکھے جاسکتے ہیں جس کے قریب ہی قریہ کا ایک چھوٹا سا غیر معمولی قبیلہ بھی آباد ہے جسے دیکھ کر یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی یہ قوم ساری دنیا میں مشہور رہی ہوگی یہ وہی زمانہ تھا جب انکی حدود سلطنت (ملک) کا نام یمن پڑا جو عرب کے جنوبی مغربی کونے پر عسیر سے عدن تک اور باب المندب سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے۔

۳۰۰ء سے کر دور اسلام کے آغاز تک اس ملک کی تباہی کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ اسی دور میں انکے یہاں خانہ جنگیوں کا ایک مسلسل اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر اندرونی اختلافات خلفشار اور اخلاقی کمزوریوں کے ساتھ انکی بے دینی اور خود سری نے بیرونی حملہ آوروں کو بھی موقع فراہم کر دیا دھیرے دھیرے انکی تجارتیں برباد ہوگئیں اور پھر زراعت نے بھی دم توڑ لیا ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یمن پر حبشیوں کا قبضہ رہا بعد میں انکی آزادی تو بحال ہو گئی مگر پھر انکو عذاب الہی نے اپنی گرفت میں لے لیا انکے مشہور مارب کے بند میں مسلسل رخنے اور دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں اور یہانتک کہ وہ بند ٹوٹ گیا جس کے نتیجے میں ایک عظیم سیلاب آگیا جس نے بہت شہری آبادی اور علاقہ کو زیر آب کر دیا اس نے اور بھی تمام چھوٹے چھوٹے بند بھی توڑ دیے اور آخر کار یہ قوم اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہر طرح سے برباد ہو گئی۔

جسکا ذکر قرآن میں اس طرح سے ہے

"اس پر بھی انھوں نے (پیغمبر کا کہنا) نہیں مانا تو ہم نے (ایک ہی بند توڑ کر) ان پر بڑے زوروں کا سیلاب بھیجا اور انکو (تباہ کر کے) ان کے ایسے دو باغ دیے جن کے پھل بد مزہ تھے (۳۴-۱۷) اسی سلسلے کی بعد کی آیت میں آیا ہے کہ انلوگوں (اہل سبا) نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو ہم نے بھی انھیں تباہ کر کے رکھ دیا ان کے افسانے بنا دیے اور انکی دھجیاں اڑا کے انکو تتر بتر کر دیا (۳۴-۲۰)

اور حقیقت میں سبا کی قوم ایسی منتشر ہوئی کہ اس کی پراگندگی ضرب المثل بن گئی اور اہل عرب آج بھی جب کسی گروہ کے منتشر ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "وہ تو ایسے پراگندہ ہوئے جیسے سبا کی قوم پراگندہ ہوئی تھی" جب زوال نعمت کا دور خداوند کریم کی طرف سے شروع ہوا تو اس کے نتیجے میں قوم سبا باہر نکل کر عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی کچھ نے اردن اور شام کا رخ کیا یثرب کے اوس اور خزرج کے قبیلے بھی سبائی ہی تھے جو مدینے کے قریب آباد قبیلہ خزاعہ بھی ملک سبا سے ہی منتقل ہو کر آیا ہے۔ الغرض اب سبا نام کی کوئی قوم دنیا میں باقی نہیں ہے اور اس طرح اللہ کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر گمنامی کے ان گڑھوں میں دھکیل دیا جہاں سے کوئی مہذب قوم پھر ابھر کر نہیں آتی۔

ایک زمانہ تھا جب اہل سبا کے عروج اور ان کی دولت اور ثروت کی داستانیں اقوام عالم میں عام تھیں۔ اسٹرابو لکھتا ہے کہ:

"اہل سبا سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں انکے مکانات در و دیواروں اور چھتوں میں ہاتھی دانت۔ سونے اور چاندی جڑے ہوتے تھے یہ جلانے کی لکڑی کے بجائے صندل اور دارچینی کی لکڑی استعمال کرتے ہیں۔ اس علاقے کے قریب ساحلوں سے گزرتے ہوئے تجارتی جہازوں تک خوشبو کی لپٹیں پہنچتی ہیں۔ ان لوگوں نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ صنعا کی بلند پہاڑی پر ایک فلک بوس عمارت بنائی تھی جس کی بیس منزلیں تھیں اور ہر منزل کی اونچائی چھتیس فٹ تھی۔"

غرض یہ سب کچھ اسی وقت تک رہا جب تک اس قوم پر خدا کا فضل رہا پھر آخر کار جب ان لوگوں نے کفران نعمت کیا اور خدا کی نعمتوں کی بجائے ناشکری کرتے ہوئے اس کو بھلا ہی نہیں دیا بلکہ اہل ایمان کو ایذائیں دینی شروع کر دیں تو پھر اس قوم کے غرور تکبر، فضول خرچی اور انکا کفر و شرک انکے زوال کا باعث بن گئے۔

"اگر تم ناشکری کرو گے تو ہم تم کو بدترین عذاب دیں گے۔" (القرآن)

قوم مدین اور الایکہ: یہ دونوں قومیں ایک ہی نسل ابراہیمی کی دو شاخیں تھیں جو حضرت ابراہیم کی تیسری بیوی۔ قطورا کی اولاد سے تھیں قطورا کی اولاد "مدیان" ابن ابراہیم کی نسل اصحاب مدین کہلائے جنکی آبادیاں شمالی حجاز سے فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے آخری حدود سے بحر قلزم تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انکا صدر مقام مدین تھا جسکے کھنڈرات آج بھی موجودہ عقبہ سے تقریباً ساٹھ میل مغرب کی جانب باقی ہیں۔ اس نسل کی دوسری شاخ "ددان" (DEDANITES) تھی جو زیادہ مشہور ہوئی اور وہ شمالی عرب تبوک اور "العلا" کے درمیان آباد تھی انکا صدر مقام "ایکہ" تھا جسے اب تبوک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ علاقہ زیادہ تر جنگلوں اور گھنے باغات سے بھرا ہوا تھا جسکی مناسبت سے انکو اہل الایکہ یا "بن والے" کے نام سے قرآن میں ذکر آیا ہے۔ ان دونوں قبیلوں کے لئے جو ایک ہی نسل کے تھے ایک ہی نبی مبعوث کئے جانے کی وجہ بھی شاید یہی رہی ہوگی۔ "تاریخوں میں آیا ہے کہ ان دونوں قبیلوں کی آبادیاں بھی قریب قریب اور خلط ملط تھیں یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قبیلے قریب

قریب اور ایک ہی جگہ آباد رہی ہوں۔ انمیں شادی بیاہ بھی آپس میں ہوتے تھے اور دونوں قومیں ہم پیشہ اور تجارت کرنے والی تھیں اسی طرح جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے ان دونوں قوموں کے جرائم بھی ایک جیسے تھے انکی اخلاقی کمزوری اور مشرکانہ اعتقادات بھی ایک ہی جیسے تھے۔ ان قوموں کی آبادیاں مصر سے خلیج فارس کی شاہراہوں اور یمن سے شام کی شاہراہوں پر واقع ہونے کی وجہ سے کچھ تو دنیوی حرص و ہوس اور کچھ تجارت پر بالادستی قائم رکھنے کے خیال سے انھوں نے بدترین رہزنی کا سلسلہ چلا رکھا تھا تاکہ دوسری قوموں اور ملکوں کے تجارتی قافلوں سے خراج بھی لے سکیں۔ اور اسوقت کی بین الاقوامی تجارت پر حاوی بھی ہو سکیں اور اسطرح انھوں نے امن و امان کو بھی خطرہ میں ڈال دیا تھا۔

اہل مدین کے مفصل حالات انکی بداعمالیاں انکا اپنے پیغمبر کو جھٹلانا اور تکذیب کرنا اور پھر ان کے عبرتناک انجام اور قہر الٰہی کے نزول کے سلسلے میں قرآن کی آیات میں آیا ہے جسکا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"اور ہم نے مدین (والوں) کے پاس انکے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انھوں نے (ان لوگوں سے) کہا کہ اے میری قوم والو خدا کی ہی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور تمہارے پاس تو تمہارے پروردگار کیطرف سے ایک روشن معجزہ (بھی) آچکا ہے تو ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو انکی (خریدی ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو اور نہ زمین پر اس کی اصلاح اور درستی کے بعد فساد پھیلاتے پھرو۔ اگر تم ایماندار ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور تم لوگ راستوں پر بیٹھ کر جو ایمان لایا ہے اس کو ڈراتے ہو اور خدا کی راہ سے روکتے ہو اور اس کی راہ میں (خواہ مخواہ) کجی ڈھونڈتے ہو تو اب نہ بیٹھا کرو۔ اور اسکو یاد کرو کہ جب تم (شمار میں) کم تھے تو خدا نے ہی تم کو بڑھایا۔ اور ذرا غور تو کرو کہ (آخر) فساد پھیلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اور جن باتوں کا میں پیغام لے کر آیا ہوں اگر تم میں سے ایک گروہ نے اسکو مان لیا اور ایک گروہ نے نہیں مانا تو (کچھ پرواہ نہیں) تم صبر سے بیٹھے دیکھتے رہو یہاں تک کہ خدا (خود) ہمارے درمیان میں فیصلہ کر دے وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو اس قوم میں جن لوگوں کو (اپنی حشمت و دینداری کا) گھمنڈ تھا کہنے لگے کہ اے شعیب ہم تمہیں اور تمہارے ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرینگے مگر جب کہ تم بھی ہمارے اسی مذہب میں لوٹ کر آجاؤ (تو خیر) شعیب نے کہا کہ ہم اگرچہ تمہارے مذہب سے نفرت ہی کرتے ہوں جب تمہارے باطل دین سے خدا نے مجھے نجات دی اس کے بعد بھی اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تب تو ہم نے خدا پر بڑا جھوٹا بہتان باندھا۔ اور ہمارے لئے تو کسی طرح جائز نہیں کہ ہم تمہارے مذہب کیطرف لوٹ جائیں ہاں مگر جب میرا پروردگار چاہے تو ہمارا پروردگار اپنے علم سے تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ ہمنے تو خدا پر ہی بھروسہ کر لیا ہے اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور انکی قوم کے چند جو سردار کافر تھے (لوگوں) سے کہنے لگے اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو اسمیں شک نہیں کہ تم سخت گھاٹے میں رہوگے۔ غرض ان لوگوں کو زلزلے نے

سے تولا تو وہ گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ لوگ گھاٹے میں رہے۔
(۷۔ ۸۵ تا ۹۲)

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قبیلہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تعلق رکھنے کی بنا پر پہلے باایمان تھا مگر پھر دنیاوی لالچ حرص و عناد کے ساتھ ان پر شرک نے بھی اپنے منحوس سائے پھیلا دیئے تھے جس کی جھلک قرآن کی آیات کریمہ میں بھی ملتی ہے۔ حضرت شعیب اہل مدین کے خاندان سے ہی تھے اسی لئے قرآن میں آپ کو ان لوگوں کا بھائی کہا گیا ہے۔

اسی طرح اس نسل کی دوسری شاخ "اہل الایکہ" کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور اس قوم کے مفصل واقعہ کو معلوم کرنے کیلئے مندرجہ ذیل آیات ہی کافی ہیں۔

"اسی طرح جنگل کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب شعیب نے ان سے کہا کہ تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے میں تو بلاشبہ تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور اسکی عبادت کرو اور میں جو تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ مزدوری بھی نہیں لیتا۔ میری مزدوری تو میں ساری خدائی کے پالنے والے (خدا) کے ذمہ ہے تم (جب کوئی چیز ناپ کر دو تو) پورا پیمانہ دیا کرو اور نقصان کرنے والے اور کم دینے والے نہ ہو۔ اور (جب تولو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولو۔ اور لوگوں کو انکی چیزیں (جو خریدیں) کم نہ دیا کرو اور روئے زمین پر فساد نہ پھیلتے پھرو اور اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی خلقت کو پیدا کیا وہ لوگ کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور تم تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو اور ہم لوگ تو تم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں اور اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا لا گراؤ۔ شعیب نے کہا کہ جو کچھ تم کرتے ہو میرا پروردگار خوب جانتا ہے۔ غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تو انہیں سائبان (ابر) کے عذاب نے آ لیا اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا اسمیں بھی شک نہیں کہ اسمیں سمجھداروں کیلئے ایک بڑی عبرت ہے انکے بیشتر ایمان لانے والے ہی نہیں تھے۔
اور اس طرح جو کہ اس قوم نے آسمانی عذاب مانگا تھا۔
(۲۶۔ ۱۷۶ تا ۱۹۰)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکی بدکرداریوں کے صلے میں ان پر چھتری کی طرح گھنے بادل کو مسلط کر دیا جس سے کوند کر آتشیں بجلیوں نے ان سب کو جلا کر خاکستر کر دیا جبکہ اہل مدین کو چیخ دھماکوں اور گرج اور زلزلوں کے مہیب جھٹکوں نے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

"اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" (۷۴ — ۳۲)

قوم یونس

تاریخوں میں حضرت یونسؑ کا زمانہ ۸۶۰ قبل مسیح تک کا ملتا ہے اس قوم کا مرکزی شہر نینویٰ تھا جس کے دور دور تک پھیلے ہوئے کھنڈرات آج بھی دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر شہر موصل کے مقابل دور دور تک نظر آتے ہیں اسی جگہ یونس نبی کے نام سے ایک یادگار ہے اور لوگوں کا کہنا ہے کہ اسی جگہ انکو مچھلی نے پیٹ سے باہر نکالا تھا اس قوم کی ترقی اور ان کی

آبادی کا اندازہ ان عظیم اور وسیع کھنڈرات سے ہوتا ہے جو تقریباً ساٹھ میل کے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت یونس اور انکی قوم کے واقعات کی تفصیل میں نہ جاکر میں صرف مندرجہ ذیل آیات قرآنی کے حوالے دیتے ہوئے اپنے مقصد اور عنوان یعنی اس قوم کی تباہی اور ان کے آثار کا مختصر سا ذکر کرکے اس عنوان ختم کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی کئی معذب قوموں جیسے اصحاب رس وغیرہ کا قرآن میں ذکر ہے مگر اب ان کے کوئی تاریخی آثار پائے نہ جانے کی وجہ سے عنوان کے پیش نظر احتراز کیا گیا ہے۔ فرعون مصر کی تباہی اور ان کے آثار کا ذکر "قرآن اور اس کی پیشین گوئیاں" کے تحت آچکا ہے۔

فلولا كانت قرية آمنت فنفعها ايمانها الا قوم يونس لما آمنوا كشفنا عنهم
عذاب الخزي في الحيوة الدنيا ومتعناهم الى حين (۱۰-۸۹)

کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اسکا ایمان اسے نفع دیتا ہاں یونس کی قوم جبکہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اس سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیا) سے بہرہ مند رکھا۔ (۱۰-۹۸)

اور ذوالنون یونس کو یاد کرو جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے اور خیال کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے آخر اندھیری مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں خدا کو پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بیشک میں قصوروار ہوں تو ہم نے انکی دعا قبول کرلی۔ (۲۱-۸۷-۸۸)

جیسا کہ آیات قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ جب اس قوم نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئی تو اسکی مدت حیات میں اضافہ کر دیا گیا مگر پھر اس قوم نے کفر و شرک اختیار کیا اور دوبارہ گمراہ ہوگئی۔ جیسا کہ تاریخوں میں ملتا ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح اور رہبری کے لیے سنہ ۶۲۰ ق م اور سنہ ۶۰۹ ق م کے درمیان "ناحوم" اور "صفنیاہ" نام کے پیغمبر مبعوث کیے گئے مگر انکی رہبری اور تنبیہ ان پر کارگر نہ ہو سکی اور پھر خداوند تعالی نے ان پر اہل میڈیا کو مسلط کر دیا میڈیا کے بادشاہ نے اہل بابل کی مدد سے ان پر حملہ کر دیا۔ آشوری قوم یونس شکست کھا کر نینوا میں محصور ہوگئی کچھ مدت تک مقابلہ ہوا کیا پھر خدا کی مرضی سے دجلہ کی طغیانی نے شہر کی فصیل توڑ دی اور حملہ آور اندر گھس آئے۔ انھوں نے نینوا کو نذر آتش کر دیا سارا شہر جل کر خاکستر ہو گیا اور اسی کے ساتھ نینوا کی تہذیب بھی ہمیشہ کے لیے فنا ہوگئی۔ زمانہ حال میں آثار قدیمہ کی کھدائی میں ان کے کھنڈرات اور باقیات میں آتش زدگی کے نشانات ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

شہیدانِ راہ خدا زندہ ہیں

شہیدان راہ خدا کی مدح فرماتے ہوئے قرآن حکیم کی آیات کئی مقامات پر اعلان کر رہی ہیں کہ وہ لوگ جو راہ خدا میں قتل ہو گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے خالق کے یہاں سے رزق پاتے ہیں۔

نے اسکے دوسرے امکانات پر بھی بحث کی ہے جس کے مطابق اگر اس کائنات کی حدیں لامتناہی نہیں تو اس صورت میں ان
اجرام فلکی کا نظام بڑھتے بڑھتے انجام کار یعنی اپنی انتہائی حدود تک پہنچ جائے گا جہاں پر انکی
قوت جاذبہ اور کشش ثقل ختم ہو کر صفر ZERO ہو جائے گی کیونکہ یہ اجرام فلکی دور ہونے کے ساتھ
ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے جارہے ہیں اور اسطرح یعنی اسکے برعکس اگر انکی قوت جاذبہ اور آکسیجن
کے ذرات ATOMS کی کمی بھی محسوس ہونے لگے گی جو محض برائے نام ہی رہ جائے گی اس کے
برعکس اگر انکی قوت جاذبہ اور آکسیجن کی مقدار بدستور قائم رہی تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ کائنات
کی حدیں ہمیں نہیں معلوم ہیں جہاں پہنچ کر اس پھیلتی ہوئی کائنات کو پھر سے اپنے گزشتہ مقام پر
واپس آنا ضروری ہے ان نظریات کے علاوہ ایک دوسرے مورخ فلکیات دانشوروں کا نظریہ بھی
کہ یہ کائنات ہر جگہ اپنی لامحدود وسعتوں تک ایک ہی جیسے نظام کائنات کے تحت محو عمل ہے اور
اجرام فلکی کے پھیلنے اور وسعت پذیر ہونے کا اس پر کسی قسم کا غیر معمولی اثر نہیں پڑے گا اور ہر جگہ
انکو اپنی مدت حیات تک جو اربوں برس کی ہے اسی مقررہ مقدار کے مطابق آکسیجن اور توانائی ملتی
رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنی مدت حیات پوری کر کے فنا ہو جائیں اور پھر انکی جگہ دوسرے اجرام فلکی اور
نظام شمسی کا وجود ہوتا رہے۔

یہ آج کے سائنسدانوں کے نظریات جدید ترین آلات کی مدد سے ملے ہوئے اشارات کی بنیاد پر
ہیں درحقیقت اس کائنات کی صحیح حقیقت کیا ہے اسکا صحیح اندازہ لگانا آج بھی عقل و دانش انسانی
سے بالاتر ہے جسکی طرف خالق کائنات نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں اشارہ کیا ہے۔ "اَلَّذِیْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ
تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝ (۶۷:۳-۴)

"اور جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے اے دیکھنے والے کیا تو خدائے رحمٰن کی آفرینش میں
کوئی نقص دیکھتا ہے ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھ۔ کیا تجھکو آسمان میں کوئی شگاف و نقص نظر آتا ہے
پھر دو بارہ (سہ بارہ) نظر کر تو ہر بار نظر (ناکام) اور تھک کر لوٹ آئیگی۔" (۶۷:۳،۴)

شہیدانِ راہِ خدا اپنے پیدا کرنے والے کی پیاری عنایات اور نوازشوں سے زندہ انسانوں کی طرح ہی فیضیاب ہوتے
ہیں خداوند کریم کے یہاں جنتوں میں شہیدوں کے مرتبے بہت بلند ہیں اور اقوالِ معصومین کے مطابق علماء دین
اور رہبرانِ راہِ حق کے بلند ترین مرتبوں کے بعد شہیدانِ راہِ خدا کا ہی مرتبہ ہے۔ اور اس طرح مومن انسان کا عمل صالح
اصولِ دین اور امر بالمعروف کا تحفظ کرتے ہوئے قتل ہو جانا اور جان دے دینا اسے شہادت کے مرتبے تک
پہنچاتا ہے۔

یوں تو مادی نقطۂ نظر سے بھی اہل خاندان کی حفاظت، قوم کی آزادی اور غلامی سے نجات دلانے یا وطن کے
لیے خود کو قربان کر دینا سب کارنامے انسان کو درجہ شہادت عطا کرتے ہیں مگر اس طرح کی قربانیاں جو مادی
احساسات اور جذبات کے تحت عمل میں آتی ہیں یہ اعتبار کر لینا کہ یہ قربانی اسکو شہادت کے درجہ پر فائز بھی
کر سکی اور اسی طرح اس کی اس قربانی کو لائق ستائش و انعام قرار دینا اسی قادر مطلق کا کام ہے جو انسان کے حقیقی
جذبات اور احساسات سے واقف ہے رہ گیا جہاں تک اس عالم فانی کا تعلق ہے اپنے ملک اور قوم کی آزادی
اور اسکی فلاح اور بہبودی کے لیے ظالم اور جابر طاقتوں کے خلاف آواز بلند کرنے والا، نیک اور تعمیری کاموں کے
لیے خود کو قربان کر دینے والا نیک نام ہوتا ہے اور صدیوں کی گردش اسکی شخصیت کو گرد آلود نہیں کرتی اپنے ملک
اور قوم کیلئے تکلیفیں جھیلنے والے کو اس ملک کی تاریخ اس کے نام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے نامعلوم صدیوں
تک اس کی حفاظت کرتی ہے۔

یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ جب کسی ملک کی دفاعی یا حملہ آور فوجیں لڑتی ہیں تو اس کے نتیجے میں ان کی
ایک بڑی تعداد قتل بھی ہوتی ہے اور جو اس حکومت کا نظام چلانے والے ہیں وہ ان کے لئے پوری ہمدردی رکھتے ہوئے
ان پر زیادہ سے زیادہ نوازشیں کرتا ہے انکے خاندان کے لئے ہر طرح کے مراعات فراہم کرتا ہے انکی بیوہ اور بچوں کے
لئے پنشن کا بندوبست کرتا ہے انکے بچوں کے لئے مفت تعلیم کا انتظام ہوتا ہے انکے خاندان کے لئے ہر مناسب
اور ممکن سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اپنی عزت حکومت اور سلطنت کے تحفظ کیلئے لڑتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو
بیٹھنے والے سپاہی کی خاطر کسی مطلق العنان بادشاہ کے جذبات اور اسکی عنایات کسی جمہوری نظام حکومت سے
زیادہ فراخ اور وسیع ہوتے ہیں جو بلا کسی رو رعایت اور خوشامد کے اپنے لئے جان دینے والے کے جذبات اور احساسات
سے متاثر ہو کر کسی ضابطہ یا قانون کا پابند نہ ہو کر اسکی ہر طرح سے بڑی امداد کر سکتا ہے جبکہ کسی
جمہوری حکومت کو اس سلسلے میں اجتماعی یا پارلیمانی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح ایک بادشاہ مرنے
والے کے خاندان اور بچوں کی آزادانہ ہر ممکن امداد کرتا ہے یہاں تک کہ اگر مرنے والے کا زندہ کر دینا اس کے بس
میں ہوتا تو وہ اسکو زندہ بھی کر دیتا۔ اور اسی طرح جان کے بدلے میں کائنات اور عالمی ضمیر اسکے بدلے میں زیادہ سے
زیادہ مراعات فراہم کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اس کی قربانی کے عوض اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اسقدر تو دے
ہی ڈالے۔ اگر کسی نے دولت قربان کی ہے تو اسے کم از کم اتنا تو دے ہی دے جو اس نے قربان کیا ہے۔ اگر
کسی نے مال قربان کیا ہے تو اسے کم از کم اتنا تو دے ہی دے جو اس نے قربان کیا ہے مگر ان قربانیوں میں
انسان کی جان ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی طرح بھی لوٹایا نہیں جا سکتا اور نہ مرنے والے کو زندہ کیا

جا سکتا ہے اور اسی لئے دنیاوی قانون اور عدلیہ مرنے والے کے متعلقین کو زیادہ سے زیادہ معاوضہ کا اعلان کرتے ہیں زندگی کا لوٹا دینا تو صرف اسی قادر مطلق کا کام ہے جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔

جب ایک دنیاوی مطلق الحنان بادشاہ اپنی حمایت میں جان سے ہاتھ دھونے والوں کی ہر ممکن امداد کرتا ہے اور اس کے اہل خاندان پر نوازشوں کے دروازے کھول دیتا ہے تو رب العالمین جو خالق مطلق اور مختار کل ہے اپنے دین کی تبلیغ کرنے والے اور دین کی حفاظت کرنے والے مجاہد کے شہید ہو جانے پر کیا کیا نوازشیں نہ کرتا ہوگا۔ خدا شہیدان راہ خدا کو ایک ایسی پر سکون اور آزاد زندگی عطا کرتا ہے جو اس دنیاوی اور مادی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے دائمی ہے شہیدان راہ خدا کو دوبارہ زندگی ملنے کے سلسلے میں قرآن کی مندرجہ ذیل آیت اعلان کر رہی ہے۔

لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ہ

جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں جاگتے موجود ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں سے روزیاں پاتے ہیں" (۳-۱۶۹)

یہ آیت صرف ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس قانون قدرت کا اعلان کر رہی ہے جس کے تحت دین حق اور راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں مرتے نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ وہ محض عالم ارواح اور عالم ملکوت میں زندہ ہیں بلکہ اس زندگی کا ظاہری سرا اس مادی دنیا سے بھی ملا ہوا ہے اور وہ بھی زندہ انسانوں کی طرح روزیاں پاتے ہیں اور وہ دنیاوی نقطہ نظر سے بھی زندوں کے مثل ہیں ان کے اجسام بھی زندہ انسانوں کی طرح محفوظ ہیں اور ان کے اجسام میں بھی زندہ انسانوں کی طرح خون دوڑ رہا ہے ان پر اپنے پروردگار کا ایسا لطف و کرم ہے جس کے سایہ میں نہ تو انکو کسی طرح کی تکلیف ہے نہ کوئی فکر اور ملال اور اس طرح انکی اس زندگی میں راحت ہی راحت اور سکون ہی سکون ہے۔

قرآن میں ایک جگہ شہیدان راہ خدا پر اس کی عنایات اور نوازشوں کے سلسلے میں آیا ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون ہ

اور وہ لوگ جو خدا کی راہ میں مارے گئے انھیں کبھی مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں۔ مگر ہم کو دائمی زندگی کی حقیقت کا کچھ بھی شعور نہیں ہے۔

شہیدان راہ خدا کے مرتبوں اور رتبوں کا اندازہ لگانے سے ہماری مادی فہم و ادراک قاصر ہیں مگر انکی زندگی کے آثار کا احساس اور اندازہ ان چشم دید واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جنکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ تاریخ عالم کا جز بن چکے ہیں۔ اور اسی طرح کے مشاہدات و واقعات کی بنیادوں پر قرآن حکیم کی ان آیات کو اس کتاب میں ایک عنوان کے تحت شامل کر دیا گیا ہے جو ان عالمی صداقت کی ترجمانی کر رہی ہے اور شہیدان راہ خدا پر خدا کی عنایتوں اور نوازشوں کی سیکڑوں مثالیں پیش نظر ہیں

اس جگہ میں ان قولی یا انفرادی واقعات کا ذکر نہیں کروں گا جنھیں اکثر شہیدوں کو انسانی پیکر میں چلتا پھرتا دیکھا گیا ہے یا جنھیں بہت سے خوش نصیب اصحاب نے اپنے راہوں پر چلتے ہوئے دیکھا ہے بلکہ اس عنوان کے تحت میں محض ان واقعات کا ذکر کروں گا جو تاریخی نقطہ نظر سے عالمی شہرت پا کر مستند کتابوں میں محفوظ

میں اور اخباروں میں بھی جگہ پا چکے ہیں۔ ان رموز خداوندی کو سمجھنے کیلئے ذہن انسانی آج بھی قاصر ہے اور ان واقعات کو سحر اتفاق اور التباس وضعف کے تابع قرار ہی دیا جا سکتا ہے انہیں کا ایک واقعہ جو تاریخ احمدی میں آیا ہے کچھ اس طرح ہے کہ ابن سعد نے جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ جب حاکم شام معاویہ بن ابو سفیان نے اپنے دور حکومت میں بمقام احد ایک نہر جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے عمال نے جواب میں لکھا کہ اس طرف سے نہر کا نکالنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اس جگہ شہدائے جنگ احد کی قبریں ہیں اور انہی قبروں پر سے نہر کا نکالنا ممکن نہیں ہے مگر امیر معاویہ نے جسکو شہدائے احد سے خانگی بغض اور پرخاش تھی جواب میں لکھا کہ یہ نہر وہیں سے نکالی جائے اور قبروں کو کھدوا ڈالا جائے اس حکم پر یہ حالت دیکھی گئی کہ لوگ قبروں سے مردوں کو نکال کر کھینچے لئے ہوئے اس طرح سے جا رہے تھے جیسے وہ سو رہے ہیں اور انکے اجسام میں کسی طرح کی سستی یا بوسیدگی کا کوئی اثر نہیں تھا اسی اثنا میں جب قبریں کھودی جا رہی تھیں اتفاق سے ایک کدال حضرت امیر حمزہ کے پائے مبارک پر پڑی جس سے خون تازہ جاری ہو گیا (تاریخ احمدی ص ۳۲)

اسی روایت کو محدث دہلوی نے بھی جذب القلوب میں بحوالہ کتاب شفاء الاسقام سبکی لکھا ہے کہ جب معاویہ نے نہر جاری کرنی چاہی تو منادی کرا دی کہ امیر المومنین کی نہر نکلتی ہے میدان احد میں جنکا مردہ ہو وہ کھود کر دوسری جگہ لیجائے شہداء کی لاشیں نکالتے وقت ناگہاں ایک کدال حضرت حمزہ کے قدم مبارک پر لگ گئی اور اس سے خون تازہ جاری ہوا (تاریخ احمدی ص ۳۲)

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ حر بن ریاحی کا حامد حسن قنبری کی کتاب کلمۃ الحق میں میری نگاہوں سے گذرا یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شاہ اسمٰعیل صفوی قبر حر کی زیارت کو کربلا پہنچا اور علماء دین سے یہ معلوم ہوا کہ حر کے سر پر جناب فاطمہ زہرا دختر رسول صلعم کا رومال بندھا ہوا ہے شاہ اسمٰعیل نے کہا کہ میں اس رومال کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھوں گا علماء نے منع بھی کیا کہ اس رومال کی وجہ سے خون رکا ہوا ہے اور اسکو نکالنا مناسب نہیں ہے مگر اسمٰعیل صفوی نے رومال حاصل کرنے کی غرض سے قبر کو کھلوایا جب رومال کو سر سے کھولا تو حر کے سر سے خون تازہ جاری ہوا یہاں تک کہ قبر خون سے بھرنے لگی پھر اس خوف و دہشت کے سبب سے علماء کی ہدایت پر اس رومال کو دوبارہ حر کے سر سے باندھ دیا جس کے ساتھ خون کا بہنا بند ہو گیا۔ اور قبر کو پھر اسی طرح بند کر دیا گیا۔

(کلمۃ الحق حصہ اول ص ۳۱۹)

اسکے کچھ زمانہ بعد جب بادشاہ تیمور لنگ قبر حر کی زیارت کے لئے آیا تو اسے بھی رومال مذکور حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی جسکے لیے علماء نے ایک تدبیر نکالی کہ حر کے ورثاء سے اجازت لے کر رومال کا ایک ٹکڑا سا بطور تبرک حاصل کرنے کی کوشش کی جائے بہر حال سلطان تیمور کی بڑی منت و سماجت کے بعد جناب حر کے ورثاء نے اجازت دیدی اور سلطان تیمور نے بڑی احتیاط کے ساتھ قبر کو کھلوا کر رومال کا ایک ڈھائی انچ لمبا اور ڈھائی انچ چوڑا ٹکڑا سا کاٹ کر حاصل کر لیا اور قبر کو پھر سے بند کر دیا گیا۔ اس طرح یہ تبرک سلطان تیمور کی نسل میں رہا اور اس خاندان میں ہونے والے بادشاہ ظہیر الدین بابر تک پہونچا جو اس کو لے کر ہندوستان آیا اور ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا پہلا بادشاہ ہوا شاہان مغلیہ سے یہ تبرک شاہان آصفیہ کو حاصل ہوا۔

جو اب ایک صندوق میں محفوظ ہے۔ اور حضرت آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں کے بنوائے ہوئے اما باڑہ بمقام خلوت حیدر آباد ایک صندوقچہ پر امیر تیمور گورگانی اور سلاطین مغلیہ کے سلاطین آصفیہ کی مہریں ثبت ہیں۔ صندوقچہ کے دونوں طرف ابرک جیسی کوئی شفاف شے لگی ہوئی ہے جس سے صندوقچہ کے اندر رکھے ہوئے اس تبرک کی زیارت ہر سال محرم کی ۱۲ تاریخ کو خاص اہتمام کے ساتھ کرائی جاتی ہے اس صندوقچے کے ساتھ ابوالظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا ایک فرمان مصدرہ ۷ شوال ۱۰۶۱ھ بھی رکھا ہوا ہے جسکا مصدقہ ترجمہ اما باڑے کی ایک چھوٹی سی میز پر فریم کر کے رکھدیا گیا ہے جو کچھ اسطرح کا ہے۔

یہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی چادر مطہر کا ٹکڑا ہے جو اعظم ترین دولت ہے اسکو حضرت سید الشہدا امام حسینؑ نے حر بن ریاحی رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں عطا کیا تھا اس نعمت عظمیٰ کو امیر تیمور صاحب قران جنت مکان امام ہمام کی اجازت و سادات کرام ذوی الاحترام کے اتفاق رائے و بالمواجہہ حر بن ریاحی کی قبر شریف سے نکال کر بطور تبرک لائے تھے یہ تمام نعمتوں سے ارفع و اعلیٰ نعمت ہے اس بارکت عطیہ کی نگرانی و حفاظت کے لیے سادات کرام اور سادات کی اولاد اور انکی آل اولاد کیلئے "کلورہ" کی جاگیر کی آمدنی علی الدوام دی گئی اعلیٰ حضرت فردوس منزلت جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انھوں نے بھی اپنے اسلاف کی طرح اس تبرک کی زیارت سے بہرہ مند ہو کر اپنی طرف سے اور اضافہ فرمایا۔ (کلمۃ الحق حصہ اول ص ۲۱۹-۲۲۰)

ایسے حقیقی واقعات ہیں جو شہیدان راہ خدا کی لاشوں کا بلا کسی بوسیدگی اور ابتری کے اپنی اصلی حالت میں پایا جانا ثابت کرتے ہیں جیسے وہ سو رہے ہوں یا پھر کدال کا زخم لگنے سے خون تازہ کا جاری ہونا ایسی نظیریں ہیں جن سے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ابھی آثار زندگی اور حسن ظاہری بھی نمایاں ہے ان کے لاشوں کی تازگی۔ انکی جسمانی شگفتگی بیانگ کران کے اجسام میں دوران خون کا نظام کسی جاندار کی طرح رواں ہوتا ہے سب اس بات کے سائنسی اور طبی شاہد ہیں کہ ان شہیدوں کو خداوند کریم و حکیم کے خاص الطاف اور نوازشات کے تحت ایسی غذائیں حاصل ہوتی ہیں جو قبر جیسی تاریک اور ہر طرف سے بند جگہ پر جہاں تازی ہوا کا بھی گذر نہ ہوا نکو زندگی کی دوامی لطافتیں بخشتی ہیں یہ وہ حیات تازہ اور دوام بے اندازہ بخشنے والی غذائیں ہیں جنکا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور اسطرح ان شہیدوں کو انکی تنگ و تاریک قبروں میں جہاں ان کے توانے جسمانی کو حرکت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی یہ غذائیں تحلیل ہو کر حیات بخش ہو جاتی ہیں اور ان کے دائمی سکون اور راحت کی انتہائی منزلوں کی ضامن ہو جاتی ہیں یہ تو ہو ہمیں ان غذاؤں کی خصوصیات اور خدا کی عنایات کی جھلکیاں جنکو ہم طبی اور سائنسی خوردبینوں کی مدد سے اپنی مادی نگاہوں سے دیکھ ہی سکتے ہیں مگر ہم رموز خداوندی کو سمجھنے سے قاصر ہیں جو ہماری رسائی سے بہت دور عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کی رہنمائی میں ظاہری صورت حال کے تحت شہیدان راہ خدا کی انتہائی نوازشوں اور عنایات کا بھی تھوڑا سا اندازہ مومن آل یٰسین کے لئے نازل ہونے والی ان خصوصی آیات سے ہوتا ہے جو ان کے انتہائی مسرت آمیز جذبات کی ترجمان ہیں یہ وہی حبیب نجار ہیں جنکا خطاب مومن آل یٰسین ہے انکے ایمان کی یہ

حالت تھی کہ لوگ انکو پتھر مارتے تھے گر وہ نصیحت کرتے جاتے تھے اور یہاں تک کہ انھوں نے شہادت پائی اور جنت میں داخل ہو گئے ان آیات نے انکے اسی لمحے کے جذبات کی خصوصی ترجمانی کی ہے جب انکا رشتہ ابھی مادی دنیا سے بالکل ختم نہیں پایا تھا ان کے یہ تاثرات فوراً اس وقت کے ہیں جب وہ شہید ہوئے تھے اور اپنی قوم کا خیال انکے ذہن سے پوری طرح محو نہیں ہوا پایا تھا اس وقت بھی انکو اپنی قوم کی بے راہ روی اور حرماں نصیبی کا خیال باقی رہتا ہے جب وہ خدا کی ان بیکراں نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں اپنی قوم کی گمراہی اور ان کے کفر و ظلم پر تاسف کرتے ہیں یہ آیات اس بات کی بھی خبر دیتی ہیں کہ شہیدان راہ خدا کے شہادت کے درجوں پر فائض ہونے کے ساتھ ہی انکو اعلیٰ مراتب اور درجات حاصل ہو جاتے ہیں اور انکو جنت کے بہترین آرام گاہوں اور انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

قیل ادخل الجنۃ ؕ قال یالیت قومی یعلمون ۙ بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین ۝

تب (اس سے خدا کا) حکم ہوا کہ بہشت میں جا (اس وقت بھی اسکو اپنی قوم کا خیال آیا تو کہا) میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے بزرگوں میں شامل کر دیا کاش اسکو میری قوم کے لوگ جان لیتے اور ایمان لاتے

اسطرح یہ سارے عالی شان آیات قرآنی کی رہبری میں اس بات کے ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ شہیدان راہ خدا زندہ ہیں اور انکو خداوند علیم و حکیم کی طرف سے ایسی زندگی بخش غذائیں ملتی ہیں جو ان کے مردہ اجسام کو کسی حال میں بھی فرسودہ اور بوسیدہ نہیں ہونے دیتیں ان کے اجسام میں ظاہری طور پر بھی مخفی ایک روح کی جوت ہے جو دنیاوی تکلیفوں آلام اور تفکرات سے بہت دور خدا کے الطاف و کرم کے زیر سایہ جنت کے اعلیٰ درجات پر فائض ہو کر دائمی سکون حاصل کر لیتی ہے۔

نگہبان فرشتے

انسان فطرتاً جلد باز اور کمزور پیدا ہوا ہے جسکا ذکر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور انسان کی ان فطری کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے خداوند حکیم ارشاد فرماتا ہے۔

یرید اللہ ان یخفف عنکم ۚ وخلق الانسان ضعیفا ۝

خدا چاہتا ہے کہ تمہارے (احکام میں) تخفیف کر دے (بوجھ ہلکا کر دے) اور انسان تو بہت کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے۔ (۴-۲۸)

وکان الانسان عجولا ۝ اور انسان جلد باز پیدا ہوا ہے (۱۷-۱۱)

انکی کمزوریوں کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خداوند وحدہ لاشریک نے جو خالق مطلق ہونے کی حیثیت

نے انسان کی ان جبلی اور فطری کمزوریوں اور جلد باز عادتوں سے خوب واقف ہے حوالہ دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اسکی یہ عادتیں پیدائشی ہیں اور اس کے یہ عیوب اسکے خمیر میں داخل ہیں۔

انسان ایسا جلد باز ہے کہ گویا جلدی بازی ہی سے بنایا گیا ہے (۲۱-۳۷)

انسان کے کمزور جسم اور اسکی جلد باز فطرت کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ خداوند کریم نے اپنے اسی احسان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان جیسی جلد باز اور کمزور مخلوق کے لیے ہر آن اور ہر گھڑی نگہبانی کی ضرورت ہے ورنہ وہ اپنی عاقبت نااندیشی و اضطراری فطرت کی وجہ سے خود کو کسی وقت بھی ہلاکت میں مبتلا کر سکتا ہے اور یہ خداوند تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے جو اسنے ہماری حفاظت کے لیے نگہبان فرشتے مقرر کئے ہیں چنانچہ فرماتا ہے

له معقبٰت من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر اللہ ط

اسکے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں

(۱۱ - ۱۳)

اور اسطرح ہر انسان کے ساتھ اسکی حفاظت کیلئے دو ملائکہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں تاکہ اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے واقع ہونے والی کسی طرح کی ناگہانی افتاد سے اسکی حفاظت کرتے رہیں اس سلسلے میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ یہ نگہبان فرشتے دنیاوی بلاؤں اور ہلاکتوں سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں سوا ان بلاؤں کے جنکا نازل ہونا قضا وقدر الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے اور سوائے موت کے اور اسوقت یہ فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

ان فرشتوں کی نگہبانی کیوجہ سے ہی اکثر و بیشتر بڑے بڑے حادثات ہو جانے کے بعد بھی نہ تو انسان کو اتنی شدید چوٹ ہی آتی ہے اور نہ ہی وہ ہلاک ہوتا ہے اور بڑے ہی معجزاتی انداز سے بچ نکلتا ہے دیکھا گیا ہے کہ بہت سے ایسے واقعات جنمیں اسکا بچ نکلنا ناممکن نظر آتا ہے مگر وہ بے ضرر اور بلا کسی خاص دماغی و جسمانی نقصان کے صحیح وسلامت نکل آتا ہے اور اگر اسکو کوئی چوٹ لگتی بھی ہے تو وہ اس حادثہ کو دیکھتے ہوئے بہت ہی کم ہوتی ہے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ نگہبان فرشتے ہر وقت اس کے ساتھ رہکر اسکی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

ان کل نفس لما علیها حافظ ٥ — کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہوں۔ (۸۶-۴)

نگہبان فرشتوں کے سلسلے میں بیشمار عینی شہادتیں ملتی ہیں اور آئے دن واقعات ملتے رہتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ اسکا تجربہ تقریباً ہر انسان کی زندگی میں ایک آدھ بار ضرور ہوتا ہے۔

میں خود اپنی زندگی میں کئی بار ایسے حادثات سے دوچار ہو چکا ہوں طوالت سے بچنے کی غرض سے صرف اپنا ایک واقعہ قارئین کی توجہ کیلئے پیش کر رہا ہوں جسکو آج بھی یاد کرتا ہوں تو خدا کی رحمتوں کے ساتھ ساتھ ان آیات گرامی کا مفہوم اور بھی بہتر طریقے سے ذہن نشین ہو جاتا ہے یہ ۱۹۶۹ء کی بات ہے جب میں ہیرا گنج میں ریلوے انجینئر تھا قاعدہ یہ ہے کہ برسات کے بعد جب سیلاب کا پانی اتر جاتا ہے تو ریلوے انجینئر کو اپنے سب ڈویژن کے تمام پلوں کا بذات خود معائنہ کرنا ہوتا ہے اور پل کے استحکام کی مکمل رپورٹ رجسٹر میں درج کرنے کے ساتھ ساتھ ضروری مرمت کے سلسلے میں متعلقہ انسپکٹروں کو ہدایات دینی ہوتی ہیں اور ضرورت کے وقت حفاظتی اقدام کے ساتھ ساتھ اس کی فوری مرمت اور تعمیرات کا کام کیا جاتا ہے اسطرح کا معائنہ عموماً نومبر

سے اجنوری تک مکمل کر لیا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ بل کے رجسٹر چیف انجینئر کے پاس فروری میں بھیج دیے جاتے ہیں۔

ہم اسی معائنے کے سلسلے میں ایک دن ڈپٹی انجینئر کے ساتھ دودھوا اسٹیشن سے گونیا اسٹیشن کی طرف اپنی موٹر ٹرالی میں خود ہی چلا رہا تھا۔ اسی سلسلے میں دودھوا نیشنل پارک کا ایک مختصر سا ذکر کر دینا ضروری ہوگا۔ این۔ ای ریلوے کے گونڈہ پیلی بھیت سیکشن میں گونیا سے پلیا کلاں تک پھیلا ہوا عظیم اور گھنا جنگل شیروں (ROYAL BENGAL TIGER) کے تحفظ کیا گیا ہے اور یہ جنگل گورنمنٹ کا ایک بہت عظیم اور بڑا نیشنل پارک ہے جس میں شیر، تیندوے، ہرن، بارہ سنگھا، ریچھ اور ہاتھی رہتے ہیں۔ نیپال کی ترائی میں جنگلوں کے کٹ جانے کی وجہ سے دودھوا کے جنگل میں ہاتھیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور اب وہ سب یہیں چلے آئے ہیں اور ہر طرف ان کے غول گھومتے نظر آتے ہیں۔ ریلوے لائن بھی لے پلیا کلاں اسٹیشن تک تقریباً ۵۵ میل تک اسی دودھوا نیشنل پارک کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اس جنگل میں پیڑوں کا کاٹنا اور شکار گھاس نکالنا بھی جرم ہے اور اس طرح سارے جنگل کو اسکے فطری حالات پر ان راستوں کے چھوڑ دیا ہے جنکو محض نیشنل پارک کے محافظ اور عملے کے لوگ ہی استعمال کر سکتے ہیں اور یا پھر گھومنے کی غرض سے آنے والے سیاح جیپوں اور یا ہاتھیوں پر بیٹھ کر چلتے ہیں جنکا انتظام فارسٹ کا محکمہ کرتا ہے اور اس طرح یہ جنگل بہت گھنا اور سنسان ہو گیا ہے جو ریلوے لائن سے محض دس یا پندرہ فٹ سے دونوں طرف شروع ہو جاتا ہے۔ موٹر ٹرالی سے راتوں کا چلنا تو غیر ممکن ہی ہے اس لائن پر دن کے وقت بھی ٹرالی چلاتے وقت بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اکثر شیر تیندوے اور ہاتھیوں کے جھنڈ ریلوے لائن کو پار کرتے نظر آتے ہیں۔ جاڑوں کے موسم میں تو اکثر شیر جنگل سے نکل کر ریلوے لائن کی کھلی دھوپ میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اکثر جب ہاتھیوں کے جھنڈ ریلوے لائن کو پار کر رہے ہوتے ہیں تو ریل گاڑیاں بھی روک دی جاتی ہیں۔ تاکہ جب یہ غول ریلوے لائن کو پار کر لے تو گاڑی آگے بڑھ جائیں۔ دودھوا سے گونیا کی طرف موٹر ٹرالی سے چلتے وقت تقریباً ۵ بج چکے تھے میں نے سوچا کر اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے گونیا پہونچ کر ہر انچ کیلئے گاڑی پکڑ لیں گے جاڑوں میں یوں بھی شام جلدی ہو جاتی ہے۔ ابھی میں دودھوا سے چل کر مشکل سے دو میل ہی جا پایا تھا کہ مجھ سے تقریباً ۵۰ گز کی دوری پر ایک بہت عظیم و شحیم ہاتھی نظر آیا۔ اصل میں وہ ہاتھی پاگل ہو چکا تھا اور اپنے جھنڈ سے الگ ہو کر دیوانگی میں گھوم رہا تھا۔ وہ ہاتھی موٹر ٹرالی کی آواز سنکر ریلوے لائن کے درمیان میں کھڑا ہو گیا اور سونڈ کو اوپر اٹھا کر ایک زور دار چنگھاڑ ماری۔ میں موٹر ٹرالی روک کر انتظار کرنے لگا کہ دیکھوں اب یہ ہاتھی کیا کرتا ہے اگر یہ میری طرف جھپٹا تو پیچھے کی طرف لوٹ جاؤں گا اور اگر جلدی جنگل میں چلا گیا تو تھوڑی دیر بعد انتظار کر کے آگے بڑھ جاؤں گا۔ میرے ساتھی ڈپٹی انجینئر کا اسکے ڈر سے برا حال تھا انھوں نے مجھ سے کہا کہ سر پیچھے لوٹ چلیے مجھ پر خدا کا کچھ ایسا کرم رہا ہے کہ میں نے خود کو ہمیشہ اسی کے سہارے پر چھوڑا ہے اور اپنی بڑی سے بڑی ذمہ داریوں کا کام اسی کا نام لے کر پوری مستعدی اور کامیابی کے ساتھ کیا ہے اور خدا کے فضل سے نہ تو کبھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا ہوں اور نہ مجھے مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس وقت بھی مجھے اطمینان اور خدا پر بھروسہ تھا میں معمول کے مطابق بالکل بے خوف تھا کہ میرا خدا مجھے ہر مصیبت سے بچائیگا۔

بہر حال میں نے اسوقت بھی اپنے انسپکٹر کو از راہ مذاق یہی جواب دیا کہ سردارجی آگے بڑھے ہوئے قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہئے (میرے انسپکٹر ایک سردارجی تھے) تقریباً دس منٹ بعد ہاتھی بھی اسی سمت کو آگے آگے چل پڑا جس طرف مجھے جانا تھا اور پھر تھوڑی دور چلنے کے بعد لائن سے الگ ہو کر جنگل میں چلا گیا ہاتھی کے جنگل میں غائب ہوجانے کے بعد میں سمجھا تھا کہ اسوقت تک ہاتھی کہیں دور چلا گیا ہوگا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے جلد سے جلد نکل جانے کی غرض سے موٹر ٹرالی پوری رفتار سے چلائی ابھی میں مشکل سے سو گز ہی چلا تھا کہ وہ ہیم وشحیم ہاتھی جنگل سے نکل کر ریلوے لائن پر آگیا اور چیختا چنگھاڑتا ہوا سونڈ کو اوپر اٹھائے ہوئے حملہ کرنے کی غرض سے موٹر ٹرالی کیطرف تیزی سے دوڑ پڑا اس کے باوجود خداوند کریم نے میرے اندر ایک عجیب سا سکون پیدا کر دیا تھا مگر دوسری طرف سردارجی موٹر ٹرالی سے کود کر بھاگنے پر تیار نظر آرہے تھے میں نے ایک ہاتھ سے انکو روکا کہ اسطرح موٹر ٹرالی سے چھلانگ لگا کر کہیں کوئی خطرہ مول نہ لیں میرا دوسرا ہاتھ ایمرجنسی ہینڈ بریک پر تھا۔ گیر کو نارمل کیا اور ایکسیلیٹر زور سے دبا کر رکھا جس کی وجہ کر موٹر ٹرالی کی رفتار قابو میں تھی اور اسمیں بڑی زوردار آواز پیدا ہورہی تھی میں نے فوراً ایک فیصلہ کیا سردارجی اور پیچھے بیٹھے ٹرالی مینوں سے کہا کہ جب ہاتھی تقریباً پچاس گز کے فاصلہ پر رہ جائے گا اور ریلوے لائن کو نہیں چھوڑے گا تو میں بریک لگا کر ٹرالی روک دوں گا اور پھر سب لوگ پیچھے کیطرف بھاگ کر پیڑوں پر چڑھ جائینگے۔ ہاتھی غصہ میں اندھا ہورہا ہے اور وہ سب سے پہلے موٹر ٹرالی پر ہی حملہ کرے اسمیں توڑ پھوڑ کرے گا اور پھر کسی طرف کو چلا جائے گا۔ ورنہ پھر جو خدا کو منظور ہوگا وہی ہوگا اسوقت بھی مجھے پورا یقین اور اطمینان تھا کہ خدا میری اس احمقانہ ابتدا کی اتنی ذلیل انتہا نہیں کرے گا۔

ٹرالی آگے بڑھ رہی تھی اور سامنے سے وہ دیو ہیکل افریت غصہ میں حملہ آور تھا میرا ہاتھ ٹرالی کو روکنے کے لئے بالکل تیار تھا ٹرالی کی رفتار اسوقت زیادہ سے زیادہ دس میل فی گھنٹہ کی رہی ہوگی اب ہاتھی مشکل سے ساٹھ ستر گز کی دوری پر رہ گیا تھا اور میں بریک لگانے ہی والا تھا کہ خدا کی قدرت اور ملکوتی طاقتوں نے اپنا کام شروع کر دیا وہ بھی ایک عجوبہ واقعہ تھا ایسا لگا جیسے کوئی بڑی عظیم اور زبردست غیبی طاقت ہاتھی کو لائن سے باہر ہٹا رہی ہے ہاتھی چیخ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ریلوے لائن سے باہر نکل رہا تھا ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی زبردست طاقت اسکو باہر دھکیل رہی ہے ہاتھی پر کوئی غیبی دباؤ پڑ رہا تھا یہاں تک کہ وہ چیخ کر لائن سے باہر نکل گیا اور جس وقت اسکا آخری اور پچھلا پیر لائن سے باہر نکلا ٹھیک اسی وقت ٹرالی اس جگہ سے آگے نکل گئی میری موٹر ٹرالی کے آگے نکل جانے کے بعد ہاتھی پھر اور بھی زیادہ غصہ اور جنون کے ساتھ لائن پر آگیا۔ اور میری ٹرالی کا پیچھا کرنے لگا میں نے رفتار بڑھا کر فاصلہ اسقدر رکھی کہ ہاتھی کا اور میرا ایک سو میٹر کا محفوظ راستہ تھا اور اب میں اس کی رفتار، غصہ اور طیش سے لطف اندوز ہورہا تھا تقریباً ایک کلو میٹر کے بعد ریلوے کا ایک بڑا گرڈر کا پل آگیا جسکو ہاتھی پار نہیں کرسکا اور وہیں پر کھڑے ہو کر اپنی سونڈ اونچے کئے ہوئے چنگھاڑ رہا تھا۔ شاید اپنے قابو اور پہونچ سے باہر ہوجانے کے بعد مجھے گالیاں دے رہا تھا یا مجھے الوداع کہہ رہا تھا۔

اس سلسلے میں اگر یہ مان لیا جائے کہ ہاتھی موٹر ٹرالی کی آواز سے ڈر کر لائن سے ہٹ گیا تھا تو ایسی صورت میں ہاتھی کو دور چلا جانا چاہیے تھا جبکہ ٹرالی کے گذرتے ہی اسکا دوبارہ اور بھی زیادہ غصہ میں پلٹ کر دوبارہ پیچھا کرنے

کا عمل یہ بتلا رہا تھا کہ کسی زبردست غیبی طاقت نے اسے لائن سے باہر نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور اس طاقت کے نتیجے ہی اس نے اپنے اختیار عمل انتہائی مختصر میں دوبارہ جاری رکھتے ہوئے زوال کا پیچھا کیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ پاگل ہاتھی دوسرے ہی دن ایک ریل گاڑی کو دیکھ کر لائن پر کھڑا ہو گیا تھا اور سونڈ اٹھا کر چیخے (انگاف) ڈرائیور نے اس ہنگامی پیش آنے والے خطرے کے تحت گاڑی روکنی چاہی مگر قریب آتے آتے انجن کی ٹکر اس سے ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلنے لگا تھا۔ اس کے بعد ایک ہفتہ کے اندر ہی اس نے ایک کاشتکار کو جو جنگل کے قریب ہی اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا انتہائی غضب کی حالت میں اپنے پیروں کے نیچے کچل کر مار ڈالا اور اس کے بعد محکمہ جنگلات کی طرف سے اسے گولی مار دی گئی تھی اور اس طرح ان آیات کریمہ کی عملی تفسیر مجھے مل چکی ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا سید علی رضوی گوپالپوری کو بھی پیش آیا تھا جسے انہوں نے اپنی کتاب "رموز تنزیل" کے حصہ دوم میں تحریر فرمایا ہے کہ جب ان کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور اس وقت وہ عظیم آباد (پٹنہ) میں زیر تعلیم تھے تو اکثر نفس تفریح شام کو گولا بازار اسٹیشن کی طرف چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حسب دستور ریلوے لائن کے پہلو والی سڑک پر جا رہے تھے اور بغرض استنجا ریلوے لائن کو پار کر کے دوسری طرف جدھر گڈھوں میں برسات کا پانی بھرا ہوا تھا چلے گئے۔ جب واپس لوٹ رہے تھے تو مشرق کی طرف سے آتی ہوئی ایک تیز رفتار ٹرین کو آتا ہوا دیکھ کر فوراً اس لائن کو پار کر کے بغل والی دوسری لائن پر کھڑے ہو گئے تھے اور گاڑی کی تیز رفتاری سے لطف اندوز ہونے لگے۔ گاڑی لگاتار سیٹیاں بجا رہی تھی اور شور کرتی چلی آ رہی تھی۔ شاید انہیں دور سے دیکھا جا رہا تھا مگر انہیں اطمینان تھا کہ وہ آنے والی گاڑی کی زد سے بہت دور ہیں اور انہیں گاڑی کے لگاتار سیٹی بجانے کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ گاڑی سامنے سے گذرنے لگی اور اب جو انکی نگاہ مغرب کی طرف اٹھی تو دیکھا کہ ایک دوسری ٹرین بڑی تیزی سے بار بار سیٹی بجاتی ہوئی دوسری طرف سے آ رہی ہے جس کا فاصلہ ان سے صرف چند گز کا ہی رہ گیا ہے اور اس وقت تک انکا دھیان صرف پہلی گاڑی کی لگاتار سیٹیوں اور شور کی طرف سے اس طرف نہیں جا سکا تھا۔ اب تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے موت یقینی نظر آنے لگی آنکھیں بند ہو گئیں اس کے بعد کچھ ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا مگر انہیں ایسا لگا جیسے کسی نے انہیں زمین سے اٹھا کر لائن سے باہر پھینک دیا اور ٹرین اسی وقت پوری رفتار کے ساتھ سامنے سے گذر گئی۔

نگہبان فرشتوں کے متعلق اپنے ذاتی تجربات اور مولانا سید علی رضوی گوپالپوری کے واقعہ سے کچھ اس طرح کی مطابق تفسیر مل گئی ہیں کہ جس کی وجہ سے اس عنوان کو بھی حقائق قرآن میں شامل کر لینا ضروری معلوم ہوا۔ میرا تو خیال ہے کہ اسی قسم کے واقعات ہر شخص کو زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور پیش آتے ہوں گے جن سے قرآن پاک کی ان آیات کی عملی ترجمانی ہو جاتی ہے اور اس کتاب کو کتاب آسمانی قبول کر لینے میں کوئی احتمال باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

وهو القاهر فوق عباده ويرسل عليكم حفظة ۝

وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے (۶-۱۶)

آثارِ قیامت

قیامت کے سلسلے میں قرآن پاک میں متعدد آیات آئی ہیں جو موجودہ دور کی جدید سائنس سے حد درجہ اور ہر طرح مطابقت رکھتی ہیں۔ قیامت کے متعلق دورِ حاضر کے سائنسدانوں اور محققین کے نظریات جو انھوں نے زمین کے ابتدائی حالات اس کے تخلیقی دور سے اب تک کے ہر آن بدلتے ہوئے جغرافیائی حالات اور فطری نقوش کے پیش نظر قائم کئے ہیں انمیں سے اکثر کا کہنا ہے کہ اس دنیا پر قیامت آنے میں ابھی دس ارب سال لگ سکتے ہیں جنکا شمار مستقبل قریب کے کسی دور میں نہیں کیا جا سکتا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس قدر طویل مدت کو انتہی بعید کہنا بھی بہت پیش از وقت ہوگا۔ قیامت کے سلسلے میں ہمارے ائمہ معصومینؑ کا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ دنیا ابھی پوری طرح سے جوان بھی نہیں ہوئی ہے اور قیامت کے آنے میں ابھی اتنے سال لگ سکتے ہیں جتنے ریگستان میں ریت کے ذرات۔!!

علم طبیعیات اور فطری اصولوں کے مطابق مادہ کو تو آخر کار ایک دن ختم ہونا ہی ہے کیونکہ چوٹی کے عالمی ماہرین سائنس کی بھی تحقیق ہے کہ کائنات کے دوسرے سیاروں کے عناصر ترکیبی اور ان کے انجام پر غور کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس دنیا کے عناصر ترکیبی بھی انھوں سے ملتے جلتے ہونے کی وجہ سے اسکو بھی نہ تو دوام ہے اور نہ اس پر بسنے والی زندگیاں ہی دائمی ہیں۔ اس طرح یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ اس کائنات کی ہر شے فانی ہونا ہے اور اس دنیا میں بھی انجام کار ایک نہ ایک دن قیامت آنی ہی ہے علم سائنس کی اس حقیقت کو قرآن حکیم نے بھی کئی جگہ دہراتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیامت اس دنیا کا مقدر اور انجام ہے۔

الحاقۃ ما الحاقۃ ۝ وما ادرٰک ما الحاقۃ ۝

برحق ہونے والی کیا ہے۔ کیا چیز ہے وہ برحق ہونے والی اور تم کیا سمجھے ہو کہ برحق ہونے والی وہ کیا ہے۔
(۶۹، ۱، ۲، ۳)

ماہرین طبقات الارض نے بھی زمین کی سوانح حیات پر جو تحقیق کی اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دنیا ابھی جوان ہے اور فی الحال اسمیں کسی طرح کی کمزوری یا بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے ہماری آٹھ سیاروں پر مشتمل یہ نظام شمسی اپنے جس متعلقہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے وہ اپنا آتش افروز ایندھن حسب ضرورت بڑی پابندی اور یقینی انداز سے حاصل کر رہا ہے۔ اسکا ایندھن حاصل کرنے کا یہ سلسلہ تقریباً آئندہ دس ارب سال تک قائم رہ سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد کہیں جاکر اسمیں ہائیڈروجن گیس کی کمی محسوس ہو سکتی ہے یا شاید ذرا جلد

نظامِ شمسی اور قرآن

جیسا کہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں آچکا ہے اس کائنات میں لاکھوں اجرام فلکی کی طرح کروڑوں
سال پہلے سورج بھی ایک جلتے ہوئے بڑے آگ کے گولے کیطرح خلاؤں میں آہستہ آہستہ گردش کر رہا
تھا بالکل ایک ایسی بھٹی کیطرح جسمیں اسبات، لوہا، میگنیز، میگنیشیم، یورینیم، ہیلیم اور ریڈیم کے ساتھ
دوسرے جمادات اور پتھر پگھل کر جل رہے تھے جس کی لپٹیں ہزاروں میل تک پھیل رہی تھیں پھر تقریباً
چار ارب سال پہلے ایک دوسرا جلتی ہوئی گیس کا گولہ جس کی جسامت سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑی۔
تھی ہمارے سورج کے قریب سے گذرا اور پھر دونوں کی قوت جاذبہ کے تحت ہمارے سورج میں بہت
بڑا ہیجان اور انتشار پیدا ہوا۔ اور چونکہ ہمارا سورج حجم اور جسامت میں مہمان سورج سے بہت چھوٹا تھا لہٰذا اس
بڑے مہمان سورج کی قوت جاذبہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور اسمیں سے جلتی ہوئی سیال گیس کا ایک ٹکڑا
الگ ہو گیا اسکے بعد مہمان سورج تو جلدی اپنے مدار پر آگے بڑھ گیا اور سورج کی دائرہ کشش سے باہر نکل
گیا مگر سورج سے جدا شدہ یہ ٹکڑا ہمارے سورج اور مہمان سیارے کے درمیان دونوں کی کشش جاذبہ سے
متاثرہ ہو کر ایک ایسی فطری شکل اختیار کر گیا جس کے دونوں سرے تو پتلے اور درمیان گول مثل
شکر قند جیسا تھا جو گیسوں کے اجزات اور حدت کیوجہ سے کسی غبارے یا دھونکنی کیطرح پھولتا رہا اور
پھر ایکدن پھٹ کر بکھر گیا جسکے درمیانی حصے کے بڑے اور دونوں سروں کے پتلے حصوں سے
چھوٹے چھوٹے سیارے جو خلاؤں میں جل کر فنا ہو گئے اور کتنے ہی آج بھی ہماری دوربین نگاہوں سے اوجھل
ہیں انہیں کے وہی سات سیارے قابل ذکر ہیں جو ہماری زمین کیطرح سورج کے گرد گردش کر رہے
ہیں اور جنکا ذکر قرآن کریم میں سات آسمانوں کے نام سے آیا ہے "اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
طِبَاقًا ۝ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنا دیے ہیں" (۵-۱۷)

اور یہ سات آسمان اس نظام شمسی کے وہی سات سیارے زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری، زحل،
یورینس اور نیپچون ہیں جنکا اوپر کی آیت میں ذکر آیا ہے ٹوٹ کر الگ ہونے کے بعد ہماری زمین غیر مستحکم اور غیر
متوازن تھی جو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے محور پر چکر لگانے کیساتھ اپنے مدار پر گردش کر رہی تھی ایسی حالت
میں ہماری زمین سے الگ ہو کر اسکا بہت بڑا ٹکڑا اس کے گرد چکر لگانے لگا اور اسطرح زمین پر ایک
بہت بڑا داغ چھوڑ گیا جس پر اسوقت دنیا کا سب سے بڑا سمندر (بحر الکاہل) موجیں مار رہا ہے۔ اب یہی
سات سیارات ہماری زمین کیطرح اپنے اپنے مدار پر سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں اور چاند جو ہماری
زمین کے بطن سے ہی وجود میں آیا ہے اس زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اس طرح ایک ہی سورج کے

ایندھن کی کمی کی وجہ سے یعنی اس کے ایندھن میں کمی ہوگی جبکہ سورج میں انرجی، توانائی اور تابناکی کی کمی کی وجہ سے اسکی روشنی کم ہو جائے گی پھر ایندھن کے ختم ہونے کے نتیجہ میں سورج کی بھٹی میں مختلف طرح کے کیمیاوی عمل اور ردعمل کے نتیجے میں جلاوگری حدت شروع ہو جائے گی اور دنیا پر اسکا درجہ حرارت زیادہ ہو گا اس کے نتیجے میں زمین کا درجہ حرارت بھی اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس پر کسی ذی روح کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو سکیگا پھر ہر طرف خشک ریگزار ہوں گے یا تو جھلسے ہوئے درخت جلتی ہوئی چٹانیں۔ جہاں نہ پانی ہو گا اور نہ کوئی نباتات اور سورج ایک بہت بڑے سرخ رنگ کے ستارے کی طرح نظر آئے گا۔

اس سلسلے میں کچھ سائنسدانوں اور دانشوروں کے مطابق اسکا ایک امکان یہ بھی ہے کہ سورج ایک بہت بڑے سرخ ستارے کی شکل میں پھیلنے کے ساتھ ایک دن خلائے بسیط میں پھٹ اور ٹوٹ کر بکھرنا شروع ہو جائے گا اور پھر اس کے بہت بڑے اور بھاری ٹکڑے زمین سے ٹکرا کر بھونچال اور تخریب کاریاں پیدا کریں گے اور اس طرح زمین پر قیامت برپا ہو جائے گی۔

بہر حال اس بات سے تو سبھی متفق ہیں کہ اگر کوئی حادثاتی یا کوئی غیر متوقع واقعہ پیش نہ آگیا تو یہ زمین جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جوان ہے اور اسکا اختتام اسی وقت ہو گا جب سورج فنا ہو جائے اور اس کو ایندھن ختم ہو جائے جو ابھی وافر مقدار میں مل رہا ہے اور جس کے ختم ہونے کی ابھی کم از کم دس ارب سال تک کوئی تشویش نہیں ہے مگر اسکا قیاس حادثاتی اور غیر متوقع سانحات کی طرف بھی گیا ہے۔ انہیں سے اکثر کا کہنا ہے کہ ابتدا سے اب تک چالیس ارب سے زیادہ سیارے آپ ہی آپ جل کر ختم ہو چکے ہیں جو اب محض بیجان اور مردہ تاروں کی طرح چمک رہے ہیں اور انمیں زندگی یا روئیدگی کے آثار نہیں ہیں اسی طرح ہر سال تقریباً تیس اجرام فلکی خلائے بسیط میں یکایک دھماکے کے ساتھ جل کر فنا ہو جاتے ہیں۔

قیامت کے سلسلے میں ماہرین سائنس کے نظریات اور قرآن حکیم کی آیات دونوں میں سورج کی تباہی اور اس کے فنا ہونے کو اولیت اور فوقیت دی گئی ہے قرآن کی آیات میں "جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، جب سورج سرخ انگارا ہو جائے گا، جب سورج اپنی روشنی کھو دے گا" جیسے الفاظ اکثر مقامات پر آئے ہیں جو جدید سائنس کے نظریات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

جدید سائنس کے ماہرین کے مطابق سورج ایک بہت بڑا جلتا ہوا اور روشن گیس کا گولا ہے جو اپنے نظام شمسی کے وسط میں واقع ہے سورج کے گرد سات سیارے اور انہیں یہ زمین اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں۔ یہ سورج کائنات کے کروڑوں سورجوں میں سے ایک ہے سورج کی چمک، روشنی اور گرمی اس کی سطح سے آتی ہے یہ روشنی اور گرمی مستقل استواری اور مسلسل ہے جس میں نہ کسی طرح کی کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی اور اگر کمی و زیادتی محسوس بھی ہوتی ہے تو وہ موسموں کی تبدیلی ہواؤں اور دوسری جغرافیائی اور فطری تبدیلیوں کی وجہ سے بھی ہوتی ہے یا پھر کبھی کبھی گیسوں کے ابھار کی وجہ سے اٹھنے کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جس کو فلیئر FLARE دو شعلے اٹھنا، کہتے ہیں جو دس منٹ سے ایک گھنٹہ تک قائم رہتی ہے سورج میں قوس قزح کے RAIN BOW- کے مطابق رنگ ہوتے ہیں اور ان سارے رنگوں کے مرکبات کا نتیجہ سفید رنگ میں ظاہر ہوتا

ہے جو ان کے باہمی ربط کا نتیجہ ہے ان میں سے بہت سے رنگ اکثر منتشر ہو جاتے ہیں اور باقی بچے رنگ حاوی ہوتے
نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی سورج میں مختلف طرح کے خصوصی رنگ بھی دکھلائی دیتے ہیں سورج کے طلوع
اور غروب کے وقت جب وہ افق HORIZON پر نظر آتا ہے (آسمان اور زمین یا سمندر کے ملنے کا دائرہ HORIZON کہلاتا
ہے) اسوقت نیلے اور ہرے رنگ منتشر ہو کر افق پر پھیل جاتے ہیں اور سورج سُرخ رنگ کا نظر آنے لگتا ہے اکثر
بہت غور کرنے کے بعد جب وقت سورج کی سرخ روشنی بھی افق سے کہیں نیچے ہی ہوتی ہے اسوقت افق کے اوپر نیلے
اور ہرے رنگ کی روشنی کا انعکاس افق سے اوپر کو ابھرتا ہوا نظر آتا ہے اس کی حقیقت اسوقت زیادہ واضح ہو جاتی
ہے جب سورج سے نیلے رنگ کا ارتعاش ہوتا ہے جسکی وجہ سے آسمان گہرے نیلے رنگ کا دکھلائی دینے کے ساتھ
ساتھ سورج گہرے پیلے رنگ کا نظر آنے لگتا ہے سورج کی حرارت اور تپش کا براہ راست ناپنا اور معلوم کرنا ممکن نہیں
ہے جسکو بالواسطہ (INDIRECT) طریقوں سے علم طبیعات PHYSICS نے پایا ہے جو تقریباً 000,F
27,000 یا 15,000,000 پایا گیا ہے یہ گرمی سورج کے مرکز میں پیدا ہو کر بڑھتی ہوئی بتدریج اس کے سطح پر
آتی ہے جہاں سے یہ گرمی TEMPERATURE اور توانائی ENERGY گرم شعاعوں اور روشنی کی شکل میں -
RADIATE منعکس ہو کر ہم تک پہونچتی ہے سورج کا ۳/۴ حصہ ہائیڈروجن ہے جو سب سے ہلکا عنصر ELEMENT
ہے اور اسکا ۱/۴ حصہ ہیلیم HELIUM گیس ہے سائنس والوں نے ہیلیم گیس کو زمین سے پہلے سورج پر دریافت کیا تھا
اور وہاں کے سائنسدان ہیلیم سے سورج ہی مراد لیتے تھے جدید سائنس کی آج تک کی دریافت کے مطابق کائنات میں
۹۸ عناصر ہیں جنمیں ۹۱ عناصر ایسے ہیں جو ہماری زمین پر پائے جاتے ہیں اور باقی کی تخلیق غیر فطری ہے اور مصنوعی
طریقوں سے ہوتی ہے ان مذکورہ ۹۱ عناصر میں سے [illegible] عناصر سورج میں بھی پائے جاتے ہیں مگر انمیں صرف دو یعنی ہائیڈروجن
اور ہیلیم ہی ایسے ہیں جو قابل ذکر ہیں باقی عناصر شامل سے کل کا ایک یا دو فیصدی ہی ہیں جنکو جدید سائنس نے SP
ECTRUM طیف پیمانے حاصل کیا ہے سورج کے اندرونی رد عمل کے ذریعے سے ہائیڈروجن گیس ہیلیم میں تبدیل ہو کر
سورج کا ایندھن بنتی رہتی ہے جس سے بہت بڑی مقدار میں نیوکلیائی توانائی NUCLEAR ENERGY
پیدا ہوتی رہتی ہے جسکی وجہ سے سورج میں انتہائی گرمی اور چمک ہوتی ہے اور یہ چمک اسوقت تک قائم رہے گی
جب تک سورج میں ہائیڈروجن ایندھن کی شکل میں موجود ہے اور ہائیڈروجن کی کمی کے ساتھ ساتھ دھیرے
دھیرے سورج میں انرجی اور توانائی کی بھی کمی ہوتی جائے گی اور اس کی چمک دمک اور جسامت میں بھی تبدیلی
واقع ہوگی۔ ایندھن کی کمیابی کے نتیجے میں سورج کا مرکزی حصہ سکڑنا شروع ہو جائے گا۔
سورج میں ایندھن کے ختم ہونے پر مرکز میں حرارت کی کمی کی وجہ سے سکون آنا شروع ہوگی اسکی توانائی اور
اور چمک دونوں کم ہو جائیں گی سکڑنے کی وجہ سے سورج کے مرکز اور سطح کے درمیان ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔
سورج کے داخلی اور ساکت حرارت STATIC HEAT کے برابر بڑھتے رہنے کے نتیجہ میں سورج ایک
دھونکنی کی طرح سے پھولنا اور باہر کی طرف کو پھیلنا شروع ہوگا اور پھر وہ سرخ رنگ کے بہت بڑے گولے کی طرح
نظر آئے گا جو برابر بڑھ رہا ہوگا یہ کس قدر بڑھ سکیگا اور اس کی حد کہاں تک پہونچ سکیں گی یہ سب سورج
کے اندرونی ضخامت حجم اور ٹھوس پن MASS کے مطابق ہوگا جسکا اندازہ لگانا ابھی امکان ممکن نہیں ہے مگر اس

وقت سورج نہایت ہیبت ناک شکل کا دکھائی دے گا ایک ہیبت ناک انداز میں سرخ رنگ کا انتہائی گرم اور پھیلا ہوا علم سائنس میں اس کا نام RED GAINT (سرخ عفریت) رکھا ہے۔

جدید سائنس کے ان متعلق دلائل سے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات کس قدر مطابقت رکھتی ہیں اس کا اندازہ موجودہ دور کے دانشور بخوبی لگا سکتے ہیں

فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان ○

(قیامت کے دن جب آسمان پھٹے گا اور لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا (۵۵-۳۷)

اس آیت میں آسمان پھٹنے اور اس کے لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جانے کا ہی بتلایا ہے کہ قیامت کا دن انتہائی ہولناک ہوگا آسمان لال چمڑے کی طرح سرخ نظر آئے گا اسکی یہ رنگ سورج کی اس ہیبت ناک شکل سے ہوگا جو اسوقت پھیل کر اور لال ہو کر سرخ رنگ کے ایک بہت بڑے گولے جیسا ہو جائے گا اور اسی کا سُرخ پرتو ہر طرف افق پر چھا جائے گا انتہائی گرم اور سرخی مائل اسوقت کے سطح کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے اسوقت افلاک اور سیارے بھی ٹوٹتے اور بکھرتے نظر آئیں گے اور ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

یہاں اسوقت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک دوسری آیت جو اسوقت کے منظر کو اسطرح پیش کر رہی ہے۔

یوم تکون السماء کالمھل ○ وتکون الجبال کالعھن ○

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے مانند ہو جائیں گے۔
(۷۰-۸-۹)

!

ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا ○

اور یہ لوگ تم سے پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں تم کہو کہ میرا پروردگار ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا (۲۰-۱۰۵)

یہ آیات بھی روز قیامت کے اسوقت کی منظر کشی کر رہی ہیں جب سورج ہیبت اور سرخی مائل ہو جانے کی وجہ سے سطح پگھلے ہوئے تانبے کے رنگ کا ہو کر گرم ہو جائے گا ان آیات میں زلزلوں اور تصادم کی طرف بھی اشارہ ہے جس کے نتیجے میں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مختلف ٹکڑوں کے دھنکی ہوئی روئی کے مانند بکھر جائیں گے ان دھماکہ خیزیوں کی طرف سائنس کے محققین اور دانشوروں نے بھی اشارہ کیا ہے۔

واذا الشمس کورت ○ واذا النجوم انکدرت ○ واذا الجبال سیرت ○

جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی اور جب تاروں کی روشنی جاتی رہے گی اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے
(۸۱-۱-۳)

ان آیات کریمہ میں بھی قیامت کا ذکر ہے جس میں سورج کے بے نور ہو جانے اور اس کی روشنی ختم ہو جانے کی طرف اشارہ ہونے کے ساتھ ساتھ تاروں کی روشنی ختم ہو جانے کا بھی ذکر ہے یہ ایک سائنسی اور عقلی حقیقت ہے کہ تمام سیارے جو سورج کی وجہ سے ہی روشن ہیں اس کی روشنی ختم ہوتے ہی وہ سب بھی لازماً بے نور ہو جائیں گے اسی طرح تیسری آیت میں پہاڑوں کے پھٹنے اور بکھرنے کی طرف اشارہ ہے۔

سورج کی ساخت اس کی بناوٹ اور اس کے مائل بہ فنا ہونے کے ذکر کے بعد اس کی مدت حیات اور

اس کے مائل بہ فنا ہونے کے ردعمل اور نتائج پر بھی جدید سائنس نے روشنی ڈالی ہے اور منطقی و طبیعاتی دلیلیں دی ہیں اس سلسلے میں محققین اور سائنسدانوں کے مطابق جب سورج کا ایندھن ختم ہوجائے گا اور اسکی جوہری توانائی اور شعاعیں ختم ہوجائیں گی اور مرکز گرم ہوکر جامد حرارتوں کے تحت سرخ ہوکر دھونکنی کیطرح سے پھولنا شروع ہوجائے گا اور پھولنا کا وہ اتنا بڑا اور محیط ہوجائے گا کہ اپنے سب سے قریبی سیارے عطارد MERCURY کا سد راہ ہوجائے گا جسکے نتیجہ میں عطارد سیارہ سورج میں کھو کر جل جائے گا اسوقت سورج کے بھی کے بھی بہت قریب پہونچ جائے گا جس کے نتیجے میں زمین انتہائی گرم ہوجائے گی۔ ہر طرف آتشیں شعلے اٹھتے دکھائی دیں گے مارے گرمی کے سمندروں اور دریاؤں کا پانی خشک ہوجائے گا جدید سائنس کے ماہرین کے مطابق اسوقت کے آنے میں ابھی ۵ بلین (پچاس کھرب) سال لگ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں جدید علم افلاکیات نے جو نظریے قائم کئے ہیں ان کے مطابق زمینی زندگی کو بتدریج ختم ہونا ہے ان کے مطابق بھی اس کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ سورج کا ایندھن ختم ہوجانے پر جب اسمیں کسی قسم کا ردعمل باقی نہ رہ جائے گا اسوقت اسکا وسطی اور مرکزی حصہ ساکن حرارت STATIC HEAT کیوجہ سے گرم ہوگا۔ اس مرکزی گرمی کا سورج کے بالائی سطح پر اسطرح کا ردعمل ظاہر ہوگا کہ وہ سرخ انگارہ سا نظر آنے لگے گا اس کی کرنیں ختم ہوجائیں گی پھر وہ دھونکنی کیطرح سے پھولنا شروع ہوگا اسکا محیط اتنا بڑھ جائے گا کہ وہ ایک سرخ اژدہے RED GIANT کی شکل کا نظر آنے لگے گا ساری کائنات میں ہلکی سرخی اور سخت گرمی بڑھ جائے گی سورج پھیل کر اپنے قریبی سیارہ عطارد MERCURY کا سد راہ بن جائے گا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا ہماری دنیا بھی مارے گرمی کے جل بھن کر ختم ہوجائے گی مگر یہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہوگا۔

قیامت کے سلسلے میں اسطرح کی ملتی جلتی اور مطابقت رکھتی ہوئی کیفیات کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

اذا البحار سجرت ٥ — جب دریاؤں میں انتہائی گرمی سے آگ لگ جائے گی (یا) وہ خشک ہوجائیں گے ۸۱-۶

اس آیت میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ سورج کے زمین سے اسقدر قریب آجانے کیوجہ سے وہ جلنے لگے گی۔ دریاؤں اور سمندروں کا پانی ابلنے لگے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ اسمیں آگ لگ گئی ہے اور اسطرح سارے سمندر اور دریا خشک ہوجائیں گے۔

قیامت کی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ایک جگہ اسطرح سے بھی آیا ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے جب دریا خشک ہوجائیں گے قیامت کے سلسلے میں اسطرح کے واقعات کے رونما ہونے کے حوالہ جدید سائنس میں بھی مل رہے ہیں جو ایک نظریاتی حقیقت ہے۔ کیونکہ جب سورج ہی معطل اور بے نور ہوکر اپنی مقناطیسی کشش کھو دے گا تو اس کے نتیجے میں نظام شمسی کا مکمل نظام ہی درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور اس کے بعد یہ سیارے بدنظمی اور ابتری کا شکار ہوجائیں گے اور اسطرح کشش ثقل برقرار نہ رہ کر انکا ایک دوسرے سے تصادم ہوگا وہ ٹوٹ کر بکھرنا شروع ہوجائیں گے اور یہ سب زمین سے بھی ٹکرائیں گے گرمی کی انتہا اور شدت سے زمین کے سارے دریا خشک ہوجائیں گے۔

وإذا السماء انفطرت ۝ وإذا الكواكب انتثرت ۝ وإذا البحار فجرت ۝"

جب آسمان شگافتہ ہو جائیں گے اور جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب تمام (شور و شیریں) دریا بہا کر خشک کر دیے جائیں گے۔ (۸۲: ۱-۳)

یہ آیت بھی جدید سائنس کے علم فلکیات سے مختلف نہیں ہے اور ان کے نظریات کے مطابق بھی سورج کے انتہائی گرم ہو جانے زمین پر انتہائی گرمی کے باعث پانی کے خشک ہو جانے نباتات اور زندگیوں کے ختم ہو جانے کا یہ نقشہ کچھ ماہرین علم کیمیا نے نظریہ کاربن ڈائی آکسائیڈ (CARBON DIOXIDE THEORY) کی بنیادوں پر پیش کیا گیا ہے اور ان کے مطابق دنیا میں قیامت دو بلین برسوں سے پہلے ہی آ سکتی ہے۔ اس نظریہ کی ماہرین علم ریاضیات (MATHEMATICS) سے بھی تائید کی ہے مسٹر کالڈریا (MR. CALDERIA) اور مسٹر کاسٹنگ (MR. CASTING) نے جو علم ریاضیات کے ماہرین اور پنسلوانیا اسٹیٹ یونیورسٹی (PENNSYLVANIA STATE UNIVERSITY) سے تعلق رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ زمین آسمان اپنے انجام کو پہنچ جائے گی جس دن اس کے نقصان کو روکنے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ (CARBON DIOXIDE) کا فقدان ہو جائے گا جس کے نتیجے میں درختوں اور نباتات کا فوتی سلسلہ اور کیمیائی ردعمل ختم ہو کر رہ جائے گا۔ ان کے اس نظریہ کا انحصار اس بات پر ہے کہ سورج ایک دن اتنا زیادہ گرم ہو جائے گا جس کی وجہ سے زمین بھی سخت گرمی اور حرارت سے اثر انداز ہوگی۔ پہاڑیاں چٹانیں اور فضا گرمی کی حدت سے سب سے زیادہ متاثر ہوں گے جو نقصان کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ساتھ براہ راست رد عمل پیدا کریں گے۔ شدید گرمی سے پانی بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ پانی کے ذرات ٹوٹ کر بکھر جائیں گے آکسیجن (OXYGEN) اور ہائیڈروجن (HYDROGEN) علیحدہ الگ الگ ہو جائیں گے اور پھر ہائیڈروجن ایک شدید جھٹکے کے ساتھ تیزی سے اوپر فضا کے بیرونی سطح کی طرف چلی جائے گی۔

ان سارے نظریات کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے اور ایک سچائی حقیقت کی طرح سامنے آتی ہے کہ زمین پر انجام کار ایک دن قیامت آنی ہے اور قیامت کے آثار اور واقعات کے مختلف مکتبہ فکر کے دانشوروں کے نظریات بھی تقریباً ایک ہی جیسے ہیں۔ سب سے پہلے سورج سے ہائیڈروجن کا ختم ہو جانا اسطرح سورج کے ایندھن کے ختم ہو جانے کے بعد اس پر زوال آنا اور اسکی توانائیوں اور گیسوں کا ختم ہونا انرجی کے فقدان اور جامد حرارت کی وجہ سے سورج کا سرخ رنگ کا ہو کر موم بتی کی طرح پھیلنا اور پھر محیط میں اتنا بڑا ہو جانا کہ عطارد سیارہ کے دائرہ تک پہنچ کر اسکا سدباب ہو جانا۔ اسطرح سورج کا زمین سے بھی بہت قریب پہنچ جانا جس کی وجہ سے زمین کا انتہائی گرمی اور حرارت سے پگھلنا دریاؤں اور سمندروں کا خشک ہو جانا زمین سے نباتات اور تمام زندگیوں کا ختم ہو جانا سورج کا اپنی کشش ثقل کو کھو دینا اور پھر اس نظام شمسی کا درہم برہم ہو جانا اور سیاروں کا اپنے محور سے کٹ کر آزاد زمین کا سیاروں اور ان کے ٹکڑوں سے سخت تصادم ہونا اور پھر زمین پر بھیانک گڑگڑاہٹوں اور لرزہ خیز آوازوں کے ساتھ زلزلوں کا آنا زمین کا پھٹنا اور بکھرنا۔ پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور اسطرح زمین کا اپنے اختتام کو پہنچنا سب ایک ہی جیسے ہیں اور اگر کچھ تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ محض مدت اور وقفہ کا۔

ان سے متعلق چند اور آیات پیش کرنے کے بعد قرآن حکیم کی عظمت اور اس کے کتاب آسمانی ہونے کا اندازہ

لگایا جاسکتا ہے جس میں ان واقعات کا ذکر آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل کیا گیا ہے۔

کلا اذا دکت الارض دکا دکا ○ جب زمین توڑ کر چکنا چور کر دی جائے گی (۸۹-۲۱)

یا پھر الخلیں عجیب زلزلوں کا ذکر کرتی ہوئی مندرجہ ذیل آیات

اذا زلزلت الارض زلزالھا ○ واخرجت الارض اثقالھا ○

جب زمین بھونچال سے ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ (اندر کے دفینے وغیرہ) باہر نکال ڈالیگی (۹۹-۱-۲)

یا

واذا القبور بعثرت ○ جب قبریں ہلا کر تہہ و بالا کر دی جائیں گی (۸۲-۴)

قیامت کے زلزلے کی تباہ کاریوں کا اعتراف قرآن حکیم نے بڑے واضح الفاظ میں کیا ہے۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم ج ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم ○

اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے (۲۲-۱)

قیامت واقع ہونے کے سلسلے میں قرآن نفخ صور کے ذکر کے ذریعہ ایک اور اہم انکشاف کیا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے عظیم دھماکے کیطرف اشارہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین کو فنا کے گھاٹ اتار دینے والے دو بہت عجیب اور فیصلہ کن یکے بعد دیگرے دھماکے ہوں گے۔

یوم ترجف الراجفۃ ○ تتبعھا الرادفۃ ○ جس دن (نفخ صور) کی ایک بڑی دہلا دینے والی آواز آئے گی اس کے بعد (اسیطرح کی) ایک دوسری آواز آئے گی۔ (۷۹-۵-۶)

آثار قیامت کے آخری عنوان کے ساتھ خدا کی عظیم نوازشات و ارشادات کے سہاروں اور باب مدینۃ العلم کی مدد سے یہ ایک مختصر سا علمی سرمایہ اختصار کے قارئین و اہل نظر کے حوالہ کر رہا ہوں۔ کاش پڑھنے والوں کے کسی کام کا ثابت ہو سکے۔

کتابیات

قرآن مجید — مترجم و مفسر مولانا سید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی

کلام اللہ — مترجم مولانا فرمان علی صاحب قبلہ

نہج البلاغہ — کلام ربانی خطبہ قرآنی مولانا امیر المومنین علی مترجم سید انصار حسین صاحب (دہلی)

صحیفہ کاملہ — ادعیہ امام رابع مولانا السجاد زین العابدین علی ابن الحسین مترجم مولانا مفتی جعفر حسین صاحب

دروس شرعیہ حصہ دوم — مولانا سید علی رضوی صاحب قبلہ

سیرت سرور عالم — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

تاریخ احمدی — نواب شیخ احمد حسین صاحب مرحوم رئیس پریاواں

کلمۃ الحق (دو اول) — جناب حامد بن بشیر

معرکۂ ایمان و مادیت — جناب مولانا ابوالحسن علی ندوی

THE SEAL OF THE PROPHET & HIS MESSAGE
BY: MAULANA S. MUJTABA MUSVI LARI
TRANSLATED BY: HAMLD ALSAR

INTRODUCTION TO CLIMATE
BY: GLEN T. TREWARTHA

ENVERONMENTAL SCIENCE
BY: CHARLES E. KUPCHELKA & C. HYLAND

MODERN PHYSICAL CHEMISTRY
BY: PROF. R.P. RASTOGI

THE WORLD BOOK ENCYCLOPEDIA
BY: SCOTT FETZER COMPANY LONDON
VOL. 6, 14, 17, 19, 20, 22, 23

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ

اسلام کے حقیقی نظریات اور معارف کے ادراک اور آپ کے علمی، دینی اور روحانی ذوق کی تسکین کیلئے

عالم اسلام کے جید عالموں اور دانشوروں کی تحقیقی کاوشوں پر مبنی اور اپنے مواد کی صحت، دیدہ زیب کتابت عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت سے مزین ہونے کی بنا پر مندرجہ ذیل مطبوعات کتابوں کی دنیا میں یقیناً گراں بہا اضافہ ہیں

توبہ — دستغیب شیرازی — ۱۵/۰

تربیت اولاد — مولانا جان علی شاہ کاظمی — ۲۵/۰

اولین موذن اسلام حضرت بلال — سید حسن آبادی — ۴/۰

جناب فضہؑ — راحت حسین ناصری — ۴/۰

مجالس عظیم — مولانا سید کلب عابد صاحب — ۲۵/۰

سیرت امیر المومنینؑ جلد (۱) — مولانا مفتی جعفر حسین صاحب — ۱۲/۰

سیرت امیر المومنینؑ جلد (۲) — " " " — ۷۵/۰

الغفار (حصہ اول) — فروغ کاظمی — ۳/۰

تفسیر کربلا — " " — ۴/۰

درگاہ حضرت عباسؑ تاریخ کی روشنی میں (مرتبہ حسن لکھنوی) — ۲۵/۰

آل محمد کا دیوانہ بہلول دانا — ترجمہ عابدہ — ۲/۰

عرفان امامت، حالات امام زادگانؑ — ظفر عباس کشمیری — ۷/۰

البیان تفسیر سورہ الحمد — سید ابوالقاسم الخوئی — ۳/۰

اہل ذکر — ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی — ۷/۰

انتقام خونیں یا خروج مختار — سید محمد علی الہی — ۶/۰

اسلام اور جنسیات — ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی — ۳۰/۰

کائنات روشن — مرائی باقر علی خاں روشن لکھنوی — ۲۰/۰

تعقیبات نماز (پاکٹ سائز) — ۵/۰

اسلام اور عزاداری (مجموعہ مجالس کراچی) — طاہر جرول صاحب — ۲۵/۰

علوم القرآن — مولانا سید محمد ہارون صاحب — ۳/۰

صرف ایک راستہ — عبد الکریم مشتاق (پاکستان) — ۷/۰

قرآن اور جدید سائنس — مورس بوکائی — ۳۰/۰

الغفار (حصہ دوم) — فروغ کاظمی — ۵۰/۰

حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت — فروغ کاظمی — ۴۰/۰

قرآن اور سائنس — مولانا سید کلب صادق صاحب — زیر طبع

منازل آخرہ (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟) — شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ — ۳۰/

حقائق القرآن — الحاج سید امتیاز حیدر — ۴۰/

مولا علیؑ — تقاریر مولانا کوثر نیازی (پاکستان) و مولانا سید کلب صادق مشکلم — ۳۲

وظائف القرآن — سورۂ قرآن جلی حروف رنگین ایڈیشن — ۳۵/

امامیہ نماز — رنگین باتصویر — ۲۵/۰

قرآن مجید — مولانا سید فرمان علی صاحب رنگین جلی حروف

خطبات حضرت زینبؑ — مولانا ابن حسن نجفی — زیر طبع

ملنے کا پتہ

عباسؑ بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر، لکھنؤ ۳

قت اس نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں سات سیارے ہماری زمین اور چاند آتے ہیں جو تعداد میں نو ہیں اور یہی قابلِ ذکر ہیں اس سلسلے میں ایک بات اور بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ سات سیارے (آسمان) جنکا تذکرہ قرآن حکیم میں آیا ہے ماہرین فلکیات اور نجومیوں کو صدیوں تک اسکا کامل علم نہیں تھا اور وہ انہیں چاند اور سورج کو ملا کر سات کا شمار پورا کیا کرتے تھے اور ان دو سیاروں یورینس اور نیپچون کو بہت بعد میں طاقتور دوربینوں کی ایجاد کے بعد ہی دیکھا جا سکا ہے انھیں سات سیاروں کو "ہفت افلاک" یا سبع سیارہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے ان سات آسمانوں کی پیدائش کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے اس سلسلہ کی ایک آیت کا ذکر کرنا ضروری ہے "ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنا دیا (۲-۲۹)

دورِ حاضر کے تمام ماہرین سائنس افلاکیات (ASTRONOMERS) اس بات پر متفق ہیں کہ اس نظام شمسی کا وجود تقریباً چار ارب سال پہلے ایک بہت بڑے گیس کے گولے MASS OF SODIUM GAS سے ہوا تھا اور اس سے قبل یہ سات افلاک زمین اور چاند سب موجودہ سورج میں مدغم تھے جو بالکل اکیلا خلاؤں میں جلتی ہوئی گیس کی شکل میں گردش کر رہا تھا اور پھر ایک وقت میں وہ سب الگ الگ ہو گئے اور بالکل اسی نظریہ کا قرآن حکیم کی آیات میں ذکر ملتا ہے "ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ" پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا" (۴۱-۱۱)

اور اس حقیقت کو ایک دوسری آیت میں ایک اور طریقے سے واضح کیا گیا ہے "اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا" کیا کافر لوگ نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا کر دیا (۲۱-۳۰)

دورِ حاضر کا ماہر علم الفلکیات GAMOF کہتا ہے کہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ سورج ایک بہت بڑے گیس کا مجموعہ ہے اور سورج کے مسلسل اخراج سے اور بہت سے سیارے اور زمین وغیرہ وجود میں آئے اور انھیں گیسوں کے باقیات کا نام سورج ہے۔ انگریز ماہر فلکیات جیمس (JAMES) اس سلسلہ میں فرماتا ہے کہ "کروڑوں سال پہلے ایک بہت بڑا ستارہ اس بڑے گیس کے گولے کے قریب سے گذرا اور ان دونوں کی قوت جاذبہ کی وجہ سے ایک عجیب اور بے مثال کشش پیدا ہوئی اور پھر اس جلتی ہوئی گیس کے ڈھیر (سورج) میں ایک عظیم اور دہشتناک مد و جزر کی کیفیت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں سورج سے ایک تار کی شکل جیسی لمبی اور مخروطی شکل کے باہر آگئی اور خلاؤں میں تیرنے لگی جسکا ایک حصہ موٹا اور دوسرا پتلا تھا۔ یہ آتشیں مادہ اپنی تیز رفتاری سے گردش کے دوران انجان خلاؤں میں ٹوٹ کر بکھر گیا جس کے موٹے موٹے حصے بڑے سیارے اور پتلے حصے سے چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی فضائے بسیط میں تیرنے اور اپنے مدار پر گردش کرنے لگے۔ قرآن حکیم نے نظام شمسی کی ابتدا کو "دخان" دھواں (GAS) سے تشبیہ دیکر ایک عالمی صداقت بیان کی ہے اور ایک بہت ہی عظیم علم سے پردہ اٹھایا ہے دنیا کے سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ سوڈیم (SODIUM) ایک ایسی گیس ہے جس میں فولادی عناصر موجود ہیں اور قرآن کے لفظ "دخان"

"دھواں" میں گیس اور فولاد دونوں شامل ہیں ایک ایسی دھات جو انتہائی درجہ کی حرارت سے پگھل کر گیس کیطرح جل رہی ہو اس کیلئے "دخان" کا لفظ نہایت ہی موزوں اور برمحل ہے اور اسطرح اس نظام شمسی کے وجود میں آنیکے رموز قرآن حکیم کی آیات اس زمانہ میں بتلا رہی ہیں جب عقل انسانی کیلئے اس عظیم سائنس کا قیاس میں آنا ہی ممکن نہیں تھا اور یہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ قرآن ایک آسمانی کتاب ہے جو اس خداوند علیم و حکیم کیطرف سے نازل ہوئی ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔

ڈاکٹر بوکائے (DR.BUCAILLE) نہایت ہی پرخلوص الفاظ میں اعتراف کرتے ہے کہ: "قرآن نے ابتدائی ایام ہی میں ہمیں دور حاضر کے ترقی یافتہ جدید سائنسی نظریات سے روشناس کرادیا تھا کہ یہ نظام شمسی ایک بہت بڑے جلتے ہوئے گیس کے ڈھیرے وجود میں آئی ہے گیس کا ایک ایسا ڈھیر جسمیں ہائیڈروجن (HYDROGEN) اور ہیلیم (HELIUM) اور دیگر سوڈیم (SODIUM) دھاتوں اور پتھروں کیساتھ جل رہے تھے اور ایک عظیم ڈھیر خلاؤں میں آہستہ آہستہ گردش کر رہا تھا اور پھر ایک دن یہ عظیم گیس کا گولہ پھٹ کر خلاؤں میں بکھر گیا:

نظام شمسی کے ساتوں آسمان (سیاروں)، زمین اور چاند کا خلاؤں میں اپنی اپنی قوت جاذبہ کے تحت گردش کرنیکا قرآن حکیم میں خصوصیت کے ساتھ ذکر آیا ہے "وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝" وہی ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو بنایا یہ سب (چاند سورج اور ستارے) افلاک میں اسطرح چل رہے گویا تیر رہے ہیں (۲۳-۲۱)

اسطرح کائنات اور نظام شمسی کا علم آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی قرآن حکیم کے ذریعے مل رہا تھا جبکہ اس سلسلہ میں اس وقت کے ترقی یافتہ ملکوں کے ماہرین کے خیالات محض وہمی اور توہماتی ہی تھے جن میں سے کچھ کا ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

قدیم ہند کے مفکروں اور منجموں کے مطابق دنیا چپٹی تھی اور شیش ناگ کے ہزاروں پھنوں پر قائم تھی اور دنیا کو مرکز مان کر یہ سات سیارے چاند اور سورج اسکے گرد چکر لگا رہے تھے زمین کو کسی طرف جھکنے اور غیر متوازن ہونے سے روکنے کیلئے اس کے آٹھ کناروں پر آٹھ عظیم ہاتھی "دگج" یا "دگپال" نام کے کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ منجموں کا یہ بھی خیال تھا کہ دنیا ایک کچھوے کی شکل کی ہے جسکو تنو نامی گوالن اپنی پیٹھ پر سنبھالے ہوئے ہے۔ یونانی منجموں اور مفکروں کے مطابق زمین ایک تھالی کے مانند سپاٹ ہے جو ہرکیولیس کے بارہ کھمبوں پر ٹکی ہے اور یہ کھمبے انسان کے اعمال اور افعال ہیں کچھ کالویانی مفکروں اور منجموں کے مطابق دنیا چپٹی ہے جسکو ہرکیولیس نام کا ایک دیو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔

دنیا کے متعلق سب سے دلچسپ نظریہ اہل مصر کا تھا جنکے مطابق دنیا ایک بہت بڑے ہال کے فرش کی کی ہے اور نیلا آسمان اسکو چاروں طرف سے ڈھک کر چھت کا کام کر رہا ہے جو چار کھمبوں پر ٹکا ہوا ہے۔ قدیم چین والوں کا خیال تھا کہ یہ زمین سمندر پر ابھری ہوئی دیواروں پر قائم ہے۔ تبت کے لوگوں کا خیال تھا کہ زمین مینڈھکوں کی پیٹھ پر قائم ہے۔

یہ قیاسات اور نظریات آج چاہے کتنے ہی پر مذاق اور توہماتی کیوں نہ معلوم ہوں مگر اس بات کا ثبوت ضرور ہیں کہ اس سلسلے میں انسان کی تجسس اور تحقیق زمانہ قدیم سے ہی چلی آرہی ہے

یہاں یہ بات بھی کافی مضحکہ خیز ہے کہ دنیا کو کبھی تو گول اور چپٹی بنا لیا گیا کبھی تکونی۔ کبھی چوکور کبھی چھید کر دیے والی کبھی اسے ایک پتے کی شکل دیدی گئی کبھی ڈھولک کی تو کبھی شکر کی۔ یورپ کے مفکر ٹولیمی (TOLIMI) کا نظریہ اہل یورپ سے ایک ہزار سال تک اس غلط فہمی میں مبتلا کئے رہا کہ زمین ساکت ہے اور سورج اور ستارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ سترھویں صدی میں گیلیلیو (GALILLEO) نے زمین کی گردش کا نظریہ پورے وثوق اور ٹھوس ثبوت کے ساتھ پیش کیا تھا مگر اسوقت کے توہمات میں گرفتار منجموں اور پنڈتوں نے جنکا قیاس تھا کہ زمین اپنی جگہ پر ساکت ہے اس کے نظریہ کو بری طرح ٹھکرا دیا تھا۔

ان سارے توہماتی اور قیاسی نظریات کو پڑھنے کے بعد قرآن حکیم کی صداقت کا اندازہ ہو جاتا ہے جسنے آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل نظام شمسی کی بنی نوع انسان کو نہایت ہی واضح اور مکمل تعلیم دی ہے جسکو آج کے جدید سائنس کے ہر مذہب و ملت کا دانشور تسلیم کر چکا ہے اور قرآن مقدس کو کتاب آسمانی ماننے پر مجبور ہے اور اب علم سائنس اور جغرافیہ کا ابتدائی طالب علم بھی اس بات کو ثبوت کے ساتھ بتا سکتا ہے کہ دنیا گول ہے جو دوسرے سات سیاروں کے ساتھ سورج کے گرد اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے اور اب تو سائنسدانوں نے زمین کی مکمل معلومات حاصل کر لی ہیں اور اسکی پیمائش بھی کر ڈالی ہے کہ زمین گول نہ ہو کر نارنگی کی شکل کی ہے جس کے دونوں کنارے اوپر اور نیچے کیطرف سے دبے ہوئے پچکے ہیں خط استوا سے ہو کر گذرتے ہوئے زمین کا قطر (DIAMETER) ۱۲۷۵۶ کیلو میٹر اور قطبین سے گذرتے ہوئے اسکا قطر (DIAMETER) ۱۲۷۱۳ کیلو میٹر ہے زمین کا محیط CIRCUMFERENCE ۴۰۰۲۳ کیلو میٹر ہے۔ زمین کا کل رقبہ (AREA) ۱۹۷,۰۰۰,۰۰۰ مربع میل ہے اسکا حجم (VOLUME) ۲۶۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ مکعب میل ہے اسکا اوسط وزن ۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ٹن (TON) ہے۔ یہ اپنے محور (AXIS) پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لٹو کیطرح ناچ رہی ہے جو سورج کے گرد اپنا چکر ایک سال میں اپنے مدار (ORBIT) پر چل کر لگا لیتی ہے اور سورج سے اسکا سب سے نزدیکی فاصلہ ۹۲,۹۶۲,۰۰۰ میل ہے۔ آج کے دور کا سائنسدان اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں تک بھی علم ریاضی فزکس اور خلائی سائنس (SC - SPACE) کی مدد سے صرف پہونچنے کی کوششیں ہی کر رہا ہے بلکہ وہ چاند کی دنیا تک پہونچنے میں کامیاب بھی ہو چکا ہے۔ اسی سلسلے میں اس مخصوص کہکشاں کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہوگا جسمیں یہ ہماری نظام شمسی واقع ہے اور جسے علم نجوم اور سائنس اصطلاحات نے ملکی وے (MILKFYWAY) کا نام دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے اس کائنات میں بیشمار کہکشائیں بکھری ہوئی ہیں اور ہماری متعلقہ کہکشاں (MILKYWAY) بھی انھیں میں کی ایک ہے۔ ملکی وے اسقدر وسیع و عریض ہے کہ اسمیں ہمارے سورج کیطرح کے اور اس سے بھی بڑے اور جسیم کروڑوں - HUNDREDS OF MILLIONS. سورج زمینی نظام شمسی کے ساتھ اپنے اپنے مدار پر سرگرم عمل رہ کر ملکی وے کے گرد گردش کر رہے ہیں

اس کہکشاں میں بڑے عجیب، کثیف اور ضخیم نیوکلیائی ذرات کی دھول اور گیسوں کے بادل منڈلا رہے ہیں۔
ملکی وے کے نچلے اور باہری کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ہم اسکے کنارہ کے بعض حصے بڑی آسانی کے ساتھ بلا
کسی دوسرے استعانتی سہارے یا مدد کے بھی صاف موسم کی تاریک راتوں میں دیکھ سکتے ہیں جو آسمان پر ایک
روپیلے رنگ کی روشن سڑک جیسی افق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اسمیں
کہیں کہیں تاریک رخنے اور دھبے بھی نظر آتے ہیں جو حقیقت میں غبار اور گیس کے بادل ہیں جنکی وجہ سے
ہم ان کے پیچھے موجود ستاروں اور سیاروں کو نہیں دیکھ سکتے۔

ملکی وے کی شکل ایک بہت بڑی ٹکیہ (DISK) جیسی ہے جسکا مرکزی حصہ گردی اور ابھرا ہوا ایک بہت
بڑی گیند جیسا نظر آتا ہے یہ مرکزی گولہ ایک بہت بڑے دائرہ میں اپنے ساتھ گیس اور ریڈیائی دھول کے
ساتھ بہت بڑے مخروطی پنکھے کیطرح تیزی سے گردش کر رہا ہے۔ ماہرین فلکیات اس کہکشاں کو SIPRAL
GLAXY یا مخروطی چکروالی کہکشاں بھی کہتے ہیں یہ کہکشاں اپنے چاروں طرف گول دائرہ کی شکل میں
پتلی اور ہموار ہوتی چلی گئی ہے اور اسی ہموار کنارے پر باہر کیطرف ہمارا نظام شمسی بھی واقع ہے جسکی
وجہ سے ہم اپنے چاروں طرف لاتعداد روشن سیاروں اور ستاروں کی روشنی کا بھی نظارہ کر سکتے ہیں۔

ملکی وے کے اس باہری نچلے اور ہموار حصہ پر بیشمار چھوٹے اور بڑے تارے چھدرے انداز میں بکھرے
ہوئے ہیں یہ OPEN CLUSTER یا چھریرا جھرمٹ کہلاتا ہے ملکی وے کا باہری کافی دور تک پھیلا ہوا
تاروں سے مزین حصہ نیوکلیائی ذرات کی دھول اور گرد کے بادلوں کے ساتھ ایک بہت بڑے دائرہ میں
گھومتا ہوا ایک نورانی پنکھے جیسا نظر آتا ہے جسکو GALASTIC CLUSTER یا کہکشانی گچھا بھی کہتے ہیں۔

ملکی وے کے اس باہری نچلے سرے پر گیس اور دھول کے بادلوں کے ساتھ نئے ستاروں کی ایک بہت
بڑی تعداد ابھرتی اور تیزی کے ساتھ گردش کرتی نظر آتی ہے ان ستاروں کی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن
نہیں ہے۔ دوسری طرف اسکے مرکزی حصہ کے بہت بڑے ابھار میں بہت جسیم عظیم اور کہن سال ستارے
نظر آتے ہیں جو دور دور رہ کر ایک دوسرے سے قریب گھنے اور گنجان ہیں اور اسطرح ملکی وے کا درمیانی
اور مرکزی حصہ اپنے اندر بے شمار بڑے اور کہن سال ستاروں کے ساتھ ایک بہت بڑی گیند
جیسا ہے جسکے چاروں طرف دور تک پھیلی ہوئی پتلی اور ہموار نورانی ٹکیہ اپنے بیشمار چھدرے ستاروں
کے ساتھ تیزی سے گردش کر رہی ہے جو اپنے ساتھ ریڈیائی دھول اور برقی روشنی کے ساتھ ایک
نورانی ہالہ جیسا نظر آتی ہے درمیانی گھنے اور گنجان ستاروں کے گیند جیسی ابھار کو GLOBULOR
CLUSTER یا گردی جھرمٹ کہتے ہیں۔

ملکی وے کا ڈائمیٹر (قطر) DIAMETER ایک لاکھ نوری سال (100000 LIGHT YEARS)
ہے جبکہ ایک لائٹ ایر اس فاصلہ کا تعین کرتا ہے جسے روشنی کی رفتار ایک سال میں طے کر سکتی ہے جو تقریباً
(5-88 MILLION & MILLION MILLION) کے برابر ہوتا ہے ملکی وے کے مرکز سے اسکے کسی
کنارے کا فاصلہ دس ہزار نوری سال ہے ہمارے دنیا سے ملکی وے کے مرکز کا فاصلہ ۲۵۰۰۰

دو ہزار پانچسو نوری سال ہے اور اس کہکشاں میں واقع ہر ستارہ کا فاصلہ ایک دوسرے سے کم از کم پانچ نوری
سال ہے۔ علم الفلکیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ ملکی وے کی ضخامت MASS سورج سے تقریباً ۔۔ الین گنی
بڑی ہے۔ ملکی وے میں واقع تمام ستارے اس کے مرکز کے چاروں طرف ایک ہی رخ اور سمت سے چکر لگا رہے
ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے یہ ستاروں کا جھرمٹ اپنے مرکز کے گرد ایک نورانی پہیے کی طرح گردش کر رہا ہے۔
دھول اور گرد کی زیادتی کی وجہ سے ہم ملکی وے کے مرکز کی طرف زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتے مگر سائنسدان
وہاں سے آنے والی ریڈیائی لہروں RADIO WAVES اور کائناتی لہروں اور الفرا ALFRAWAVES
کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں جو ریڈیائی دھول اور بادلوں سے گذر کر آ سکتی ہیں اس سے اس بات کا پتہ
چلتا ہے کہ اس کہکشاں کا مرکز توانائی ENERGY کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جسے وہ اپنے چاروں طرف بکھرے
ہوئے ستاروں کے لئے فراہم کرتا ہے۔

اصلی۔ ریڈیائی اور الفرا لہروں کی دوربینوں سے اس بات کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ اس
کہکشاں کے مرکز میں بہت طاقتور اور عظیم کشش ثقل GRAVITATIONAL FORCE پایا جاتا ہے جو
اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے ستاروں پر بڑے جاذبانہ طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسقدر وسیع
و عریض دور تک پھیلی ہوئی کہکشاں میں واقع ستاروں کے جھرمٹ اس کے مرکز کے گرد ایک مقررہ رفتار سے
اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں۔ نجومیوں اور سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس کہکشاں کا مرکز ایک بہت بڑی کال کوٹھری
BLACK HOLE ہے۔ ایک کچھ نظر نہ آنے والی تاریک بھنور جس کی کشش ثقل اتنی طاقتور ہے کہ اس سے روشنی
تک باہر نہیں آ سکتی۔ ان کا نظریہ ہے کہ اس کے مرکز میں ارجی اور توانائی انہیں نیوکلیائی دھول اور گیسوں
سے پیدا ہوتی ہے جو اس کے گرد پھیلی ہوئی ہے اور مرکزی کشش ثقل سے متاثر ہو کر انہیں بطور ایندھن استعمال
ہوتی ہے ان نظریات میں کچھ تو اختلافات کو دخل ہے تو اس کا بہت بڑا حصہ محض قیاسات پر مبنی ہے ورنہ
" وھو الحکیم الخبیر ۵ "خدا ہر چیز پر قادر ہے غالب ہے۔ واقف کار اور حکیم ہے" (۶-۱۸)

فضائے بسیط اور خلائیں

قرآن حکیم میں فضائے بسیط اور خلاؤں کا بھی ذکر آیا ہے جس میں خداوند عالم نے دنیا کے حدود سے باہر نکلنے کی صورت میں زمین کی کشش ثقل اور خلاؤں میں ہر طرف اڑتی ہوئی جوہری چنگاریوں اور ریڈیائی تابکاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے گروہ جن و انسان اگر تم چاہو بھی تو دنیا کے حدود سے باہر نہ تو جا ہی سکتے ہو اور نہ کسی دوسری افلاکی دنیا میں جا سکتے ہو اور نہ وہاں سے واپس ہی آسکتے ہو۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ہماری دی ہوئی توفیق اور علم تمہاری مدد اور رہبری کرے۔ اس کے بعد پھر اس بات کی بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ زمینی حدود سے باہر نکلنے پر خلاؤں میں، شعلے اور آتشیں دھول اور چنگاریوں کی بھی بارش کی جائے گی۔

خلاؤں اور فضائے بسیط میں پرواز کے سلسلے میں جن خطرات اور خدشات کا آج سے چودہ سو سال قبل ذکر کیا گیا ہے اور خبردار کیا گیا ہے وہ سب آج کے جدید سائنسی علوم کے عین مطابق ہے۔ ان آیات گرامی کو سمجھنے سے پہلے فضائے بسیط کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد قرآن حکیم کی عظمت کا اندازہ اور اس کو کتاب آسمانی قبول کر لینے میں دنیا کی کسی قوم کو تردد نہ ہوگا۔ فضائے بسیط اور خلاؤں میں پرواز کرنے کیلئے تین ہزار فٹ کی بلندی پر سانس لینے کیلئے آکسیجن گیس کا ہمراہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے پھر دوسری دشواری حرارت کے بجائے گی زیادہ بڑھنے یا گھٹنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ سطح زمین سے اوپر اٹھنے پر تین سو فٹ بلندی پر ٹمپریچر (۱°c) کم ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ ۲۵ میل تک چلتا رہتا ہے اور آخر یہ نقطۂ انجماد سے بہت نیچے پہنچ جاتا ہے پھر اس کے بعد ہواؤں کا سب سے اہم اور زندگی کا سب سے ضروری بلٹ، اوزون OZONE ہے۔ اوزون کی تہہ کی موٹائی تقریباً ۱۵ میل کی ہے۔ یہ بہت تیز آکسیجن کی تہہ ہے جس کو آکسیجن کی اسپرٹ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ پرت سورج کی تیز حرارت اور دوسرے ستاروں اور سورج سے آتی ہوئی زہریلی گیس کو اپنے اندر جذب کر کے اس کے اثر کو معتدل اور بے ضرر کرتی رہتی ہے۔ یہ سورج سے دوسری کائناتی الٹرا وائلٹ کرنوں ULTRA VIOLET RAYS میں شامل زہریلی شعاعوں کو چھان کر ہماری دنیا کی طرف بھیجتی ہیں۔ اوزون بلٹ کے بعد تو سورج کی انتہائی جھلسا دینے والی آتشیں لپٹیں ہیں اور اس سے نکلنے والی زہریلی گیس یا تو پھر دوسرے سیاروں سے اٹھتی ہوئی چنگاریاں ہیں چھوٹے چھوٹے اجرام پانی سے ٹکڑے اور جوہری سالمات سے جا بجا گرد اور دھول اس جگہ پھر کم درجہ حرارت بھی

پگھلا دیگی ۱۲۷۰ تک پہنچ جاتا ہے جبکہ ۱۰۰ پر پہنچ کر پانی ابلنے لگتا ہے اور اوپر اتنی میل جانے پر درجہ حرارت ۲۰۰۰ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر فضائے بسیط میں دو سو میل اوپر پہنچ کرنے پر درجہ حرارت ۵۰۰۰ تک ہو جاتا ہے اب اس نقطہ پر پہنچے ہوئے تپش خلائی جوہری تابکاری برقی قوت رکھنے والے ذرات اور دھول کو ذہن نشین کر لینے کے بعد مندرجہ ذیل آیات کریمہ کا مطالعہ کیجئے اور قرآن کے کتاب آسمانی ہونے کا یقین کیجئے "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۔ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ" (۵۵-۳۳-۳۵)

اے گروہ جن وانس اگر تم میں قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکو گے تو نکل جاؤ مگر تم بغیر قوت اور غلبہ کے نکل ہی نہیں سکتے۔ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں (گیس) چھوڑ دیا جائے گا" (۵۵-۳۳-۳۵)

یہ خلائیں اور فضائے بسیط جو تاحد نگاہ دنیا کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اسکی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ کوئی انتہا۔ انہیں خلاؤں میں چاند ہماری زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ ہماری دنیا کیطرح اس نظام شمسی کے دوسرے سات سیارے PLANETS سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور ہمارا یہ سورج اپنی کہکشاں GLAXY میں بے شمار دوسرے سیاروں اور سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑے ستاروں کی طرح رواں دواں ہے اور دائیں پر توسیع ہے جدید طاقتور دوربینوں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ فضائے بسیط میں ایسی بے شمار کہکشائیں پھیلی ہوئی ہیں جنمیں کروڑوں سیارے اور لاکھوں سورج ایسے ہیں جو ہمارے سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑے ہیں اور یہ کہکشائیں بھی دوربینوں کی زد میں جہاں تک دکھلائی دے سکیں وہیں پر ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ اب تک۔

خلائی سائنسدانوں کے مطابق فضائے بسیط یا خلائیں اس جگہ سے شروع ہو جاتی ہیں جس جگہ سے ہواؤں کا کاروبار اس حد تک ختم ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اڑنے والی شے پر اثر انداز ہو سکے۔ زمین پر ہوا کا دباؤ ۱۴.۷ ہے اور چلنے کی مناسبت سے کم ہو جاتا ہے اور زمین سے تقریباً سو میل کی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہوا کا دباؤ صفر ہو جاتا ہے یہ وہ بلندی ہے جس جگہ پہنچنے کے بعد مصنوعی سیارہ SATELLITE زمین کے گرد بلا کسی رکاوٹ کے مہینوں گردش کر سکتا ہے مگر اتنی بلندی پر بھی کچھ نہ کچھ ہوا تو بہرحال ہوتی ہے جو مصنوعی سیارہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور پھر ایکدن وہ سیارہ رک کر گر جاتا ہے اور یا تو جل اٹھتا ہے اسکے زیادہ بلندیوں تک پہنچنے کے بعد مصنوعی سیاروں پر آفتابی طوفانوں کا بھی اثر ہونے لگتا ہے جو آہستہ آہستہ انکو ناکارہ کر دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ زمین سے سو میل سے زیادہ پر بھی ہوائیں ہیں مگر وہ زمین جیسی معدنی اور کثیف نہیں ہوتیں۔ فضائے بسیط میں ان ہلکی اور معدوم ہوتی ہواؤں میں جوہری اور سالماتی ذرات جوہری گیس اور تابناک گرد اور دھول ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یہ جوہری ذرات مثبت اور منفی برقیے سے چارج ہوتے ہیں اور تابکاریاں کرتے رہتے ہیں۔ خلا پیماؤں پر جانے کے سلسلے میں ان جوہری ذرات اور آفتابی کرنوں کے خطرات سے

سے بچاؤ کا مکمل اور تسلی بخش انتظام کرنے کے بعد ہی یہ مہمات ممکن ہو سکتی ہیں۔ انھیں خدشات اور خطرات کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ "تم پر آتش بھری گرد کی بارش کی جائے گی" بدلتے ہوئے زمانہ کے حالات اور ادوار کے ساتھ سائنس کے الفاظ، ٹیکنیکل ٹرم اور نام بدلتے رہتے ہیں مگر قرآن حکیم کے ارشادات اور تعلیمات ایسی زبان میں ہیں اور ایسے اسلوب میں ہیں جو ہمیشہ سمجھ میں آتے رہینگے ذہن انسانی آج سے چودہ سو سال قبل ان خلاؤں، فضائے بسیط، سالماتی تابناکیاں، برق پارے اور ان کے ساتھ خلاؤں میں اڑتا ہوا تابناک غبار ان سب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا ایک ایسا علم جو خلائی سائنسدانوں کیلئے آج بھی ادھورا ہے ایک ایسا معمہ جسکو پوری طرح حل نہیں کیا جا سکا ہے۔!!

خلائی پروازوں کے سلسلے میں جو مہمات چل رہی ہیں اور جو تحقیق و تجسس جاری ہے انکا تھوڑا سا تذکرہ کر دینا شاید قارئین کے لئے مفید اور معلوماتی ہوگا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے زمین سے تقریباً ۱۰۰ میل (کیلومیٹر ۱۶۰) کی بلندی سے فضائے بسیط کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جہاں ہوائیں بس برائے نام ہیں اور ان خلاؤں میں سیارچے دوسرے سیاروں کی گرد اور ذرات جوہری سالمات اور آفتابی تابناکیاں ہی ہر طرف بکھری ہوئی ہیں جنمیں زیادہ تر قوت برقیہ کے حامل ہوتی ہیں انکیں کا جوہری ذرہ کوئی شعاعوں کی مثبت PROTON سے تو کوئی منفی ELECTRON کی صفات رکھتا ہے۔ ان کے ساتھ خلاؤں میں ایٹمی اور سالماتی گیس GAS کی بھی ایک بڑی مقدار ہوتی ہے۔ جو ہر گزرنے والی شے پر اپنی تابناکی کے اثرات ڈالتی رہتی ہے اور خلابازوں کو بہت احتیاط کے ساتھ اپنا مخصوص لباس اور مخصوص خلائی جہاز استعمال کرنا پڑتا ہے چاند کی مہم پر جانے کے سلسلے میں یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ پرواز کی بلندیاں زمین سے جس قدر بڑھتی جاتی ہیں زمین کی کشش ثقل اسی قدر کم ہوتی جاتی ہے اور اسیطرح زمین کی کشش ثقل کم ہونے کے ساتھ ساتھ چاند کی کشش ثقل بڑھتی جاتی ہے پھر زمین سے دس لاکھ میل ۱۰۰۰۰۰۰ کی بلندی پر وہ مقام آتا ہے کہ جب زمین اور چاند کی کشش ثقل کی طاقت مساوی (برابر) ہو جاتی ہے اور اس جگہ کو خلائی سائنس کے الفاظ میں TRANSLUNER SPACE یا چاند کی متبادل خلا کہتے ہیں اس سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ خلاؤں میں اپنے نظام شمسی میں سورج ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اسکی عظیم کشش ثقل سے مغلوب، زمین اور ساتوں سیارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ مگر زمین، چاند اور دوسرے اپنی کشش ثقل بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے سیاروں پر بھی اثر انداز ہو کر اپنے اپنے معینہ مداروں پر گردش کرتے رہنے کا ذریعہ ہیں۔ سورج کا فاصلہ ہماری دنیا سے تقریباً ۹۳ ملین میل ہے اپنے ہی نظام شمسی کا سیارہ زہرہ VENUS زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے جسکا فاصلہ یہاں سے تقریباً ۲۵ ملین میل ہے۔

خلائی سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے اور خدا کی دی ہوئی توفیق اور مدد سے لوگ خلاؤں میں مختلف قسم کی مہمات پر جا رہے ہیں۔ مختلف تجربات کر رہے ہیں۔ اور آج اس نظام شمسی کے ایک سیارہ سے دوسرے سیارہ پر بھی کمندیں ڈالنے کی سوچ رہے ہیں خلائی پرواز بیسویں صدی کے انسان کی سب سے عظیم کامیابی ہے آج کے طاقتور اور دیو پیکر راکٹ مہیب اور گرجدار آوازوں کے ساتھ تاریکی

رنگ کا دھواں اور ریشنی نکالتے ہوئے خلابازوں کو لئے خلائی جہازوں کے ساتھ منٹوں میں خلاؤں کی بلندیوں پر لے جاتے ہے جہاں ہر طرف نیلا آسمان ہے اور اس پر جھلملاتے ہوئے روشن ستارے ہر وقت نظر آتے ہیں ہر کی مصنوعی سیاروں کو اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کے حدود میں بھی لے جاتے ہیں اور اسطرح کی تجرباتی پروازیں ہو رہی ہیں اور مصنوعی سیاروں کو موسمیات خبر نشر و اشاعت اور ٹیلی ویژن کی سہولتوں کیلئے بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہ خلائی دور ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء سے شروع ہوا تھا جب متحدہ ملک روس نے اپنا ایک مصنوعی سیارہ اسپوتنک "(۱)" SPUTNIK I خلاؤں کی طرف بھیجا تھا جس نے کامیابی کے ساتھ زمین کے چکر لگائے تھے اس کے بعد نومبر ۱۹۵۷ء کو روس نے ہی اپنا دوسرا مصنوعی سیارہ اسپوتنک دوم SPUTNIK II لائکا LAIKA نامی ایک کتے کو رکھ کر خلاؤں کی طرف بھیجا تھا جس نے زمین کی گردش بھی کی تھی یہ پہلا جاندار تھا جسے دور خلاؤں میں کسی جاندار پر خلاؤں کے اثرات کا اندازہ لگانے کے خیال سے بھیجا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد روس نے ایک آدمی کے ساتھ مصنوعی سیارہ ۱۲ اپریل ۱۹۶۱ء کو خلاؤں میں بھیجا تھا جس نے زمین کے گرد چکر بھی لگایا تھا۔ اس کے فوراً بعد روس کے خلابازوں نے جہاز سے باہر نکل کر خلاؤں میں تقریباً پندرہ منٹ تک پرواز بھی کی تھی مگر انھوں نے زمین کے گرد چکر نہیں لگائے تھے۔ اس کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء کو امریکہ کے ہوابازوں نے خلاؤں میں تیرتے ہوئے زمین کے گرد ایک چکر لگایا تھا اور اسطرح ایک خلائی دور شروع ہو گیا تھی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء خلائی سائنسدانوں کا ایک نہایت ہی مبارک دن تھا۔ جب امریکہ کے خلاباز نیل اے آرم اسٹرانگ NEIL A ARMS STRONG کے قدم چاند کی زمین پر پڑے تھے۔ اب تو بہت سی پرائیویٹ کمپنیاں خلائی پروازوں میں استعمال ہونے والے آلات، لباس اور دوائیں تیار کرنے لگی ہیں۔ نئی نئی دواؤں مختلف قسم کی دھاتوں اور کیمیاؤں کا خلاؤں میں رد عمل بھی دیکھا جا رہا ہے۔ یہ مصنوعی سیارے آنے والے خطرات، طوفان، سیلاب اور موسمیات کی تبدیلی کی اطلاع وقت سے بہت پہلے دیتے رہتے ہیں۔ ان مصنوعی سیاروں کے ذریعے ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن کا رابطہ اور سلسلہ دنیا کے کسی حصے سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (۳۱-۲۰)

"کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (غرض سب کچھ) خدا ہی نے یقیناً تمہارے تابع کر دیا اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں"۔ (۳۱-۲۰)

خلائی سائنس کی روز افزوں ترقیوں کے ساتھ ساتھ سائنسدانوں کی امیدیں بڑھتی جا رہی ہیں کہ اب وہ آئندہ سورج اور دوسرے سیاروں کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات فراہم کر سکیں گے۔ اب تو خلائی سائنسدانوں نے ایسے شٹل (SHUTTLE) بھی بنا ڈالے ہیں جو ٹھوس ایندھن سے چل کر اور خلاؤں سے واپس آ کر اپنے رن وے پر جہازوں کی طرح اتر سکتے ہیں اور ضروری توجہ اور مرمت کے بعد یہ شٹل ایک ہفتہ بعد پھر اپنے خلائی سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور زمین کے گرد چکر لگا کر جب چاہیں پھر بھی لوٹ

سکتے ہیں۔ خلائی پروازوں کے لیے کچھ خصوصی دواؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو انکو ہر طرح کی جوہری تابکاری اور برقی اثرات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ گو کہ اب یہ سب انتظام ان کے خلائی جہاز میں ہی ہوتے ہیں جو ان کو تابکاری ٹمپریچر اور برقیاتی اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ خلاؤں میں ہوا کا دباؤ بہت کم ہوجاتا ہے اور کسی دوسرے ستارے کی کشش ثقل کے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد یہ دباؤ پھر بڑھ جاتا ہے جس کے لیے خلابازوں کو خاص قسم کے لباس پہننے پڑتے ہیں جو اپنے اندر ہی ضروری ہوا کا دباؤ بنائے رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ باہر کے دباؤ کے کم یا زیادہ ہونے کا ان پر اثر نہیں ہونے دیتے اس کے علاوہ وہ لباس ان کو خطرناک قسم کی تابناک دھول PARTICLE OF SPACE DUST سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ خلاؤں میں حرارت اور گرمی بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے ان سب سے تحفظ کے لیے خلائی جہاز ایک خاص قسم خذفانی تاملوں CERAMICTI-LS ... سے بنائے جاتے ہیں انکے اوپر کی تہہ FELY MATERIAL (نمدہ کی ایک قسم) کی ہوتی ہے جو خلابازوں کو نقطہ انجماد سے بھی بہت نیچے کی ٹھنڈک اور سردی سے بچاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جوہری تابکاری سے بھی انکی حفاظت کرتی ہیں۔ اگر اتفاقیہ کوئی تابکار سالمہ ان پرتوں سے گذر کر کیبن میں داخل ہو بھی جاتا ہے تو خلابازوں کے تحفظ کیلئے خلائی جہاز میں لگا ہوا محافظ زندگی استعمال کرکے وہ اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں اگر ان تابکاریوں کی وجہ سے کوئی سالمہ ان پرتوں کو توڑ دیتا ہے اور انیس آدھے انچ سے بھی بڑا سوراخ ہوجاتا ہے پھر بھی خلاباز ان آلات کی مدد سے کیبن کا پریشر بہت عرصے تک معمول پر رکھ سکتا ہے اور اس درمیان میں وہ واپس لوٹ سکتا ہے وہ خلاباز جنکو جہازوں سے باہر نکل کر خلاؤں میں تجربات کرنے ہوتے ہیں انکے لئے لیے سربند AIRTIGHT لباس ہوتے ہیں جنکے اندر آکسیجن پہلے سے ہی بھری ہوتی ہے جو انکو سانس لینے، ہوا اور حرارت برقرار رکھنے میں ہی مددگار نہیں ہوتے بلکہ اس نظام شمسی سے باہر کے سیاروں اور آتشی سمندروں سے آتی ہوئی تابکاریوں اور سورج کی کرنوں اور شعاعوں سے بھی خلابازوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان تابکاریوں میں سب سے خطرناک سالماتی یا جوہری تابکاریاں ہیں جو مثبت اور منفی برقیے سے چارج ہوتی ہیں انھیں اکثر زہریلی گیسوں کرنوں اور تابکاریوں سے لیس ہوتی ہیں جنھیں کائناتی کرنیں COSMICRAYS GAMMA X-RAYS شامل ہیں انکی تابکاری انسانی خلیوں کو برباد کرکے ختم کر دیتی ہے۔

خلائی جہاز کے اندر حرارت کنٹرول کرنے کے بھی آلات ہوتے ہیں جو حرارت کی ناقابل برداشت کمی یا زیادتی کو معتدل اور قابل برداشت حدوں کے اندر رکھتے ہیں جسکی وجہ سے انتہائی کم یا انتہائی زیادہ ٹمپریچر زون سے گذرنے کے باوجود خلابازوں پر اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا ہے۔

خلاؤں میں جہاں پہنچ کر زمین کی کشش ثقل ختم ہوجاتی ہے اور ہوائیں نہیں ہوتیں وہاں پر خلابازوں کا وزن بھی کم ہوجاتا ہے اور وہ بلا کسی دقت یا رکاوٹ کے خلاؤں میں تیر سکتے ہیں بے وزنی انکے لئے کسی نقصان کا باعث نہیں ہوتی۔ اکثر خلابازوں کو ابتدا میں اس بے وزنی کی حالت میں کام کرنے میں سر کے چکرانے یا متلی کی شکایت ہوجاتی ہے۔ مگر یہ حالت چند دنوں کے بعد خود بخود ختم ہوجاتی ہے

اور بار بار فوری آرام کے لیے ان کو چکر آنے والی دوائیں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ اب آئندہ کے خلائی مہمات کے لیے سائنسدانوں نے خلائی جہازوں کو چرخی کی طرح چکر اور گردش دیکر انہیں کشش ثقل پیدا کرنے کا کامیاب تجربہ کر لیا ہے۔

خلابازوں کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھنے کیلئے خلائی جہازوں میں محافظ زندگی LIFE SUPPORT SYSTEM کا مکمل انتظام ہوتا ہے اور اس میں ہر وہ چیز مہیا ہوتی ہے جسکی خلاباز کو اپنی زندگی بچانے کیلئے ضرورت پڑسکتی ہے۔ یہ ہلکا اور سفری محافظ زندگی پشت پر پشتارہ کیطرح سے باندھ کر وہ خلاؤں میں باہر تجربات کرتے ہیں۔ خلائی جہازوں میں سانس لینے کا بھی مناسب انتظام ہوتا ہے جس میں آکسیجن OXYGEN اور نائٹروجن NITROGEN کی وہی مناسبت اور ترتیب ہوتی ہے جو ہماری دنیا میں پائی جاتی ہے ان آلات کے ذریعے سے زیادہ نمی یا کسی قسم کی گندگی کو روکنے کا بھی انتظام رہتا ہے ان خلائی جہازوں پر غذائیت سے بھرپور کھانوں کا بھی انتظام ہوتا ہے جب سب سے پہلے خلائی مشن پر APPOLO میں خلاباز بھیجے گئے تھے تو احتیاط کے طور پر انکی خوراک منجمد اور خشک تھی جو پلاسٹک ٹیوب میں بھری ہوئی تھی اور اسطرح مرغ کا شوربہ، کافی، کریم چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کٹے ہوئے گوشت اور ڈبل روٹی کے ٹکڑے بھی پلاسٹک میں بھرے ہوئے تھے خلاباز اس ٹیوب کو ایک سرے پر گرم پانی انجکٹ کرکے تھوڑی دیر تک اسکو ملاتا تھا پھر ٹیوب کے دوسرے سرے میں سوراخ کرکے اس غذا کو کھینچ کھینچ کر اور چوس کر کھاتا تھا۔ مگر پھر اس کے بعد کے خلائی مہمات پر چلنے والے اپالو کے خلابازوں کیلئے پلاسٹک ٹیوب کی ضرورت محسوس نہیں کیگئی اور اس بار تمام وہ سب کھانے خشک اور منجمد کرکے ڈبوں میں پیک کر دیئے گئے تھے جن کو وہ چمچ سے کھاتے تھے۔

اس کے بعد جب خلائی تجربہ گاہ SKYLAB خلا میں بھیجی گئی تو اس میں خلابازوں کیلئے پچھلے تجربات کی بنا پر اور معلومات کی فراوانی پر بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کرنے کی کوششیں کیگئی تھیں۔ اس اسکائی لیب میں ایک باورچی خانہ بھی تھا جسمیں وہ اپنے منجمد اور خشک کھانے کو گرم بھی کر سکتے تھے وہ چاندی کی پلیٹیں اور برتن بھی استعمال کرتے تھے ان کے لیے پینے کا پانی بھی اسی میں تیار ہوتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جہاز کی توانائی بھی اسی میں تیار ہوتی تھی یہ مشین آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ردعمل سے صاف پانی تیار کرتی تھی جو خلاباز پینے کے ساتھ ساتھ اسی پانی کو اپنی صفائی دھلائی اور بیت الخلا میں بھی استعمال کرتے تھے۔

خلاؤں میں سب سے بڑا مسئلہ پیشاب اور استعمال شدہ پانی کے ٹھکانے لگانے کا ہوتا ہے۔ خلائی جہازوں میں بیت الخلا بھی ہوتی ہیں مگر صرف انہیں جہازوں میں ہوتا ہے جنکو کافی دنوں تک خلاؤں میں رہنا پڑتا ہے جیسے خلائی شٹل یا اسکائی لیب وغیرہ۔ ان جہازوں میں بجلی کے ایسے آلات لگے ہوتے ہیں جن سے پیشاب اور استعمال شدہ پانی خشک کر دیا جاتا ہے اور فضلہ بھی خشک ہو کر ایک طرف اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔ جب خلاباز اپنے کسی تجرباتی کام کے سلسلے میں جہازوں سے باہر ہوتے ہیں تو انکے خصوصی لباس کے اندر پیشاب اکٹھا ہوتے رہنے کی ایک تھیلی بھی لگی ہوتی ہے۔ خلائی جہازوں میں خلابازوں کے سونے کا انتظام دو طرح

سے ہوتا ہے چھوٹے خلائی جہازوں میں تو ان کے سونے کا انتظام اسی سیٹ پر ہوتا ہے جس پر بیٹھ کر ہوا باز اپنے
جہاز کو کنٹرول کرتا ہے بے وزنی کیوجہ سے خود کو سوتے میں ادھر سے ادھر ڈھکنے اور تیرنے سے بچانے کیلئے
سونے سے پہلے وہ خود کو اپنی سیٹوں پر ہی پیٹیوں سے باندھ لیتا ہے مگر بڑی خلائی گاڑیوں میں ان کے سونے
کا انتظام الگ ہوتا ہے۔ جیسے اسکائی لیب میں یا خلائی شٹل میں ان کے سونے کے الگ کیبن ہوتے ہیں جنمیں
سلیپنگ بیگ جڑے ہوتے ہیں جنمیں بند کر کر خلاباز نہایت اطمینان کے ساتھ سو سکتا ہے اور پھر اسکو کہیں
ڈھکنے یا خلا میں تیرنے کا خطرہ نہیں رہتا۔

زیادہ عرصہ تک خلاؤں میں رہنے والے خلاباز کو کام کم اور وزن بالکل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے
دل، دماغ، مسلز اور دوران خون میں بہت کمزوری آجاتی ہے اسکائی لیب کا سفر جو کہ ۸۴ دنوں تک
جاری رہا۔ اس کے خلاباز روزانہ ۳۰ منٹ تک کثرت کرتے تھے۔ اور وہ غیر متحرک سائیکل یا پیر سے چلا کر
پہیوں کی اکسرسائز کیا کرتے تھے۔ تفریح اور دماغی تازگی کیلئے انکیلئے دلچسپ کتابوں، ناولوں، اور دلی فیتوں
اور ٹیپ ریکارڈر کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایسے ابتدائی خلائی دور میں خلابازوں کے زمین سے پرواز کرنے اور
پھر لوٹ کر آنے کے فوراً بعد انکی ڈاکٹری جانچ ہوا کرتی تھی۔ اور ڈاکٹر ان کا مکمل طبی معائنہ اور جانچ کرتے
تھے کہ ان کے جسم پر خلائی پرواز کا کیا اثر پڑا ہے اور اسی جانچ کے نتیجے میں ان کی غذاؤں اور دواؤں میں خاطر خواہ
اور حسب ضرورت رد و بدل اور نئی تجاویز عمل میں لائی جاتی تھیں اور پھر اسی کیمطابق سارا مناسب انتظام
کیا جانے لگا۔ اب ہر خلائی جہاز میں خاص خاص دواؤں کا ایک پیکٹ بھی ہوتا ہے جنمیں خصوصاً چھوت والی
بیماریوں اور پیٹ کی تکلیفوں والی دوائیں ہوتی ہیں۔ خاص حالات میں زمینی رابطہ کے ذریعے یہاں سے
ڈاکٹر خلابازوں کو علاج کے سلسلے میں علیحدہ سے ہدایتیں بھی دیا کرتا تھا۔

چاند کے سفر کے دوران خلابازوں نے تحقیق و ریسرچ کے سلسلے میں بڑے کام کئے تھے انھوں نے چاند
میں سائنس کے آلات لگائے تھے۔ اور وہاں کی مٹی اور چٹانوں کے نمونے لائے تھے جن کے مطالعہ سے بہت
سی نئی معلومات اور چاند کے بارے میں انکشافات ہوئے تھے اسطرح اسکائی لیب کے سائنداں اور ماہرین
نے سورج کی ہواؤں اور کرنوں کے نمونے اور سورج کی آتشیں بھبکوں کے سلسلے میں بہت سے مفروضات
اور حقائق اکٹھا کئے تھے ان لوگوں نے خلاؤں میں ہی رہ کر مصنوعی سیارہ بھی چھوڑا تھا جس نے زمین کے
چکر بھی لگائے تھے اور بہت سی جغرافیائی موسمیاتی اور کائناتی معلومات اکٹھا کی تھیں اور آج بھی یہ تحقیق و
تجسس جاری اور ترقی پذیر ہے مستقبل قریب میں خلائی پروازوں اور اس سلسلے میں کیجا رہی تلاش اور
تحقیق کے بہت ہی امید افزا نتائج ملنے والے ہیں جنمیں کائنات پر اور بھی واضح معلومات کے سلسلے میں تحقیق
دور دراز کے سیاروں اور ستاروں کے بارے میں مکمل معلومات وسیع تر ہوتی ہوئی کہکشاؤں کے راز اور
انکی تفصیلات خدا کی دی ہوئی توفیق سے روز بروز آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے ہیں الا یسجدوا للہ الذی
یخرج الخبء فی السموٰت و الارض و یعلم ما تخفون و ما تعلنون ۝ (۲۷ — ۲۵)
(اتنی سی بات بھی انھیں کیوں نہیں سوجھتی؟) کہ وہ لوگ خدا ہی کا سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور

زمین کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔" (۲۵-۲۶)

راکٹوں اور خلائی سفر کے سلسلے میں انسان کی تلاش اور اسکا تجسس کوئی نیا نہیں ہے سب سے پہلے ۱۹۰۳ء میں کونسٹینٹن ای سالکووسکی KONSTATINE-TSIOL KOVSKY. نام کے ایک اسکول ٹیچر نے خلائی پرواز اور راکٹ کے استعمال پر ایک سائنسی مقالہ پیش کیا تھا لیکن اسوقت لوگوں نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اس کے بعد امریکہ کے ایک ماہر سائنسداں روبرٹ ایچ گاڈرڈ ROBERT.H.GODARD نے ۱۹۲۶ء میں سیال ایندھن سے راکٹ اڑانے کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ پھر راکٹ کے سلسلے کی تحقیق و تجدید ۱۹۳۰ء میں جرمنی پہونچی جہاں اس پر مزید تحقیق و تجسس کے بعد لمبی اڑان والے راکٹ V-2 بنائے گئے اور پھر انہیں راکٹوں کی مدد سے جرمنی نے دوسری عالمی جنگ کے آخری مہینوں میں انگلینڈ اور بلجیم وغیرہ ملکوں پر دور دراز سے بم برسائے تھے اسی دوسری عالمی جنگ کے درمیان میں امریکہ نے جرمنی کے سیکڑوں V-2 راکٹ اپنے قبضے میں لے کر امریکہ بھیجے جہاں ان پر ریسرچ کا کام شروع کیا گیا تھا۔ عالمی جنگ کے اختتام پر امریکہ نے تقریباً دو سو جرمن ماہرین راکٹ کو اپنے یہاں بلا لیا اور انکی مدد و رہبری سے یہاں راکٹ ٹکنالوجی کو بہت فروغ ملا اسی درمیان بہت سے جرمن ماہرین راکٹ روس بھی چلے گئے اور اسطرح وہاں بھی راکٹ ٹکنالوجی کو فروغ ملنے لگا۔

امریکہ کا بلند ترین منزلوں کو چھونے والا پہلا راکٹ جرمنی کے V-2 کی بنیادوں پر ہی بنایا گیا تھا جو ۱۹۴۶ء میں فضاؤں میں چھوڑا گیا تھا اس راکٹ کی لمبائی ۱۲ فٹ ۷ میٹر تھی اور اس راکٹ کی اپنی آزمائشی پرواز ۲۵۰ میل کی بلندی تک تھی۔ اس کے بعد ہی امریکی فوج کی ٹیکنیکل ونگ نے ۱۹۵۸ء میں جوپیٹر JUPITER اور پرشنگ PERSHING نام کے درمیانے رینج کے راکٹ والے تھے جنکی پہونچ ۱۲۰۰ سو میل تک تھی اور پھر اس طرح دفاعی اور فوجی سامانوں کی ٹیکنالوجی نے ان پر لگاتار تحقیق و تجسس کی جس کے نتیجے میں آج کی دیو پیکر اور دور مار میزائلیں ابھر کر سامنے آگئی ہیں۔

کائنات میں لگاتار وسعتیں

نظام شمسی کے بعد کائنات میں لگاتار وسعتوں کا علم بھی سائنس کی دنیا کیلئے نیا اور تازہ ہے جسکے بارے میں موجودہ دور کے اوائل تک کسی کو علم نہیں تھا۔ مگر قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں اس حقیقت سے مندرجہ ذیل آیات میں آگاہی دیدی تھی۔ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۞ (۵۱-۴۷)

آسمانوں کو ہم نے ہی ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اسکو وسعت دیتے ہیں (۵۱-۴۷)

اس آیہ کریمہ میں کائنات کی وسعت کہکشاؤں اور ستاروں کے اور بھی وسیع دائرہ کیطرف پھیلنے اور ان کے دور ہوتے جانے کا ذکر موجود ہے۔ ابھی بہت زیادہ دن نہیں ہوئے جب یہ معلومات ماہرین علم الافلاک اور منجمین نے جدید اور طاقتور ریڈیائی دوربینوں کی مدد سے حاصل کی ہیں۔ ان طاقتور دوربینوں کے ذریعہ سے جب وہ ان دور افتادہ کہکشاؤں کیطرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے پایا کہ یہ کہکشائیں اپنے ایک نظم و ضبط کے تحت ہماری نظام شمسی (ملکی وے) MILKEY WAY سے لگاتار دور ہوتی جارہی ہیں۔ انہیں کی وہ کہکشاں جو ہماری دنیا سے سب سے نزدیک ہے اسکا فاصلہ بھی زمین سے تقریباً (۵۰۰) پانچسو نوری سال ہے۔ ان کہکشاؤں کے سبھی اجرام حرکت میں ہیں اور وہ سب قوت جاذبہ کے تحت اپنے اپنے مدار کو بڑھاتے ہوئے خلاؤں میں بلا کسی ٹکراؤ یا بے ترتیبی کے گردش کر رہے ہیں۔ جدید سائنس نے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ ان اجرام فلکی اور کہکشاؤں کا فاصلہ ایک مقررہ رفتار کے ساتھ نہ صرف ہماری دنیا سے ہی بڑھتا جارہا ہے بلکہ وہ سب ایکدوسرے سے بھی دور ہوتی جارہی ہیں جنکی سرعت رفتار ایک منٹ میں دو لاکھ میل تک پائی گئی ہے اور یہ توسیع کائنات کا عمل اہم انکشاف ہے۔ کہ یہ ستارے سیارے اور کہکشائیں مستقل طور سے ایک مقررہ سرعت رفتار کے ساتھ اپنے مدار اور حدود سے باہر کیطرف مائل بہ توسیع ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جو بیسویں صدی کے اوائل تک کسی کو معلوم نہیں تھیں۔ قرآن حکیم کی ان آیات کی تشریح علم الافلاک کے ایک ماہر بارسٹ BARREST کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوجاتی ہے۔

"ماہر افلاکیات طاقتور دوربینوں کی مدد سے اب دھیرے دھیرے اس راز سربستہ سے واقف ہوچکے ہیں کہ بہت دور دراز کی کہکشائیں اپنی ایک مقررہ رفتار کے ساتھ گردش میں ہیں۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ سب سے نزدیک والی کہکشاں کا فاصلہ ہماری دنیا سے پانچسو نوری سال ہے اسکی مہینہ گردش دوسرے ان سیاروں سے مختلف ہے جو ہماری دنیا سے قریب تر ہیں۔ ان کہکشاؤں کی یہ بڑھتی ہوئی دوری اور

کے مدار کی وسعتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہماری کائنات حرکت میں ہے اور باہر کیطرف پھیلتی جا رہی ہے
جسکی مثال بھاپ کے اس بلبلے جیسی ہے جو ہر آن پھیل رہا ہو۔"

اسی طرح ایک دوسرے سائنسداں فیفر (PFEFFER) کا خیال ہے کہ "یہ کائنات پھیل
رہی ہے اور یہ دیکھا جا رہا ہے کہ یہ کہکشائیں ایک دوسرے سے بھی دور ہوتی جا رہی ہیں اور ان کے فاصلے
بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ انہیں کی وہ کہکشاں جو ہماری دنیا سے سب سے دور ہے وہ بھی ایک منٹ میں
تقریباً ڈھائی لاکھ میل کی اشاری رفتار سے لگاتار دور ہو رہی ہے اسی طرح دوسرے اجرام فلکی بھی
ایک مقررہ رفتار سے ایکدوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں جسکی مثال بندوق سے نکلی ہوئی ایک گولی
جیسی ہے جو فضائے بسیط میں اوپر کہیں داغی گئی ہو اور جیسے نکلی ہوئی کرچیں اور ذرات منتشر ہو کر پھیلتے
جا رہے ہوں ٹھیک اسی طرح یہ کہکشائیں اور سیارے بھی ہر گھڑی پھیلتے اور دور دور ہوتے جا رہے ہیں۔"
فیفر آگے رقمطراز ہے کہ۔ "ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتدا سوڈیم ہیلیم اور
فولادی ذروں کے بڑے ڈھیرے ہوئی۔ یہ گولہ ہر گھڑی بڑھ رہا تھا اور پھٹ پڑنے کو تیار تھا۔ یہ
مادہ خلاؤں میں آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا جو سورج سے لاکھوں گنا بڑا تھا اور پھر ایکدن۔ آج سے تقریباً دس
ملین سال پہلے یہ عظیم ذخیرہ ایک مہیب دھماکہ اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک کے ساتھ پھٹ گیا
جس سے نکلے ہوئے آتشیں سیال کے ٹکڑے فضائے بسیط میں بکھر کر منتشر ہو گئے اور خلاؤں میں تتر بتر ہو گئے
اسکے ٹکڑے بکھرے رہے اور دور دور ہوتے جانے کا یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے جو ہر طرف پھیلتے اور اپنے
مدار کا دائرہ بڑھاتے جا رہے ہیں۔ یہ ٹکڑے بکھرے اور دور دور ہوتے جانے کا سلسلہ کب تک جاری رہیگا
کون جانے۔"!!

خداوند علیم و حکیم ذہن انسانی کو بھی اس عظیم تخلیق کائنات کیطرف متوجہ کرتے ہوئے اپنی خلاقی
وحدت اور حکیمانہ صنعت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

"إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ
يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۳-۱۹۰-۱۹۱)

بیشک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل کر آنے جانے میں
عقل والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں جو کھڑے بیٹھے اور ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں
اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ
پیدا نہیں کیا۔" (۳-۱۹-۱۹۱)

بیسویں صدی کے وسطی دور میں ایک انگریز دانشور اور منجم ہبل (HUBBLE) نے ان دور
افتادہ کہکشاؤں کی دوری اور سرعت رفتار کا مشاہدہ کرنے کے بعد نہایت ہی دور رس اور وسیع النظر
نتائج نکالے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ کائنات باہر کیطرف پھیل رہی ہے اگر ہم اسکا مشاہدہ کریں تو اندازہ

لگا سکیں گے کہ کائنات حقیقت میں پھیل رہی ہے اس کے مطابق اگر کسی کہکشاں سے آنے والی روشنی کا مشاہدہ کریں جو کروڑوں ستاروں کی مجموعی پیداکردہ ہے اور اس کے ساتھ ہی ہر ستارہ میں اپنی انفرادی روشنی اور حرکت بھی ہے اور ایسی روشنیاں کہکشاں کے اندر مختلف رفتار سے حرکت کرتی نظر آئے گی۔ تاہم ان انفرادی روشنیوں کی رفتار کہکشاں کی مجموعی روشنی کی رفتار سے کم دکھلائی دیتی ہے پھر ہم ساری کی ساری کہکشاں کی روشنی کی سرعت کا اپنی کہکشاں ملکی وے MILKY WAY سے موازنہ کریں تو ہم دیکھینگے کہ دور افتادہ کہکشاں کی ان رنگین روشنیوں کو SPECTRUM قوس قزاحی رنگوں کا آلہ پیمائش) طیف پیماں کی مدد سے دیکھنے پر ان ستاروں سے آتی ہوئی بدلتے ہوئے رنگوں کی روشنیاں سارے کہکشاؤں میں ایک ہی جیسی ملینگی۔ جو ہر بدلتے ہوئے رنگوں کی ساعتوں کے نوری سال ظاہر کرتی رہتی ہیں۔

ان مشاہدات کو ملکی وے سے قریب واقع کہکشاں (ANDROMEDA - GLAXY) سے ہی کیا جا سکتا ہے اور یہ پایا گیا ہے کہ یہ کہکشاں ہماری کہکشاں سے بڑی تیزی کے ساتھ دور ہوتی جارہی ہے اور پیچھے کی طرف ہٹ رہی ہے ہبل کے مطابق کسی کہکشاں کے دور ہوتے رہنے کی رفتار کا اسکے فاصلے سے براہ راست تعلق ہے یعنی جو کہکشاں ہم سے جسقدر دور ہے وہ اسی قدر رفتار کے ساتھ ہم سے دور ہورہی ہے ہبل نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ مختلف کہکشائیں اپنی الگ الگ سرعت رفتار رکھتی ہیں جو ایک دوسرے بالکل بے ربط اور مختلف ہیں۔ بہرحال ہر کہکشاں جس قدر مختلف رفتار کے ساتھ ہم سے دور ہوتی جارہی ہے اور اسطرح وہ ملکی وے سے بھی دور ہوتی جارہی ہے انکے دور ہوتے رہنے کی رفتار کا ان کے فاصلوں سے براہ راست تعلق ہے جو یہ ثابت کرنیکے لئے کافی ہے کہ یہ کائنات پھیل رہی ہے۔

ہبل نے اپنے اس نظریے کو ایک غبارہ نما (BALOON) نما کائنات کے ماڈل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسطرح اگر کائنات کو ایک غبارے کی مثل سمجھا جائے تو اس ماڈل سے کائنات کے بہت سے سربستہ راز۔ اسکے پھیلنے اور دور ہوتے رہنے کا اندازہ کافی حد تک لگایا جا سکتا ہے اگرچہ اسطرح کے ماڈل کو کائنات کا مکمل نمونہ نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسکو ایک مکمل مثالی ماڈل ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ غبارہ صرف سطحی حالات اور سطح پر پھیلنے اور دور دور ہوتے رہنے کا نظریہ ہی پیش کرسکتا ہے بہرحال اگر اس غبارے پر کہکشاؤں کو نقطوں کی شکل میں ظاہر کریں اور پھر غبارہ میں ہوا بھریں تو یہ پائینگے کہ جسطرح غبارہ پھولتا ہے اور پھر دائرہ نما چاروں طرف بڑھتا اور پھیلتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ نقطے بھی ایکدوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں اور دور دور ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر ظاہر کی گئی کہکشاؤں کی دوری بھی ایک دوسرے سے الگ اور دور ہوتی نظر آئے گی جو عجیب ترتیب سی نظر آئیگی۔ اور اسطرح انکی یہ دور ہوتے رہنے کی رفتار اور ہر کہکشاں کی اپنی انفرادی رفتار اور سمت بھی ہوگی کہکشاؤں کے یہ نقطے ایکدوسرے سے جسقدر دور ہوں گے انکے دور ہونے کی رفتار بھی اسی مناسبت سے زیادہ ہوگی ساتھ ہی ساتھ ہر کہکشاں کے اندرونی پھیلاؤ کی رفتار اور سمت بھی الگ الگ ڈھنگ کی ہوگی۔

مگر کیا غبارہ کائنات کی مثالی شکل ہوگا اور کیا اس پر کائنات کے ہر طرح کے عروض کا مکمل مشاہدہ

ہوسکیگا۔ ایسا ممکن نہیں ہے اور انہیں چند خصوصی اختلافات نظر آئینگے پھیلنے اور رنجھنے والے غبارے محض دو بعد TWO DIMENSIONED یعنی محض لمبائی اور چوڑائی ہی ظاہر کرتے ہیں جبکہ کائنات سہ بعدی THREE DIMENSIONED یعنی لمبائی چوڑائی اور موٹائی تینوں طرح کے پھیلاؤ کی حامل ہے اور اسطرح ایک غبارہ کائنات کی صحیح عکاسی نہیں کرسکتا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ببل BUBBLE کا ماڈل غبارہ کہکشاؤں اور ستاروں کے محدود ہوتے رہنے اور پھر ایک دوسرے سے دور ہوتے کا مثالی نمونہ ہوسکتا ہے

کائنات کے سلسلے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں کہ یہ محدود FINITE ہے یا لامحدود IN-FINITE جس پر ابھی تحقیق جاری ہے اور شاید جلد یا بدیر کوئی قابل اطمینان حل ہوسکے مگر ابتک اسکا لامحدود ہونا کچھ چند وجدانی فیصلوں CONCLUSIONS WITHOUT REASONS سے ہو پایا ہے اور یا پھر خداوند علیم وحکیم کی روایات پیش نظر ہیں جنہیں اسنے فرمایا ہے کہ:

اور آسمانوں کو ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور ہم ہی اسکو وسعت دیتے ہیں۔ (۵۱-۴۷) اور اسطرح اس کائنات کا سائنسی دنیا میں بھی لاانتہائی ہونا زیادہ قرین قیاس ہے گو کہ ان کے ذہن میں اس احساس کا سماجانا ایک وجدانی تخیل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کچھ دانشوروں کا نظریہ ہے کہ کائنات محدود ہے اور ان کے مطابق یہ بات بھی ماننی ہوگی کہ یہ پھیلتی ہوئی کائنات آخر ایکدن سمٹ کر اپنی پہلی حالت پر ضرور آئیگی گو کائنات کے محدود نظریہ رکھنے والے دانشوروں کو اسوقت کا ابھی لامحدود مدت تک انتظار کرنا ہے گا۔ در اصل حقیقت تو اسی خالق مطلق کو معلوم ہے جنھے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۲-۱۱۷)

وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے۔ (۲-۱۱۷)

کائنات کے پھیلتے رہنے کے سلسلے میں یہ نظریہ سب سے زیادہ قرین قیاس اور راسخ سمجھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے ابتدائی مراحل میں خلاؤں سے بھی اوپر کسی جگہ ایک بہت بڑا گھنا اور ٹھوس مادوں کا ڈھیر تھا جو ہر لحظہ بڑھ رہا تھا پھول رہا تھا اور اسکے گھنے اور ٹھوس پن میں عظیم دھماکے BIG BANG کے فوراً بعد انتشار اور پھیلاؤ ہونا شروع ہوگیا۔ اسوقت نہ تو کوئی سورج تھا نہ سیارے اور نہ کہکشائیں۔ بلکہ ایک تابناک اور رقیق مادوں کا ملا جلا ڈھیر تھا جسکی نہ کوئی شکل دی جاسکتی ہے اور نہ نام۔ ایسی چیز تو آگ ہی سے بھرپور تابناکی کہی جاسکتی ہے۔ جسکا درجہ حرارت انسانی تخیلات سے بھی زیادہ اور ہیبت ناک حدوں تک بلند تھا۔ پھر ملیوں لاکھوں سال بعد جب عظیم دھماکے کے بعد اس مادوں کے ڈھیر میں کچھ پھیلاؤ آیا ڈھیر مادوں کے جھنڈ در جھنڈ الگ ہونے لگے پھیلنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ انکے درجہ حرارت میں بھی کمی آنے لگی مگر اسوقت بھی ان جھرمٹوں کا ٹھوس پن اوسطاً بہت زیادہ تھا۔ کروڑوں برس بعد جب ان جھرمٹوں میں اور بھی پھیلاؤ آیا تو وسعت ہونے کے ساتھ ساتھ ستاروں اور کہکشاؤں کا وجود

بھی ہوا اور پھر الگ الگ کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں کے پھیلاؤ، فطری مادوں اور انکی ساخت کے لحاظ سے
وہ دھیرے دھیرے ٹھنڈے پڑتے رہے اس عظیم دھماکے (BIG BANG) سے مادوں کا وجود کس طرح سے ہوا
اور کیسے ہوا اس کے بارے میں مفکر اور سائنسداں کچھ کہنے یا بتلانے سے قاصر ہیں مگر جس سے باب مدینۃ العلم حضرت
علیؑ نے ان لفظوں میں پردہ اٹھایا ہے جو ہر مومن کے لئے قابل قبول ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "قادر ہے
وہ ہستی جس نے عدم سے وجود کو پیدا کیا" (نہج البلاغہ) اور یا پھر اس راز سے وہ قادر اور قدیم ہے اور
واقف ہے جو قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔

"وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٣-٢٩)

"جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ زمین میں ہے اسکو سب کی خبر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے" (٣-٢٩)

کائنات کی وسعتوں کے پیش نظر اور انکے بڑھتے ہوئے مدار کے نتیجے میں ذہن انسانی میں اکثر سیاروں
کے آپس میں ٹکراؤ کے خدشات بھی اکثر سامنے آتے ہیں اور اکثر بہت سے حادثات واقع بھی ہوتے رہتے
ہیں۔ مگر اس کائنات کا بنانے والا علیم و حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ رحمٰن اور رحیم بھی ہے جسکی مرضی کے بغیر نہ تو
اس کائناتی نظام میں کسی قسم کی بے ترتیبی ہو پاتی ہے اور نہ بے ضابطگی جو کسی سیارے کو بلا اس کے حکم کے
فنا کے گھاٹ اتار سکے۔

اسی سلسلے میں موجودہ دور کے ایک نہایت ہی اہم اور سنسنی خیز خبر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہوگا
جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ ہیجان انگیز بھی ہے اور جسکی اطلاع آجکل کے اکثر اخباروں سے بھی مل رہی ہے
ابھی دسمبر ۱۹۹۲ء کے سائنس رپورٹر میں TARGET-EARTH "زمین نشانہ کی زد میں" کے عنوان سے ایک
مضمون شائع ہوا ہے کہ ہماری دنیا کو ایک دمدار ستارہ COMET کی ٹکر کا ۱۴ اگست ۲۱۲۶ء کے دن بہت بڑا خطرہ
ہے اور وہ دن ہماری دنیا کا یوم آخر بھی ہو سکتا ہے۔ دانشوروں اور منجموں کی پیشین گوئی کے مطابق اگر
زمین کی ٹکر اس بڑے دمدار ستارہ سے ہو گئی تو پھر وہ دن ہماری دنیا کے لئے نہایت خطرناک اور سخت ہوگا۔
سیاروں کے دور ہوتے ہوئے اور انکے بڑھتے ہوئے مدار کے اثرات کے تحت ۱۹۸۲ء میں ایسی ہی ایک پیش گوئی
JUPITER EFFECT "مشتری کے اثرات" کے تحت ہوئی تھی جسمیں یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ایک ایسا
لمحہ بہت جلد آنے والا ہے جب بہت سارے سیارے سورج کی دوسری طرف ایک ہی خط مستقیم پر ہو کر زمین
پر بڑا ہی تباہ کن اثر ڈالنے والے ہیں جسکی وجہ سے مہیب زلزلے، عظیم جوار بھاٹے اور بدترین تباہ کاریاں ہونگی
مگر پھر یہ راز نظام قدرت کے تحت بال بال بچ گیا تھا اور ٹل گیا تھا۔

ویسے اس قسم کی چھوٹی موٹی حادثاتی ٹکریں تو دوسرے چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی سے زمین کی ہوتی ہی
رہتی ہیں جو اس کائنات کے ہر آن توسیع ہونے کے تحت عمل میں آتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں مزید معلومات
کے لئے ہمیں اپنے نظام شمسی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں شامل جملہ سیاروں کے ساتھ وہ
چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی بھی ہیں جو سورج سے الگ ہوئے ابتدائی آتشیں تودے کے پچلے حصے سے ٹوٹ کر
بکھر گئے تھے اور جو پتھروں اور سنگلاخی دھاتوں اور برف سے ملی جلی شکلوں میں آج بھی سورج کے گرد

گردش کر رہے ہیں اور کائنات کی وسعتوں کے ساتھ ہماری دنیا پر بھی انکا اثر انداز ہونا لازمی ہے انہیں کے اکثر ضخامت اور وزن کی کمی کیوجہ سے سورج کی کشش ثقل سے متاثر ہو کر اکثر ختم بھی ہو چکے۔ اکثر خلاؤں میں فنا ہو گئے۔ اکثر اس نظام شمسی کے حدود سے باہر دوسرے ستاروں سے متاثر ہو کر کہیں دور چلے گئے اور اپنی ثقل کی کمی کیوجہ سے آوارہ سیاروں کیطرح کائنات میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور کبھی کبھی بڑے سیاروں سے ٹکرا کر حادثات برپا کرتے رہتے ہیں۔ ایسے اجرام فلکی کی بہت بڑی تعداد آج بھی مریخ MARS اور مشتری JUPITER کے درمیان پائی جاتی ہے اور اتفاق سے ہماری زمین کا مدار ان دونوں سیاروں کے درمیان سے ہی گزرتا ہے ان چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی کی تعداد اب تک تقریباً تین ہزار شمار کیجا سکی ہے جو اکثر ہماری زمین کے مدار کو کاٹ کر گزرتے رہتے ہیں۔

اسکے علاوہ وہ دمدار سیارے بھی ہیں جنکی لامتناہی مدار ہماری اس نظام شمسی سے بھی اربوں میل دور تک پھیلی ہوئی ہے جنکی دوری کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے یہ سیارے دھاتوں پتھروں اور برف کے ٹکڑے جیسے ساخت کے ہوتے ہیں جنکی ایک بہت لمبی جھاڑو جیسی دم بھی ہوتی ہے جو برآن جوہر توانائی کے اثر سے خوب تیز روشنی بکھیرتی رہتی ہے انکا گذر بھی ہماری نظام شمسی سے ہو کر دس لاکھ سال سے تیس لاکھ سال بعد ہوتا ہے انہیں آج ہی افلاکیات اور نجوم انہیں سیلانی اجرام CELESTIAL WANDERERS بھی کہتے ہیں انکے مدار کا تعین کیا جانا بھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ یہ فضائی اور کائناتی جوہری شعاؤں سے بھی متاثر ہوتے رہتے ہیں اور دوسرے سیاروں کی کشش ثقل سے بھی یہ سیارے کائنات کی ان لامحدود اور دور دراز وسعتوں کیطرف نکل جاتے ہیں جہاں سے پھر لاکھوں برس بعد ہی واپس ہوتے ہیں یہ دمدار سیارے جب کبھی ہماری زمین کے مدار کو کاٹتے ہوئے گذرتے ہیں تو حالات بہت سنگین ہو جاتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ تقریباً چھ سو پچاس لاکھ سال پہلے ہماری زمین کی ایک چھوٹے سے سیارے سے ٹکراؤ کے نتیجے میں ڈائنا سور DYNOSOUR کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے ختم ہو گیا تھا جبکہ یہ سیارچہ محض ۱۵ کلو میٹر ڈائیمیٹر کا رہا ہوگا۔ ٹکر کے بعد یہ چھوٹے چھوٹے سیارچے یا تو جل جاتے ہیں اور یا پھر تحلیل ہو جاتے ہیں مگر اپنی ریڈیائی توانائی کا اثر بہت دنوں تک کیلئے چھوڑ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا حادثہ ۱۹۰۸ء میں ہوا تھا جبکہ ایک دمدار سیارہ جسکا ڈائمیٹر محض سو میٹر ہی رہا ہوگا زمین پر روس کے علاقہ میں پھٹ پڑا تھا جس کے نتیجہ میں سائبیریا میں واقع دریائے پوڈکامنا تنگسکا PODKAMENNA TUNGUSKA کا ہزاروں کلو میٹر میدانی اور جنگلی علاقہ چٹیل ہو کر نیست و نابود ہو گیا تھا پھر اسطرح کی ایک ٹکر ابھی حال ہی میں ۲۲ مارچ ۱۹۸۹ء کے دن جب زمین کی ایک سیارچے سے ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اور وہ خوش قسمتی سے دنیا سے سات لاکھ کلو میٹر کے فاصلے سے گذر گیا تھا اسکا ڈائمیٹر اگرچہ میل کے نصف کیلو میٹر ہی سا ہوگا لیکن اگر اس کی ٹکر زمین سے ہو گئی ہوتی تو اسکے دھماکہ کا اثر ایک کروڑ ٹن کے برابر ہوتا جس کی وجہ سے زمین پر تقریباً سات کلو میٹر ڈائمیٹر کا گڈھا پڑ گیا ہوتا۔

اسی طرح کے ایک دمدار ستارے سے ٹکر کا خدشہ ایک بار پھر ہماری دنیا پر منڈلا رہا ہے جو آج سے ۳۴ سال
بعد ہونے والا ہے اور اگر خدانخواستہ زمین کی ٹکر اس ستارے سے ہو گئی جو ہزاروں میل کی رفتار سے بڑھ
رہا ہے اور جسکا ڈائمیٹر بھی سو کلومیٹر کا لگایا جا رہا ہے اور وہ چٹانوں اور برف کا ملا جلا ڈھیر ہے تو اسکی وجہ
سے زمین پر ایک عظیم گڈھا بن جائیگا اور اس جگہ سے تقریباً ۱۲۵ میل .... اتنی مٹی اور
چٹانیں اڑ کر آسمان کی طرف چلی جائینگی اور پھر اگر اسکی ایک فیصدی ۱٪ دھول بھی اڑ کر فضائے بسیط تک
پہنچ گئی تو اسکے نتیجے میں دنیا مہینوں تک گہری تاریکیوں میں ڈوبی رہے گی۔ ہر طرف آگ کے شعلے بلند
ہونگے اور سورج کی شعاعیں اس دبیز ہوئی دھوپ اور کالی کالی دھول سے نہیں گذر سکینگی۔ اس
دھماکے سے ہوائیں ایک لاکھ میل تک عنقا ہو جائیں گی اور کہیں آکسیجن کا نام و نشان بھی نہ ہوگا اگر یہی
ٹکر سمندری علاقوں میں ہوئی تو پانی کی بہت اونچی لہر اٹھ کر آسمانوں کی طرف بلند ہوگی۔ ہر طرف جوار
بھاٹے اور سیلاب کا سماں ہوگا آبی اور خشکی کی زندگیاں تباہ و برباد ہو کر رہ جائینگی۔ سمندر کی تہیں
نظر آنے لگیں گی اور لہریں آسمان سے باتیں کرتی نظر آئینگی۔ اس دمدار ستارے کا نام بھی دانشوروں
لیوس سیفٹ LEWIS SWIFT اور ہورس ٹٹل HORCETUT کے نام پر SWIFTTUTTLE
رکھا گیا ہے جنھوں نے اسے پہلی بار ۱۸۶۲ء میں زمین کی مدار کو کاٹ کر گذرتے ہوئے دیکھا تھا اور اب
دی سویفٹ ٹٹل جب نومبر ۱۹۹۲ء میں سورج کے گرد گذرتے ہوئے دیکھا گیا تو ماہرین فلکیات اور
دانشوروں نے یہ پیشین گوئی کردی ہے جب یہ دمدار ستارہ اپنی واپسی کے دوران زمین کے مدار کاٹتا
ہوا گذرے گا تو اسکی ٹکر ہماری زمین سے ہو سکتی ہے مگر ابھی یہ پیشین گوئی بہت پیش از وقت ہے۔ اور
ایک لمبے عرصے کے بعد ہونے والے حادثہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جسکا اندازہ انھوں نے علم نجوم کی
معلومات اور تخمینوں سے ہی لگایا ہے۔ گو یہ پیشین گوئی بہت پیش از وقت کی بات ہے ایک ایسے حادثہ
کی پیش بینی جو ایک لمبے عرصہ کے بعد ہونے والی ہے ایک سیلانی ستارہ کے متعلق اسقدر وثوق کے ساتھ
کہنا کہ اس کی سیدھی ٹکر ہماری زمین سے ہوگی بہت زیادہ قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ دمدار ستارہ جسکا
مدار واضح نہیں ہوتا اسکا تعین اتنے پہلے سے کر لینا صحیح نہیں ہوگا۔ دمدار ستارہ ایک سیلانی ستارہ ہی ہوتا
ہے جس پر دوسرے بہت سے ستاروں کی کشش ثقل ہر گھڑی اثر انداز ہوتی رہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ
ستارہ کائناتی اور خلائی جوہری توانائی اور تابکاری سے متاثر ہوتا رہتا ہے اور اگر خدانخواستہ ہماری زمین
سے اسکی سیدھی ٹکر ناگزیر اور یقینی ہو بھی گئی تو پھر جوہری توانائی اور سائنسی شعاعوں کے ماہرین نے اس سے
نپٹنے کے لئے ایک ہنگامی منصوبہ بھی تیار کر رکھا ہے۔ اور انکا دعوی ہے کہ اگر "سویفٹ ٹٹل" کے ہماری
زمین سے ٹکرانے کا امکان ہو بھی گیا تو پھر اس کے مدار کو ایک زبردست جوہری دھماکہ سے بدل دیا
جائے گا اس لئے اس سلسلے میں ابھی سے بہت زیادہ ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دمدار
ستارے۔ یہ اجرام فلکی۔ یہ ستارے اور یہ دودھ ہوتی ہوئی کہکشائیں اور نہ جانے کیا کیا خلاق اعظم
نے اس کائنات میں پیدا کیا ہے جسکا ابھی تک ہم کو علم نہیں ہے اور پھر مندرجہ آیت پڑھنے کے بعد تو

ایسا لگتا ہے جیسے ہم اس کائنات کے بارے میں ابھی تک جو بھی جان سکے ہیں وہ کچھ نہ جاننے کے برابر ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ بھی انکے درمیان میں ہے سب خدا ہی کا ملک ہے (۵-۱۰) دوسری جگہ فرماتا ہے۔
وہ لوگ خدا ہی کا سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے (۲۷-۲۵)

قطب تارہ اور دوسرے راہنما سیارے

خالق ارض و سماں نے قرآن حکیم میں انسان کو اپنے زمینی اور سمندری سفر میں ستاروں کی رہبری حاصل کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ نیلگوں افق پر چمکنے والے ان ستاروں کی حقیقت کیا ہے انکا یقینی مقام و قیام اور راہی ضمانت استحکام کیا ہے جن پر انحصار کرتے ہوئے نہایت ہی واضح اور یقینی لہجہ میں تعلیم دی جا رہی ہے کہ خشکی اور تری میں سفر کرنے والے مسافروں اور قافلوں کو چاہیے کہ وہ ان اجرام فلکی کی مدد سے اپنے رستوں کا تعین کریں اور سمتیں معلوم کریں اس سے پہلے کہ ان آیات کریمہ کی وضاحتوں کیطرف رجوع کیا جائے ستاروں کی حقیقت کا ایک اجمالی جائزہ لینا ضروری ہوگا۔

یہ ستارے بہت بڑے اور جسیم جلتے ہوئے آگ کے گولے ہیں اور یہ بھی ہمارے سورج جیسے ہی ہیں مگر چونکہ سورج ہماری دنیا سے بہت قریب ہے اس لئے وہ اتنا بڑا دکھلائی دیتا ہے اور اسکی حدت اور اس کی گرمی ہماری زمین پر براہ راست اپنا اثر ڈالتی ہے کائنات میں اور بھی لاکھوں سیارے ہیں مگر وہ ہماری زمین سے اتنی دور ہیں کہ انمیں سے اکثر تو ایک سوئی کے ناکے کے برابر ہی روشن نقطے جیسے نظر آتے ہیں اور بعض تو اتنے چھوٹے لگتے ہیں کہ انھیں دیکھنے کیلئے طاقتور دوربینوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
ماہرین فلکیات کا کہنا ہے کہ کائنات میں دو سو بلین .... ۲ ارب ستارے ہیں ستاروں کا وجود خود انکے اور دوسرے اجرام فلکی سے نکلی ہوئی جوہر توانائی۔ گیس اور دھول کے مجموعے سے عمل میں آیا ہے دور دراز فاصلوں پر ہونے کیوجہ اگرچہ یہ ستارے بہت چھوٹے لگتے ہیں مگر حقیقت میں یہ بہت بڑے اور جسیم ہیں اور سورج انہیں کا ایک معمولی اور عام جسامت کا ستارہ ہے۔ مگر یہی سورج جو دیکھنے میں محض ایک قندیل کی سائز کا لگتا ہے یہ بھی ہماری دنیا سے ۱۰۹ گنا بڑا ہے اور اس کہکشاں کے سب سے بڑے ستارہ کا سائز اتنا بڑا ہے کہ وہ ہماری زمین اور سورج کے درمیانی فاصلے کو آسانی کے ساتھ پر کر لیگا۔ ایسے ستاروں کا قطر ہمارے سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری نہیں کہ سب ستارے اتنے بڑے ہوں کیونکہ انہیں کے بعض ستاروں کا سائز ہماری دنیا سے بھی چھوٹا ہے اس کائنات میں کچھ ستارے اسقدر عظیم اور بڑے ہیں جنکا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے اور انھیں ہم صرف آگ کا جلتا ہوا سمندر ہی کہہ سکتے ہیں مگر ہماری دنیا سے بہت دور ہونے کی وجہ سے وہ بھی ایک چمکیلے نقطے سے بڑے معلوم نہیں ہوتے ان ستاروں کے فاصلوں کا اندازہ صرف اس بات

سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورج کے بعد جو دوسرا ستارہ ہماری زمین سے قریب ترین ہے اسکا فاصلہ بھی
یہاں سے ۲۵ ملین ملین میل ہے۔

ستاروں میں چمک اور انکی رنگت ان کے سائز اور حرارت TEMPERATURE کی وجہ سے
ہوتی ہے انکا نیلا رنگ بہت زیادہ حرارت اور سُرخ یا گلابی رنگ کم حرارت کی نشاندہی کرتا
ہے۔ بہت سے ایسے ستارے بھی ہیں جو نزدیک ہو کر بھی بہت کم چمکدار نظر آتے ہیں اور کچھ
بہت دور ہوتے ہوئے بھی بہت چمکدار دکھلائی دیتے ہیں۔ ستاروں کی روشنی جھلملاتی نظر آتی ہے
کیونکہ انکی روشنی متحرک ہواؤں کی تہوں سے ہو کر گذرتی ہے۔ ستاروں میں خصوصاً دو طرح کی گیسوں
کا یہ عمل ہوا کرتا ہے ہائیڈروجن گیس کے ردعمل سے ایک بہت ہی لطیف گیس ہیلیم ۱:۲ کے تناسب
سے بنتی رہتی ہے یعنی دو ہائیڈروجن سے ایک ہیلیم ایٹم کے بننے سے خالی ہوئی جگہ زبردست
جوہری قوت اور توانائی سے بھر جاتی ہے جو ستاروں سے شعاؤں اور کرنوں کی شکل میں نکل کر چمکتی
رہتی ہے۔

انسان زمانہ قدیم سے ہی ستاروں کی گردش اور ان کے مقام و قیام کے سلسلے میں مطالعہ
کرتا آرہا ہے پرانے زمانے میں کاشتکاری اور باغبانی کا کام کرنے والے انھیں ستاروں کی مدد سے
اپنے کھیت بونے کاٹنے پھل آنے اور انکو توڑنے کا حساب و کتاب رکھتے تھے اس زمانے سے ہی
مسافر اور قافلے ستاروں سے اپنی سمتوں کا تعین کیا کرتے تھے۔ پرانے وقتوں کے مفکر اور
منجم ستاروں کے جھرمٹ کو ملا کر انھیں انسانوں، جانوروں اور چڑیوں کی شکلیں دے کر اور انکی
تصویریں بنا کر تقویمات میں درج کر لیا کرتے تھے اور انکے متعلق عوام میں ان کے قصے مشہور
ہو گئے تھے جو شاید ان ستاروں کے جھرمٹ کو رہنمائی اور رہبری کے سلسلے میں پہچاننے کا ذریعہ
تھے۔ ان جھرمٹوں کو آج بھی ماہرین فلکیات کی زبان میں کے نام سے
یاد کرتے تھے۔ بہت سے اجرام فلکی ایسے بھی ہیں جو نظر تو ستاروں ہی جیسے آتے ہیں مگر وہ حقیقت میں
ستارے نہیں ہیں بلکہ انمیں سے کچھ تو سیارے (PLANETS) متحرک سیارے ہیں اور کچھ محض
گیس اور دھول کے گولے جو ستارے بننے کا آغاز کر رہے ہیں کائنات میں آسمانوں پر شہاب ثاقب
METEORS بھی نظر آیا کرتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ستارہ گر رہا ہو مگر حقیقت یہ نہیں
ہوتی اور یہ شہاب ثاقب چٹانوں اور دوسرے سیاروں سے ٹوٹ کر الگ ہوئے بڑے بڑے پتھر
اور دھاتوں کے ٹکڑے ہیں جو گولی جیسی سرعت کے ساتھ گذرتے ہوئے اور ہواؤں کے تیز دباؤ
سے گذرتے وقت جل اٹھتے ہیں۔

GLAXY ان ستاروں کا وجود قیام اور انکا ربط کبھی منتشر نہیں ہوتا بلکہ یہ الگ الگ جھرمٹ
میں رہتے ہیں۔ اور اسطرح ہمارا سورج بھی اسی طرح کی ایک بہت بڑی کہکشاں میں رہتا ہے
جسکو ملکی وے MILKEY WAY کہتے ہیں درحقیقت آج تک کوئی بھی یقینی انداز میں نہیں بتلا سکا کہ

کہ اس کائنات میں کتنے ستارے ہیں۔ ایک رات جتنے ستارے نظر آتے ہیں دوسری رات انکی
تعداد بہت بڑھی ہوئی لگتی ہے منجمین اور ماہر فلکیات نے بلا کسی دوربین کی مدد کے چھ ہزار
۶۰۰۰ ستارے دیکھے ہیں پھر ۲/۱ ۲ انچ ڈائیمٹر کی دوربین سے انھوں نے ایک کروڑ سے چھوٹے
دیکھے ہیں اور اسیطرح دنیا کی بڑی سے بڑی ڈائیمٹر کی دوربین سے انھوں نے ایک کروڑ ایسے جھرمٹ
GALAXIES دیکھیں ہیں جنکی ہر گلیکسی میں کم سے کم دو سو کروڑ ستارے ہیں مگر سائنس فلکیات
کی طاقتور ترین دوربینوں کی مدد سے بھی نہ تو ہم تخلیق کائنات کے سلسلے میں بہت زیادہ سمجھ سکے ہیں
اور نہ شاید سمجھ سکیں گے۔ اسکو تو بس وہی خلاق کائنات جانتا ہے جس نے فرمایا ہے کہ
"اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا" (۳۳-۱)
میں آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہوں۔ (۳۳-۱) یا تو پھر ایک دوسری
جگہ فرمایا ہے ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ
(۲-۲۹) کائنات کے دوسرے ستاروں کے درمیان ہمارا سورج ایک عام جسامت کا ستارہ
ہے جسکا ڈائیمٹر ۸۶۵۰۰۰ میل ہے منجموں نے اپنے علم نجوم اور دوربینی کے خیال سے ان ستاروں
کی جسامت، رنگوں سے روشنی کے لحاظ سے انکو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے انکی پہلی قسم ان
عظیم اور دیو پیکر ستاروں SUPER GIANTS ستاروں کی ہے جو ہمارے سورج سے ہزاروں گنا
بڑے ہیں اس کے بعد دوسرا نمبر آتا ہے دیو پیکر ستاروں GAINT STAR کا جو ہمارے
سورج سے دس سے سو گنے تک بڑے ہیں جیسے ستارہ الدبران - ALDEBARAN
جو ہمارے سورج سے ۳۶ گنا بڑا ہے۔ پھر نمبر آتا ہے جو ہمارے سورج کے محض دسویں حصے
سے دس گنے تک بڑے ہیں ایسے ستاروں کے جھرمٹ کو منجمین الطائر ALTAIR
کا نام دیتے ہیں ایسے ستاروں کے جھرمٹ VEGA بھی کہتے ہیں ان ستاروں کی چوتھی قسم کو
سفید بونے کہتے ہیں WHITE DWARFS انکا ڈائیمٹر مشکل سے پانچ ہزار میل ۵۰۰۰ ہوتا ہے۔ ان
سفید بونے ستاروں کو عموماً ستاروں سے الگ ہی رکھا جاتا ہے یہ ستارے بہت زیادہ گرم
ہو چکے ہیں اور سفید روشنی پھیلایا کرتے ہیں انکے اندر کا ایندھن اب ختم ہو چکا ہے اور پھر ایک دن
یہ سفید بونے ہمیشہ کیلئے نظروں سے اوجھل ہو جائینگے انکی کشش ثقل نے انکو ٹھوس اور کثیف
بنا رکھا ہے یہ چھوٹے ضرور ہو چکے ہیں مگر وزن میں فولاد سے بھی زیادہ ہیں۔ انکی پانچویں قسم
غیر برق ازور ستاروں NEUTRON STAR جیسی ہے۔ اگرچہ ان ستاروں کا وزن ہمارے
سورج کے برابر ہوتا ہے مگر اب یہ اسقدر ٹھوس اور کثیف ہو چکے ہیں کہ انکا ڈائیمٹر مشکل سے
دس سے پندرہ میل ہی رہ گیا ہے۔ یہ ستارے رہ رہ کر ریڈیائی لہریں خارج کرتے رہتے ہیں
ان ستاروں کو ماہرین افلاک کی زبان میں PULSAR کہتے ہیں۔
ان کے علاوہ بھی کچھ تغیر پذیر ستارے VARIBLE STARS ہوتے ہیں جو

کچھ وقت تک بہت دھیمی روشنی پھینکتے ہیں مگر پھر اسکے بعد کچھ مدت تک بہت تیز روشنی بکھیرتے ہیں۔ ان تغیر پذیر VARIABLE STARS ستاروں کی روشنی کے کبھی دھیمی تو کبھی بہت تیز دکھلائی دینے کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ انہیں ہائیڈروجن کی کمی ہو جانے کی وجہ سے ردعمل بہت لمبے عرصہ بعد ہوتا ہے جس سے ہیلیم اور تابناک شعاعیں جاری ہو سکیں۔ اس کی دوسری وجہ انکی جواہر توانائی کی روز افزوں زیادتی اور بے ضبطی ہوتی تابناکی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے جس سے ہائیڈروجن گیس کی افراط کی تازگی ہوتی ہے جسکی وجہ سے یہ ستارہ کسی بھی وقت پھٹ کر تابناکی گرد میں جا سکتا ہے۔ تیسرے اس قسم کے ستاروں کو جڑواں ستارے BINARY STARS کہتے ہیں اور یہ دونوں جڑواں ستارے ایک دوسرے کا چکر لگایا کرتے ہیں اور اسطرح انکا ایک چکر تقریباً سو سال میں پورا ہوتا ہے کچھ ایسے ستارے بھی ہیں جن کی ہائیڈروجن اور جوہری سالمیت کبھی کی ختم ہو چکی ہے اور اب یہ فنا ہو کر تاریک ہو چکے ہیں مگر ان کے اندر کشش ثقل انکی بڑھ چکی ہے کہ اگر کوئی دوسرا ستارہ انکو ظاہر کرنا بھی چاہے تو ممکن نہیں ہے کیونکہ روشنی بجائے منعکس ہونیکے انکی کشش ثقل انکو اپنی روشنی کیطرح باہر نہیں جانے دیتی۔ اپنے سورج سے متعلق کہکشاں ملکی وے MILKY WAY میں ۱۰۰ بلین ستارے ہیں انہیں بہت سے ستاروں کے چھوٹے چھوٹے جھرمٹ بھی ہیں جنکو ستاروں کے بادل STAR CLOUDS کہتے ہیں بھی کہتے ہیں۔

دو قریب واقع ستاروں کو جڑواں ستارے

سورج اور دوسرے ستارے روزانہ مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہوتے محسوس ہوتے ہیں گو کہ یہ احساس محض زمین کے اپنے محور پر ناچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سورج اور دوسرے ستارے گردش کرتے ہیں مگر ان کے گردش سے زمین اور دوسرے سیارے انکی کشش ثقل سے اتنا متاثر ہیں کہ یہ فاصلے کبھی کم یا زیادہ نہیں ہوا کرتے ہیں اور ان فاصلوں کو منجم اور ماہرین سائنس افلاکیات باقاعدہ ایک اصولی ڈھنگ سے ناپ سکتے ہیں اور اپنی دنوں اور مہینوں کی تھیوری میں ان سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ سورج ۱۲ میل فی سکنڈ کے حساب سے اپنی کہکشاں میں گردش کرتا رہتا ہے اور کہکشاں کے ساتھ ساتھ اسکی وسعتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ کہکشاں کے مرکزی وسعت کے گرد اپنا ایک چکر ڈھائی سو ملین سال میں لگاتا ہے سورج کے اپنے محور پر ناچنے کی رفتار تقریباً ۱۵۶ میل فی سکنڈ ہے۔

ان ستاروں پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد اب انکی حرکت۔ ان کے گروپ۔ انکے سمتوں کے معلوم کرنے کے طریقے انکی بلندیاں ان ستاروں کا اپنی زمین سے محل وقوع اور قیام کا دریافت کرنا اور دیکھنا بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔ قرآن مقدس میں آج سے چودہ سو سال قبل کی آیت ملتی ہے کہ ستاروں کی مدد سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور شاید یہی ستاروں کی وہ نشانیاں اور علامتیں ہیں جنکی طرف اشارہ ملتا ہے " وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (۱۶-۱۶)

اور نشانات بنا دیے۔ اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔ (۱۶-۱۶)

منجم، سروے کرنے والے، جہاز راں، ہوائی جہازوں کے پائلٹ صحیح سمت معلوم کرنے کے لیے
ستارے واضح اور یقینی راہنمائی کرتے ہیں۔ ان میں کی سب سے بڑی اور اہم حیثیت قطب ستارہ
کی ہے اور یہ ستارہ دنیا کے کسی بھی حصے سے ہمیشہ شمال کی طرف نظر آتا ہے۔ یہ ستارہ بلا غیر معمولی حدوں تک
اپنی پوزیشن اور مقام تبدیل کیے ہمیشہ قطب شمالی کے اوپر طلوع کرتا ہے۔ یہ دنیا میں ایک لٹو
کے اپنے محور پر ناچ رہی ہے۔ مگر یہ ستارہ ہر حال میں ہر جگہ کے لوگوں کو ٹھیک اسی طرف ہی دکھلائی دیگا
قطب ستارہ کی مدد سے بلندیوں کو ناپنے میں بھی مدد ملتی ہے زاویہ ناپنے والے آلے SEX TANT
سے سب سے پہلے اپنے مقام سے قطب ستارہ کی بلندی کا زاویہ معلوم کیا جاتا ہے اور پھر یہ قیاس کرتے
ہوئے کہ اس ستارہ کی بھی بلندی قطب شمالی پر زاویہ قائمہ ہوگی اور اسطرح کیسی بھی بلندی کو
معلوم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس مقام سے قطب شمالی کا فاصلہ دنیا کے نقشے کی مدد سے
حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہوائی جہاز چلانے والے پائلٹ اور پانی کے جہاز راں افق پر تین ستاروں
کو چن لیتے ہیں پھر ایک کے بعد ایک سیکسٹینٹ سے انکا زاویہ معلوم کرنے کے بعد المناک ALMANAC
نامی جنتری سے ان ستاروں کا زمینی محل وقوع دیکھ لیتے ہیں اور ہر ستارہ کے دیکھنے کے وقت
اس وقت کا قائم اور فاصلہ معلوم کرکے ان تینوں نقطوں کے ملنے کی جگہ سے اپنا محل وقوع
معلوم کر سکتے ہیں۔

سمندروں میں سفر کرتے قدیم طرز کے جہاز اور صحراؤں میں چل رہے کارواں ستاروں
کی گردش سے وقت بھی معلوم کر لیا کرتے تھے اور یہی ستاروں کی دو قسم کی گردش انکی مددگار
ہوتی تھیں۔ زمین اپنے محور پر ایک گردش چوبیس گھنٹوں میں پوری کرتی ہے اور اسطرح
سورج اور تمام ستارے مشرق سے مغرب کی طرف چلتے نظر آتے ہیں اور سورج اس عمل کو ہر چوبیس
گھنٹے بعد دہراتا ہے پھر انھیں بنیادوں پر شمسی گھڑیاں بنائی گئیں اور دنوں کی ابتدا و انتہا
آدھی رات سے کی گئی۔ نجومیوں اور علم نجوم کے ماہرین کی گھڑیاں تو آج بھی افلاکی گھڑیاں SIDE
REAL . CLOCKS کہلاتی ہیں جو ستاروں کی ظاہری گردشوں کے بنا پر چلتی ہیں انکا ایک
افلاکی دن اس مدت کے برابر ہوتا ہے جب ایک مخصوص ستارہ اسی مقرر شدہ مقام پر لگاتار
دو راتوں میں نظر آتا ہے۔ منجم ان ستاروں کو مختلف طریقوں سے پہچانتے ہیں کسی کو انکی تیز چمک
اور ارتعاش کے ذریعے۔ کسی کو ان کے مخصوص رنگوں کے ذریعے تو کسی کو انکی جسامت
کے ذریعے

ستاروں سے جو اکاری اور توانائی خارج ہوتی ہے اسکو منجموں اور ماہرین افلاکیات کی
زبان میں LUMIE ITY یا درخشانی کہتے ہیں اور علم افلاکیات میں ستاروں کی شناختی
وضاحت کیلئے انکی یہ درخشانی گرافوں کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے اسطرح ہر درجہ کی درخشانی
رکھنے والے ستاروں کو الگ الگ گروپ الگ الگ گرافکس کے ذریعے ظاہر کیے جاتے ہیں اور اسطرح انکی صفوں کی

سفید بونے WHITE DWARFS غیر برق افروز ستارے NEUTRON STAR تغیر پذیر ستارے
VARIABLE STARS رُو بہ زوال ستارے EXPLODING STARS اور جڑواں چکر لگاتے ستارے
BINARY STARS کہلاتے ہیں۔ اتنی ساری شناختوں کے علاوہ بھی جو آج کے موجودہ
ترقی یافتہ دور میں معلوم ہوئی ہیں انکی تقویمات اور جنتریاں بھی ہیں جو جدید سائنس کے حقائق
پر منحصر ہیں اور انکے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی وہ طاقتور دوربینوں اور طرح طرح کے ساحتی
سامان SURVEY INSTRUMENTS اور انسانی دماغ رکھنے والا کمپیوٹر ہے ان سبھوں کے ساتھ
موجودہ دور میں خشکی، سمندری اور ہوائی سفر میں سمتیں راہیں اور اپنی پوزیشن کا تعین کرنے میں یہ
ستارے بھی انکا خاطر خواہ اور بھرپور تعاون کر رہے ہیں۔

رہبری کے سلسلے میں تاروں سے مدد لینے کے یہ ہدایتیں آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل
نازل ہوئی تھیں اور وہ بھی ایک ایسے دور میں۔ ریگستانی اور دنیا کے ترقی پذیر ملکوں سے کٹا ہوا بالکل
الگ تھلگ ملک جزیرہ نمائے عرب میں جس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف لامتناہی
ریگستان ہے اور جس پر جہالتوں کے بادل اسقدر گھنے تھے کہ جن سے ہو کر علم کی روشنی کا
گذرنا ہی دشوار تھا۔ یہی نہیں بلکہ قرآن حکیم نے ان جاہل عربوں کو انھیں کی زبان اور فہم
کے معیار پر انکو تعلیم دی ہے۔ اور اسطرح کہیں تو سورج کو چراغ اور چاند کو آئینہ کہیں چاند
کے آخری مہینہ کی شکل کو کھجور کی خشک ٹہنی سے مثال دے کر سمجھایا تو کہیں قطب ستارہ کو ایک
مقررہ ستارہ سے تعبیر دے کر اسکو ثابت (ظاہر) کیا۔ ان سب کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے
جیسے معلم کامل اور حکیم مطلق کسی ابتدائی طالب علم کو ستاروں سے رہبری حاصل کرنے کی تعلیم دے
رہا ہے۔ یہ اسوقت کی باتیں ہیں جب جدید سائنس افلاکیات و کواکب نے تحقیق و تجسس کی آنکھیں
بھی نہیں کھولی تھیں مندرجہ ذیل آیت میں قطب ستارہ کی طرف خصوصی اشارہ ملتا ہے "وَعَلٰمٰتٍ
وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (۱۶-۱۶) اور اسنے بہت سی نشانیاں پیدا کی ہیں اور بہت
سے لوگ (ایک مقررہ) ستارے سے بھی راہ معلوم کرتے ہیں۔ (۱۶-۱۶)

اہل عرب جو بڑے بڑے صحراؤں اور ریگزاروں کے باشندے تھے اور صرف پیدل اور اونٹوں
پر لمبے لمبے سفر کیا کرتے تھے اور یہی تجارتوں کے سلسلے میں ریگستان کے عظیم سمندر والے
گذرنا پڑتا تھا اور یا تو پھر تجارتی تقاضے کے تحت اسوقت کی بڑی بڑی پتوار والی کشتیوں پر جنکو
اسوقت کی زبان میں بھی جہاز بولا جاتا تھا صرف خدا کے سہارے پر سفر کرنا پڑتا تھا اور پھر جب
بیچ سمندر میں بہنے لگے یا بیچ ریگستان کے درمیان میں پہنچ گئے جہاں زمین پر تو رہتا تھا
نام خدا اور آسمان پر رہتے تھے دن کے وقت سورج اور کبھی کبھی ابھرتا ڈوبتا ہوا چاند
اور بالآخر رات کو ننھے ننھے ستارے ہی انکی راہنمائی کرتے تھے اور ان سے آنکھ مچولیاں کھیلتے
تھے اور آگے ہیں انھیں اجرام فلکی اور خصوصاً ستاروں کی راہنمائی میں سمتوں اور منزلوں

کا تعین کر سکتا تھا خداوند کریم نے مندرجہ ذیل کی آیت گرامی میں ان نادان عربوں کی کسطرح سے
رہبری کی ہے اور کسطرح انھیں قطب ستارے سے متعارف کیا ہے (جسکے حرکت اور مقام کے بارے میں
لکھا جا چکا ہے ۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
(۶-۹۸) وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم انکے ذریعے سے خشکی اور تری
کی اندھیریوں میں راہ پاؤ ۔ (۶-۹۸)

اور یہ شاید انھیں آیات گرامی کے اشاروں اور قرآن حکیم کے تعلیمات کا اثر ہے جس نے عرب قوم کو
منجمین عالم کی صف اول میں جگہ دی تھی ۔ دوسرے صحرائے عرب کے جغرافیائی اور موسمی حالات بھی
ان کے اس مقصد کے لئے ساز گار تھے ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (۳۸-۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو انمیں ہے اسکو خالی از مصلحت نہیں بنایا ہے (۳۸-۲۷)

قدرت کا خودکار کلنڈر

قرآن حکیم کا نزول رسول ؐ پر آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل ایک ایسے دور میں ہوا تھا جب
ملکوں کے مابین رسل و رسائل کے ذرائع محدود اور نہیں کے برابر تھے ۔ انسانوں کے درمیان تبادلہ
خیال کا باضابطہ طریقہ نہیں تھا جو فقط ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا لوگوں کے تفکرات محدود
اور خیالات ناقص تھے اور حرف علم کی محدود سی روشنی جہالت اور اوہام کی تاریکیوں کو دھکیل
دھکیل کر آگے بڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی ۔ آج کے زمانہ کی طرح اس زمانے میں تار تھے نہ
ٹیلیفون۔ ریل تھی نہ ہوائی جہاز ۔ اگر ملکوں میں کچھ درسگاہیں تھیں بھی تو وہاں حقیقت سے زیادہ
قیاسی اور توہماتی درس دیے جاتے تھے ۔ اس زمانہ کا ایک شائستہ اور مہذب کہلانے والا
انسان بھی آج کے سب سے نچلے طبقے کے فرد سے کم شائستہ اور غیر مہذب تھا ۔ ہر طرف اوہام
پرستیوں اور قیاس آرائیوں کا بول بالا تھا ۔ وہ طریقے اور عادات جن سے آج کا باضمیر انسان نفرت
کرتا ہے وہ اس زمانہ میں اخلاقی نقطہ نظر سے جائز اور روا سمجھے جاتے تھے ۔ لوگوں کے ذہن توہمات
اور عجائب پرستی سے اس حد تک متاثر تھے کہ وہ ہر اس بات کو غلط سمجھتے تھے جنمیں کوئی بات مافوق
الفطرت یا خلاف عادت نظر آتی ہو ایسے تاریک دور میں عرب ایک ایسا خطہ تھا جسکو اکثر صرف
کا ریگستانی ملک کہا جاتا تھا اور جہاں جہالت کی تاریکیاں اپنی انتہائی گہرائیوں تک چلی گئی تھیں
اس ملک کو سمندر اور عظیم ریگزاروں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور جزیرہ نمائے عرب

کو ایران، روم، مصر جیسے ملکوں سے بالکل الگ تھلگ کر دیا تھا جہاں بہر حال کچھ تمدن اور تہذیب کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ اہل عرب جو اپنے پڑوسی ملکوں سے اسطرح کٹ کر رہ گئے تھے کبھی کبھی ان ریگستانی سمندروں سے گذر کر اپنا تجارتی مال اونٹوں پر بار کر کے بیچنے جاتے تھے اور ادھر سے اپنی ضرورت کی چیزیں لے آیا کرتے تھے انکو نہ تو کسی نے علم کی معلومات تھی اور نہ ہی کوئی دلچسپی تھی اور نہ فنون سے کوئی واقفیت۔ بالکل ایک پسماندہ قوم کی طرح بے حس اور بے عمل۔۔!! اسوقت نہ عرب میں کوئی اسکول تھے نہ درس گاہیں اور نہ کتب خانہ سارے جزیرہ نمائے عرب میں مشکل سے کچھ ہی پڑھے لکھے لوگ تھے مگر وہ بھی محض برائے نام جو اپنے ادبا کی دیوی دیوتاؤں کے قصیدے پڑھا کرتے تھے اور یا تو پھر مبالغہ آمیز اور قیاسی قصے کہانیاں۔ نہ تو انکو علوم سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ فنون سے کوئی واقفیت گو کہ انکے پاس عربی لٹریچر کا بیش بہا خزانہ موجود تھا مگر اسوقت کے ادبی باقیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ ماقبل کے حضرت ہود اور حضرت ثمود جیسے پیغمبروں کے واقعات بھی ان کے یہاں تو سماعی معلومات تک ہی محدود تھے۔

ایسے علم سے بے بہرہ اور جہالت کے ماحول میں قدرت نے بھی ان کے ساتھ ستم ظریفی کر کے انکو تمدن سے بالکل الگ کر رکھا تھا۔ ان کے ہر طرف دور دور تک پھیلے ہوئے ریگزار اور صحرا سواریوں اور اموال کے نام پر دے کر اونٹوں اور بھیڑوں کے گلے جنکو لیئے لئے اہل عرب صحراؤں میں چراگاہوں اور پانی کی تلاش میں گھوما کرتے تھے اور جہاں یہ چیزیں نظر آگئیں وہیں ان کے خیمے لگ جاتے تھے اور قدرت کی اس محدود مدت تک کی ضیافت سے لطف اندوز ہونے کے بعد کسی اور طرف نکل جاتے تھے۔ ایسے میں نہ تو انکے دنوں اور مہینوں کا کچھ تعین تھا اور نہ ایسے کوئی ذرائع ہی تھے جن سے وہ دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب رکھ سکنے لے دے کر اگر اس سلسلے میں ان صحراؤں اور ریگزاروں میں کچھ نشانیاں اور معلومات ہو بھی سکتی تھیں تو وہ بھی اجرام فلکی سورج، چاند اور تارے ہی تھے جنکی مدد سے یہ اپنے اندازے کے مطابق دنوں کا حساب رکھ سکتے تھے اور ایسے میں خالق مطلق کا درس قرآن ہی انکا واحد سہارا تھا جس نے انھیں اجرام فلکی کے ذریعہ سے انکی رہبری کی ہے جن سے وہ واقف بھی تھے اور مانوس بھی جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ "وہی ذات خدائے قادر ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور ماہتاب کو روشن بنایا اور اسکی منزلیں مقرر کیں اگر تم لوگ برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرو۔ خدا نے اسے حکمت اور مصلحت سے بنایا ہے وہ اپنی آیتوں کو واقف کار لوگوں کے لئے تفصیل وار بیان کرتا ہے۔ (۱۰-۵)

اس سلسلے کی آیات قرآنی کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ کس طرح خداوند کریم و علیم نے عربوں کے ماحول اور ان کے عقل و فہم کی استعداد کے مطابق انکو ایک ابتدائی

طالب علم کیطرح تعلیم دینے میں وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو ان کے لئے آسان ہو۔ کہیں پر تو چاند
اور سورج کی روشنی اور گردش کیطرف اشارہ کیا ہے تو کہیں چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے سلسلے
میں اسکو کھجور کی پرانی ٹہنی کی مثال دی ہے جو انکی سمجھ میں آسکے کھجور کی پرانی ٹہنی جو ہر وقت
ان کے سامنے تھی۔ یا پھر رسول کو مخاطب کرکے عربوں کو اسطرح تعلیم دی ہے کہ اے رسول لوگ آپ
سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپ ان سے کہدیجئے کہ یہ انسان کے لئے وقت کا حساب رکھنے
کیلئے ہے۔

یعنی غائب رہ کر مہینہ کی پہلی تاریخ کو وہ ہلال کی شکل میں نہایت ہی باریک اور سیدھی
کشتی کی شکل کا نمودار ہوتا ہے اور پھر دنوں کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے بڑھ کر مہینہ کے
وسط میں چودھویں شب (مہینہ کی پندرہ تاریخ) کو مکمل چاند بن جاتا ہے اور پھر روبہ زوال ہوکر
گھٹتے گھٹتے مہینہ کی آخری تاریخ کو اختتام کی خبر دیتا ہے اور اسطرح ایک بار پھر ایکدن کے لئے
غائب رہ کر نئے مہینے کے آغاز کے ساتھ ہلال کی شکل میں نمودار ہوتا ہے عربوں کی تعلیم کے لئے مہینہ
کے آخری دن کے چاند کی مثال کھجور کی پرانی شاخ کیطرح پتلے اور ٹیڑھے نظر آنے کی کس قدر فصیح
اور واضح مثال مندرجہ ذیل آیت میں دی گئی ہے۔

"وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ" اور ہم نے چاند کے لئے
منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ پھر گرد آخر ماہ میں کھجور کی پرانی ٹہنی کا سا (پتلا ٹیڑھا) ہو جاتا
ہے (۳۶ — ۳۹)

اسطرح مہینوں کے ابتدائی ایام سے کر اس کے اختتام تک چاند کے بڑھنے مکمل ہونے اور
گھٹتے رہنے سے اب لگتا ہے جیسے وہ قدرت کا ایک خودکار کیلنڈر ہے اور جس کے اس دستور میں
نہ تو کوئی رکاوٹ آتی ہے اور نہ کسی قسم کا پھیر بدل ہوتا ہے جسکی قرآن حکیم میں بھی ذیل کی
آیت میں ضمانت لی گئی ہے اور یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

"فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا"۔ تم خدا کے دستور میں کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے" (۳۵-۴۳)

اس سلسلے میں یہ بھی اشارہ کرتا چلوں کہ چاند کی حقیقت کی تعلیم آیات قرآنی اس زمانہ میں
دے رہی ہیں جب دنیا کی بیشتر قومیں چاند کو ایک آسمانی دیوتا تصور کرکے اسکی پرستش کیا
کرتی تھیں اور چاند کا مفصل علم سائنسدانوں اور نجومیوں کو بیسویں صدی کے وسط میں ہوا
جب چاند کی دنیا میں بھی ہو آئے۔ آج کے زمانہ کا ہر انسان یہ جان چکا ہے کہ زمین سے چاند
کا فاصلہ مستقل نہیں ہے۔ بلکہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ زمین سے اسکی زیادہ سے زیادہ دوری
دو لاکھ باون ہزار سات سو دس میل ہے ۲۵۲،۷۱۰ میل ہے اور کم سے کم دوری ۲۲۱،۴۶۳ میل
کے قریب ہے اسکا قطر ۳۴۷۶ کلو میٹر ۲۱۶۳ میل ہے اور یہ ۲۲۸۷ میل فی گھنٹے کی رفتار
سے حرکت کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسے زاویہ پر واقع ہے کہ اسکا آدھا حصہ ہمیشہ زمین والوں کی نگاہوں

سے اوجھل رہتا ہے۔ اس پر گہرے کھڈ اور چٹیل میدان ہیں جو آتش فشاں کے لاوے سے بھرے ہوئے ہیں چاند پر پہاڑ بھی ہے جس کی اونچائی پانچ ہزار فٹ سے پندرہ ہزار فٹ تک ہے چاند کی کشش ثقل زمین کی کشش ثقل سے ⅙ حصہ ہے یعنی اگر کسی چیز کا وزن زمین پر ۱۸۰ پونڈ ہے تو چاند پر اسکا وزن صرف ۳۰ پونڈ رہ جائے گا۔ اس کا وہ حصہ جس پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ (۱۳۰°c) رہتا ہے اور جہاں سورج کی شعاعیں نہیں پڑتیں (۱۳۰°c-) رہتا ہے یعنی صفر سے بھی ۱۳۰ کم۔ اس جگہ نہ پانی ہے۔ نہ سبزہ زار اور نہ آکسیجن جو کسی طرح کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ لق ودق پتھار جو سورج کی روشنی کو ہماری زمین کیطرف منعکس کرتا رہتا ہے۔

قرآن حکیم میں چاند کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف اشارات کے ساتھ آیا ہے۔ کہیں اسکو روشنی بکھیرنے والا کہیں روشنی کا عکاس تو کہیں دنوں اور مہینوں کا تعین کرنے والا بتلایا گیا ہے۔

جدید سائنس کی دریافت کے مطابق چاند کی عمر اتنک تقریباً ۴۶۰۰ ملین برسوں کی ہو چکی ہے زمین سے اسکی سب سے زیادہ دوری تقریباً ۲،۵۲،۷۱۰ میل ہے (۴،۱۲،۳۳۰ کیلو میٹر) اور سب سے زیادہ نزدیکی تقریباً ۲،۲۱،۴۶۰ میل (۳،۵۴،۳۳۰ کیلو میٹر) ہے۔ چاند کا محیط CIRCUMFERENC تقریباً ۶،۷۹۰ میل (۱۰،۸۶۵ کیلو میٹر) اسکا قطر DIMETER تقریباً ۲،۱۶۰ میل (۳،۴۶۰ کیلو میٹر) ہے چاند کا سطحی ایریا SURFASE AREA تقریباً ۱،۴۶،۷۰،۰۰۰ مربع میل ہے۔ چاند کا سب سے زیادہ درجہ حرارت (وہاں کے دن کے وقت) ۱۲۷°c اور سب سے کم درجہ حرارت (وہاں کے رات کے وقت) ۱۷۳°c- ہوجاتا ہے۔ چاند کی کشش ثقل زمین کشش ثقل کی ⅙ ہے۔ یعنی جس چیز کا وزن ہماری زمین پر ۶ کیلو گرام ہوجاتا ہے چاند پر اسکا وزن محض ۱ کیلو گرام ہوتا ہے چاند پر نہ تو ہوا ہے اور نہ ہی آکسیجن ہے اس لیے اس جگہ پر ہماری دنیا جیسی جاندار اور سانس لینے والی مخلوق اور نباتات جیسی کسی چیز کے آثار نظر نہیں آتے اور نہ ہی وہاں کسی طرح کی زندگی بخش انرجی توانائی کی علامتیں ہی پائی جاتی ہیں۔ کوئی مخلوق ایسی ہو جو آکسیجن ہوا یا ظاہری توانائی کے بغیر زندہ رہ سکے تو اسکا علم سوائے خداوند علیم وحکیم کے کسی اور پر ظاہر نہیں ہے۔ چاند پر تاحد نظر دور تک پھیلے ہوئے پتھار، ریگزار، بڑے بڑے گڈھے مدتوں سے ٹھنڈے اور سرد پڑے ہوئے آتش فشاں پہاڑ اور ان سے نکلے ہوئے پتھر دل۔ دھاتوں، ابرق اور بلور ذرات کے مخلوط جمے ہوئے لاوے کی چٹانیں آج اپنی پارینہ داستانیں سنا رہی ہیں اور اسطرح آج یہ ویرانیوں کا مرقع بنا ہوا محض سورج کی کرنوں کو ہماری زمین پر منعکس کرتا اور ہماری راتوں کو سحر انگیز بنا یا کرتا ہے۔

چاند اپنے مدار پر چل کر زمین کا ایک چکر ۲۷ دن ۷ گھنٹوں ۴۳ منٹ میں پورا کر لیتا ہے زمین کے گرد چکر لگانے کی اسکی یہ رفتار تقریباً ۲۳۰۰ میل فی گھنٹہ ہے اسکی یہ گردش کچھ اس انداز کی ہے کہ چاند کا ایک دن ہماری دنیا کے ۱۵ دنوں کے برابر ہوتا ہے۔ زمین کے

گرد چاند کا ایک چکر اور اپنے محور پر اسکی گردش ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں پوری ہوتی ہے۔ اس لئے ہم ہمیشہ اور ہر بار اسکا صرف وہی حصہ دیکھ سکتے ہیں جو ہر مہینہ بار بار ہمارے سامنے آیا کرتا ہے۔

چاند کی منزلوں کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مہینہ کے ابتدائی ایام میں نئے، پتلے اور باریک چاند سے کر اس کے مکمل ہونے کے وسطی دور تک اور پھر اس کے وسطی دور سے آخری دور میں اسکے دوبارہ پتلے اور باریک ہو جانے تک کی بدلتی ہوئی شکلیں اس پر پڑتی ہوئی سورج کی کرنوں کے اس حصے کی ہوتی ہیں جو ہماری زمین سے نظر آتی ہیں اور انہیں سے چاند کے ادوار اور منزلیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سورج کی ہی روشنی ہے جو چاند کی سطح پر پڑ کر ہماری دنیا کیطرف منعکس ہوتی رہتی ہیں اور دیکھتے ہیں اب لگتا ہے جیسے چاند شکلیں بدل رہا ہے اور اسطرح چاند کی بدلتی ہوئی شکلیں ہر مہینہ نئے چاند سے کر اس کے مکمل ہونے تک اور پھر بتدریج گھٹتے ہوئے ایکدن کے لئے غائب ہو جانے تک۔ بجز چاند گہن کے ہر روز حسب دستور دیکھتے ہیں۔ حقیقت میں سورج کی روشنی چاند کے آدھے حصہ پر ہمیشہ پڑا کرتی ہے مگر ہم اسکی گھٹتی اور بڑھتی شکلیں سورج کی کرنوں کے ان زاویوں سے دیکھتے ہیں جو چاند کی سطح پر پڑتی ہوئی ہماری زمین سے نظر آتی ہیں۔ چاند کی ان بدلتی ہوئی شکلوں میں چاند کی گردش۔ سورج کی کرنیں۔ زمین کی گردش اور چاند کے بدلتے ہوئے زاویوں کا خدا کی حکمت کے تحت اجتماعی عمل ہوتا ہے۔ اور اسطرح ان بنیادی نظریات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ زمین کے گرد چاند اور زمین سورج کے گرد اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں۔

زمین کے گرد گردش کرنے کے ساتھ مہینہ کی ابتدائی تاریخ میں چاند کا مشرقی کنارہ بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ مہینے کے وسط میں چودہ تاریخ کو یہ پورے چاند کی شکل میں نظر آتا ہے اور پھر اس کے بعد چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اور آخر کار ½ ۲۹ دن مکمل کرنے کے بعد تیس دن پورے کرنے تک غائب رہ کر ایکبار پھر نئے چاند کی شکل میں افق پر نمودار ہو جاتا ہے۔ چاند کا طلوع اور غروب مختلف اوقات میں ہوتا ہے مہینہ کی پہلی تاریخ کو نیا چاند اور سورج تقریباً ایک ساتھ مشرق میں طلوع کرتے ہیں اور اپنے اپنے مدار پر چلتے ہیں مگر چاند کی منزلیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے یہ ہر روز سورج سے تقریباً ۵۰ منٹ دیر سے مشرق میں طلوع کرتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ اپنے مدار پر سورج کے رخ سے ۱۲ درجہ کا زاویہ بناکر بڑھتا ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ زاویہ بڑھتا ہوا چودہ تاریخ (پندرھویں شب) کو 15x12=180 درجہ کا زاویہ بناتا ہوا ہم کو پورے چاند کی شکل میں نظر آتا ہے مکمل چاند ہونے کے بعد پھر اسی طرح روزانہ ۱۲ درجے کے زاویہ کم ہوتا ہوا مہینے کے آخری دن (½ ۲۹ ویں شب) کو غائب رہ کر تیس دن بعد پھر نئے چاند کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

چاند کی منزلوں کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے دور (پہلے ہفتہ) کے پہلے دن سورج اور
چاند ایک ساتھ مشرق میں طلوع کرتے ہیں مگر چاند سورج سے چھوٹے مدار پر چکر لگانے کی وجہ سے
یہ روزانہ ۵۰ منٹ دیر میں طلوع کرتا ہے اور اسطرح اپنے پہلے ہفتہ کے آخری دن چاند تقریباً
دوپہر کو طلوع کرتا ہے اور آدھی رات کو غروب کرتا ہے اسی طرح چاند اپنے دوسرے دور
(دوسرے ہفتہ) میں اسیطرح دیر سے طلوع ہوتے رہنے کی رفتار سے دوسرے ہفتہ کے آخری
دن یہ سورج کے ڈوبنے کے وقت طلوع کرتا ہے اسی طرح اپنے تیسرے دور (تیسرے ہفتہ) میں
اسی رفتار سے چل کر تیسرے ہفتہ کے آخری دن آدھی رات کو طلوع کرتا ہے اور پھر اسیطرح اپنے
چوتھے اور آخری دور (چوتھے دور) کے آخری دن جب سورج طلوع کرتا ہے تب چاند غروب
ہو کر غائب ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح ایک دن غائب رہ کر مہینے کی پہلی تاریخ کو سورج کے
ساتھ ہی دوبارہ طلوع کرتا ہے۔ اور جب سورج کی کرنیں ماند پڑ جاتی ہیں تو یہ شام کے وقت افق پر
مغرب کیطرف نئے چاند کی شکل میں نظر آتا ہے۔

اسطرح خدا کے اس "خود کار کلنڈر" چاند کی گردش میں کسی طرح کی تبدیلی نظر آتی ہے اور
نہ نظام قدرت میں کسی قسم کی تاخیر یا تعجیل ہی نظر آتی ہے۔

فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ "تم خدا کے
قاعدوں میں تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ ٹلتا ہوا۔ اور خدا کے طریقوں میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے"
(۳۵-۴۳)

چاند کی ساخت، بناوٹ اور جغرافیائی حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد کلام اللہ کی
رہبری میں دیکھیے کہ یہ خود کار کلنڈر دنوں، مہینوں اور سالوں کا تعین کسطرح کرتا ہے۔ اسکی
ابتدا کس طرح ہوئی اور انسان نے خدا کے اس عطیہ سے کس کسطرح فائدہ اٹھایا۔ ابتدائی
ایام میں اوقات کے تعین اور اسکی حد بندی کا خیال انسان کے دماغ میں سورج کے طلوع اور
غروب ہونے سے ہوا اور اس بارہ گھنٹے کی مدت کا نام اسنے دن دیدیا اور پھر غروب آفتاب سے
دوسرے دن کے طلوع آفتاب تک کے بارہ گھنٹوں کے تاریک وقت کا نام اسنے رات دے دیا
مگر اسمیں دقت یہ تھی کہ انسان کو ایک ایک دن کے حساب کا رکھنا عملاً غیر ممکن تھا۔ مثال کے لئے
ایک ساٹھ برس کے انسان کو اپنی عمر کا حساب رکھنے کے لئے اکیس ہزار نو سو پچاس دنوں کا حساب
رکھنا دشوار ہی نہیں ناممکن بھی تھا اور اسکی اس دشواری کو چاند نے دور کر دیا۔ انسان نے دیکھا
کہ چاند ایک معینہ مدت کے بعد ہمیشہ نکلتا ہے بڑھتا ہے مکمل چاند ہوتا ہے اور پھر وہ زوال ہو کر
گھٹتے گھٹتے آخر ایک دن کے لئے چھپ جاتا ہے اور دوسرے دن ہلال بن کر آسمان (مغرب کی
طرف) پھر نمودار ہو جاتا ہے اور اسکے اس عمل میں نہ تو کسی قسم کا خلل پڑتا ہے اور نہ اسمیں کوئی تاخیر
ہوتی ہے اور پھر انسان نے دوبارہ چاند کے طلوع ہونے کے اس درمیانی مدت کی حد بندی

کی اور اسکا نام ہفتہ تجویز کر لیا۔ اب اسطرح اسکو اپنی ساٹھ سال کی عمر کا حساب رکھنے کے لئے صرف ۷۲۰ مہینوں کی یاد ہی رکھنی پڑتی تھی جو پہلے کے مقابلہ میں آسان ضرور تھی لیکن تھی یہ بھی ناقابل عمل چیز۔ پھر اسنے موسموں کی تبدیلی اور انکے پلٹ کر دوبارہ آنے کی مدت پر غور کیا اور دیکھا کہ کسی موسم کے دوبارہ آنے میں چاند بارہ مرتبہ طلوع کرتا ہے اور اسطرح اسنے بارہ مہینوں کی ایک مدت کی بھی حد بندی کر لی جسکا نام اسنے سال رکھ دیا۔ اور اسطرح دنوں، مہینوں اور سالوں کی تشکیل ہوئی اس سلسلے میں ایک دقت ابھی باقی تھی کہ ان بارہ مہینوں کو یاد رکھ کر ایک سال کی مدت طے کرنے میں غلطیوں کے امکانات زیادہ تھے اور اس دقت کو انھوں نے بارہ مہینوں کے بارہ نام رکھ کر دور کی۔ تاکہ ذہنی شکوک اور یادداشت کی کمزوری کیوجہ سے بے ترتیبی اور بے ربطی کا شکار ہو کر ایک سال کبھی تو گیارہ مہینوں اور کبھی تیرہ مہینوں کا بھی ہو سکتا تھا مصر کے آثار قدیمہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے اہل مصر نے تشکیل اوقات کیطرف توجہ دی تھی اور جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہاں ہلال کی شکل کا چاند بنا دیا کرتے تھے۔ اور ۶۰۰۰ ق۔م میں انھوں نے اپنے بارہ مشہور دیوتاؤں کے نام بارہ مہینوں پر رکھ دیئے تھے۔ اور اسطرح انھوں نے سال کی حد بندی کر دی تھی۔ اہل عرب نے بھی قمری حساب سے بھی بارہ مہینوں کے نام رکھے اور پھر برسوں کی مدت کو باضابطہ تحریروں میں لانے اور ریکارڈ میں رکھنے کے لئے ان کے سن ہجری کا آغاز ہوا جس کی ابتدا امیر المومنین حضرت علی کے مشورہ پر رسول کی ہجرت کے سال سے ہوئی۔ اگرچہ رسول کی ہجرت ۲۰ صفر کو ہوئی تھی مگر محرم کی حرمت اور اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی سال کے محرم کو نئے ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ قمری مہینوں کا حساب کسی طرح کے گھٹنے اور بڑھنے کی الجھنوں سے پاک اور نہایت ہی آسان اور فطری ہے مگر اسمیں ایک دقت ہے کہ اس طریقہ سے موسموں کی حد بندی نہیں ہو پاتی اور اسطرح رمضان المبارک کا مہینہ کبھی سردیوں میں پڑتا ہے تو کبھی گرمیوں میں اور کبھی برسات میں۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لئے قدرت نے پھر سہارا دیا۔ ماہرین فلکیات نے طاقتور دوربینوں کی مدد سے دیکھا کہ چاند ہر رات کسی نہ کسی ستارے کے قریب نظر آتا ہے اور چاند کی واضح راہیں ۲۸ ہوا کرتی ہیں اور اسطرح انھوں نے چاند کی اٹھائیس منزلیں مقرر کر لیں۔ اور پھر حوالوں کے لئے ان ستاروں سے متعلق ان منزلوں کے نام بھی رکھ لئے۔ اور یہی وہ منزلیں ہیں جنکی طرف کلام ربانی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ" (۱۰-۵)

"وہی تو خدائے قادر ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور ماہتاب کو روشن بنایا اور اسکی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم لوگ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو" (۱۰-۵)

چاند جس رات کو جس ستارے کے قریب نظر آتا ہے اسی کے نام پر اس منزل کا نام رکھ دیا گیا اور جوتش میں ان منزلوں کو نچھتر کہتے ہیں جیسے اسونی۔ ۔ ۔ دہنی وغیرہ اور عربی میں انکے نام

سرطان، بطین، ثریا اور غفر وغیرہ ہیں طاقتور دوربینوں کی مدد سے افلاک کے ماہرین نے یہ بھی دیکھا کہ چاند اور سورج کے مدار پر تاروں کے ایسے جھرمٹ بھی ہیں جنکے ملا دینے سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں۔ اور پھر انھیں شکلوں کے نام پر انھوں نے بارہ مہینوں کے نام بھی ترتیب وار رکھ دیے جیسے حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ اور یہی بارہ برج ہیں جن کی قرآن حکیم کی آیات نے کئی جگہ پر نشاندہی کی ہے۔

"تبارک الذی جعل السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا" بہت بارکت ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں برج بنائے ہیں اور ان برجوں میں آفتاب کا چراغ اور چمکتا چاند بنایا (۶۱-۲۵) والسماء ذات البروج ۵ برج والے آسمانوں کی قسم ۵ (۸۵-۱)

چاند اور سورج کی منزلوں اور افلاکی برجوں کے متعلق آج سے چودہ سو سال پہلے عرب جیسے تاریک اور دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں سے کٹ کر الگ رہنے والے خطہ میں جسکی مختصر سی ایک جھلک اس باب کے ابتدا میں دی جا چکی ہے اس سلسلے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور یہ کلام الٰہی ہی تھا جس نے اس پسماندہ قوم کو اتنے عظیم علم سے روشناس کرایا تھا۔

موسموں کی حد بندی کرنے کے سلسلے میں انسان نے ان منزلوں کو ۳۶۰ درجوں میں تقسیم کر کے دیکھا تو چاند ہر منزل میں تقریباً ۱۲،۸ درجہ کا فاصلہ طے کرتا معلوم ہوا اور پھر اس طرح ہر برج میں اسکا قیام دو دن آٹھ گھنٹے کا پایا گیا۔ ماہرین فلکیات نے یہ بھی دیکھا کہ جس منزل کو چاند چوبیس گھنٹوں میں طے کرتا ہے سورج اسے ۱۳ دنوں میں (بڑے مدار کیوجہ سے) طے کر سکتا ہے۔

اس طرح شمسی سال کی مدت ۳۶۵ دن۔ ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ میں پوری ہوتی ہے جبکہ قمری سال کی مدت ۳۵۴ دن آٹھ گھنٹے ۴۸ منٹ ۳۲ سیکنڈ میں پوری ہوتی ہے اور اسطرح قمری سال شمسی سال سے ۱۰ دن ۲۱ گھنٹے ۱۴ سیکنڈ چھوٹا ہوتا ہے اس طرح ہر سو سال بعد قمری سال شمسی سال سے تین سال آگے بڑھ جاتا ہے اسی سلسلے کی ایک روایت ہے کہ اہل کتاب میں سے کسی نے ایکبار امیر المومنین حضرت علیؑ سے سوال کیا تھا کہ قرآن میں تو اصحاب کہف کے سونے کی مدت کو تین سو سال بتلایا گیا ہے مگر اور لوگوں نے اس مدت کو تین سو نو سال بتلایا ہے پھر یہ اختلاف کیوں ہے اس پر حضرت نے یہی فرمایا تھا کہ یونانیوں کے تین سو برس عربوں کے تین سو نو برس کے قمری سال کے حساب سے ہوتے ہیں کیوں کہ جب ہر سو سال پر تین سال کا اضافہ ہوگا تو تین سو سال کے بعد نو سال کا اضافہ ہونا چاہیے۔

جن ملکوں میں مہینوں کی مدت کے کم ہونے کی وجہ سے سال کی مدت کم ہو جاتی ہے اور فصلوں اور موسموں کی حد بندی نہیں ہو پاتی وہ انہیں دنوں کا اضافہ کرکے اسے شمسی سال کے مطابق کرتے رہتے ہیں جیسے اہل ہند ہر تیسرے سال ایک مہینہ کا اضافہ کرکے اپنے سال کو شمسی سال کے مطابق کر لیتے ہیں اسی طرح ترکستان کے لوگ جتنے مہینے قمری مہینوں کے برابر ہوتے ہیں ہر تیسرے

سال ایک مہینہ کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اہل فارس جنکے مہینے فروردین، اردی بہشت، خورداد
تیر، مرداد، شہریور، مہر، آبان، آذر، دی، بہمن اور اسفندارمذ جو سارے کے سارے تیس تیس دن
کے ہوتے ہیں۔ اور اسطرح ان کے ایک سال کے ۳۶۰ دن بن جاتے ہیں لیکن وہ اسفندارمذ کے آخر
میں پانچ دنوں کا اضافہ کرکے اسے شمسی سال کے مطابق کر لیتے ہیں اور پھر ۱۲۰ سال بعد ایک مہینہ کا
اضافہ کرکے باقی کمی کو پورا کر لیتے ہیں۔ روم میں قدیم زمانہ میں مہینوں کا حساب تو چاند سے کرتے تھے
لیکن سال کا حساب سورج سے لگاتے تھے پھر اسکے بعد جولیس سیزر نے ۴۵ ق م میں دو منجموں
کی مدد سے سال کی مدت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے مقرر کی اور انکو مہینوں میں اسطرح بانٹا کہ فروری تو
۲۹ دن کا رکھا گیا اور باقی مہینے بالترتیب ایک مہینہ تو ۳۰ دن کا اور دوسرا مہینہ ۳۱ دن کا قرار
پایا اور اس چھ گھنٹہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہر چوتھے سال ماہ فروری میں ایکدن کا اضافہ
کر گیا۔ اور اپنے نام پر جون کے بعد والے مہینے کا نام جولائی رکھا اس کے بعد اس کے قائم مقام آگسٹس سیزر
نے اپنے نام پر جولائی کے بعد کے مہینہ کا نام اگست رکھا اور فروری سے ایکدن نکال کر اپنے نام کا مہینہ
بھی ۳۱ دن کا کر دیا۔ یہ حساب اہل روم میں صدیوں چلتا رہا لیکن سال کی مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے
تھی اس لئے ۴۰۰ سال کے بعد شمسی سال میں ۳ دن کا فرق پڑ گیا۔ چنانچہ وہاں کے منجموں نے اس پر غور
کیا اور بتایا کہ چونکہ شمسی سال کی صحیح مدت ۳۶۵ دنوں اور ۶ گھنٹوں کا حساب کرتا ہے اس لئے
۴۰۰ چار سو برسوں میں ۳ دنوں کا فرق آنا لازمی تھا۔ اور اسطرح ۱۵۸۲ء میں پاپائے اعظم گریگری
نے اسطرف توجہ دی تو پایا کہ اسوقت تک کی مدت شمسی سال سے دس دن زیادہ ہو چکی تھی اور
انھوں نے ان آگے بڑھے ہوئے دس دنوں کی تعداد کم کرکے اس میعاد کو شمسی سال سے ملا دیا پھر
آئندہ کے لئے انھوں نے ہر تین سال کے ۳۶۵ دن رکھے اور چوتھے سال کے دنوں میں اضافہ
کرکے اسے ۳۶۶ دنوں کا کر دیا تاکہ ان چار سالوں میں ہر سال جو ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۶
سیکنڈ کا اضافہ ہوتا ہے اسکو پورا کیا جاسکے مگر پھر دیکھا گیا کہ اسطرح بھی بہر حال فرق آرہا تھا
کیونکہ کمی تو اصل میں چار سالوں میں ۲۳ گھنٹوں اور ۱۵ منٹ اور چار سیکنڈ کی پڑ رہی تھی اور اضافہ
۲۴ گھنٹوں کا کیا گیا تھا اور اسطرح ۴۰۰ سالوں میں تین دن کا فرق پڑ رہا تھا اس غلطی کی تلافی
کے لئے کل صدی والے سالوں میں اب صرف ان سالوں میں اضافہ رکھا گیا جو ۴۰۰ سے پورے پورے
کٹ جائیں تاکہ یہ بڑھے ہوئے تین دن بھی کم ہو سکیں اسکے باوجود بھی دیکھا گیا کہ ۲۶ سیکنڈ ہر سال
بڑھ رہے تھے جو بڑھتے بڑھتے ۳۳۲۳ برسوں میں ایک دن کے برابر ہو جائے گا۔ اس کمی کو
پورا کرنے کی یہ صورت نکالی گئی کہ وہ سال جو چار ہزار سے پورا پورا تقسیم ہو جائے اسمیں ایک
دن کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اس حساب سے ایک دن تو ۳۳۲۳ سالوں میں بڑھتا تھا اور
ایک دن کی کمی کی تجویز ۴۰۰۰ سالوں میں رکھی گئی اس حساب سے اب اس ایک دن کا اضافہ
۳۳۲۳ سالوں کے بجائے بیس ہزار سالوں میں ہو گا۔ اور اس دشواری کے حل

کرنے کی ابھی کوئی کوشش نہیں کی گئی ۔

جس سال میں ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے اس سال کے سن عیسوی کو چار کے عدد سے پورا تقسیم ہو جانا چاہیئے ۔ اور اس طرح وہ سال ۳۶۶ دنوں کا اس طرح ہوگا کہ اس سال کے ماہ فروری کو ۲۹ دن کا مان لیا جائے گا ۔ برسوں کے پہچاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس سن عیسوی کو چار سے تقسیم دیں پر اگر ایک باقی رہے تو وہ ۳۶۵ دن والا پہلا سال ہوگا اگر دو باقی رہیں تو ۳۶۵ دنوں کا دوسرا سال ہوگا اگر تین باقی رہیں تو ۳۶۵ دنوں کا تیسرا سال ہوگا اور اگر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو اسی سال کو ۳۶۶ دنوں کا کریں گے اور اسی سال کو لیپ ایر (LEAP-YEAR) ایجاد کی ۔ چھلانگ والا سال ہوگا ۔

المختصر اسطرح دنوں ، مہینوں اور سالوں کا چاند اور سورج کی مدد سے تعین ۔ چاند اور سورج کی منزلیں اور ان کے برج اور پھر چاند کے گھٹنے بڑھنے رہ کر مہینوں کے ابتدائی ، وسطی اور اختتامی ایام کی یادولانے کے لئے شکلیں اور زاویے بدل بدل کر آنا یہ سب قدرت کے ایک خود کار کلنڈر نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ سب اسی خالق مطلق وجبار کی عنایتیں اور بخششیں ہیں جنکا ذکر قرآن حکیم میں جگہ جگہ آیا ہے ۔

نور آفریں سورج اور منور چاند

خالق مطلق جبار ہے کے ساتھ ساتھ رحیم وکریم بھی ہے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی ۔ پھر اس نظام شمسی کی تخلیق کی جس میں کی ایک ہماری دنیا بھی ہے پھر اس دنیا میں ہر قسم کی نعمتیں اور طرح طرح کی مخلوق پیدا کردی اور پھر سب سے آخر میں انسان کو اشرف المخلوقات اور نعمتوں میں تصرف کرنے والا بنا کر پیدا کیا ۔ اسی نظام شمسی سے منسلک یہ سورج اور چاند بھی ہیں جن سے بے شمار فائدے ہیں لیکن یا تو ہم ابتک انجان ہیں اور ہماری عقلوں میں اتنی وسعت ہی نہیں ہے اور یا تو ہمارے علم کی رسائی ہی ان منزلوں تک نہیں ہو پائی ہے ۔ ان چاند اور سورج سے متعلق جو معلومات بھی ابتک ہم کو ہو پائی ہے وہ ابھی ضیاء پاشی سے جنکا دن اور رات سے سیدھا تعلق ہے ۔

کس قدر روشن ثبوت ہے قرآن کریم کے کتاب آسمانی ہونے کا کہ آج سے ایک ہزار سال پہلے تک عالمی دانشوروں اور نجومیوں کا یہ یقین عقیدہ تھا کہ زمین ساکت ہے اور چاند سورج ا ور سیارے سب زمین کے گرد چکر لگا رہے ہیں ۔ انکا یہ بھی عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند دونوں ہی نور آفریں ہیں بس فرق ہے تو صرف انکی جسامت کا یعنی سورج بڑا ہونے کے سبب سے تیز اور زیادہ روشنی پھیلا سکتا ہے

اور چاند چھوٹا ہے اس لئے اس کی روشنی بھی کمزور اور محدود ہے۔ مگر قرآن حکیم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل لاعلمی کے اس تاریک دور میں علم و حکمت کا وہ عظیم اور بیش بہا درس دیا۔ جس نے توہمات اور قیاسات پر مبنی بے بنیاد نظریوں کو باطل کر کے چکنا چور کر دیا۔ اس سلسلے کی ایک ابتدائی آیت ہی ذہن انسانی کو جھنجوڑ دینے اور صدق دل سے تسلیم کر لینے کیلئے کافی ہے۔ کہ بالیقین قرآن ایک کتاب آسمانی ہے۔

"وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون"
اور وہی وہ قادر مطلق ہے جس نے رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب کو پیدا کیا۔ یہ سب کے سب آسمان (خلاؤں) میں تیرتے ہیں گردش کرتے ہیں (۲۱-۳۳) کس قدر مدلل طریقوں سے رات اور دن کو چاند اور سورج سے منسلک کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان سب کے گردش کرنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کلی درس اس خالق مطلق کا دیا ہوا ہے کہ ان رات اور دن کے آنے جانے میں چاند اور سورج کا کس قدر اہم رول ہے۔ یہ بات تقریباً ہر جگہ دیکھنے میں آتی ہے کہ جہاں جہاں آیات کریمہ میں دن اور رات کا ذکر ہے وہاں وہاں چاند اور سورج کا بھی ذکر ہے۔ یعنی کارندے اور کارگذار ہر جگہ ایک ساتھ اپنا کردار پیش کر رہے ہیں۔ آگے کی آیات گرامی میں اس علم کی بھی گرہ کشائی کی گئی ہے کہ سورج اور چاند دونوں ہی ضیا آفریں نہیں ہیں بلکہ انمیں کا سورج ہی نور آفریں ہے جس کی ساخت ایک نارِ باجز جیسی ہے جبکہ چاند سورج کی روشنی سے ہی چمکتا ہے اور اسی کی روشنی کو زمین پر منعکس کرتا ہے اور اسطرح چاند محض درخشاں اور منور ہے۔ ایسی آیات گرامی پر نظر ڈالئے اور خود کو آج کے دور کا انسان سمجھ کر چودہ سو سال قبل کے تاریک دور میں لے جا کر ذرا سوچئے کہ کسطرح آج بھی جدید سائنس کی تعلیم آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے دی جا رہی ہے۔ ان آیات گرامی میں رات اور دن سے چاند اور سورج کو منسلک کرنے کے ساتھ ساتھ اس رمز سے پردہ اٹھایا ہے کہ سورج نور آفریں ہے جبکہ چاند محض منور اور درخشاں اور اس بات کو آجکا ایک سائنس کا ابتدائی طالب علم بھی بتا سکتا ہے۔ "تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا" بہت بابرکت ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان برجوں میں (آفتاب کا) چراغ (نور آفریں) اور چمکتا ہوا (منور) چاند بنایا (۲۵-۶۱) اسکے بعد یہاں ارشاد ہوتا ہے۔ "وھو الذی جعل الیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا" اور وہی تو وہ خدا ہے جس نے رات اور دن (ایک) کو (ایک) کا جانشین بنایا یہ اس کے (سمجھنے) کے لئے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گذاری کا ارادہ کرے" (۲۵-۶۲)

اس علم کو آیات قرآنی نے مختلف جگہوں پر مختلف انداز سے دہرایا ہے تاکہ ذہن انسانی میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔ "وجعل القمر فیھن

نوراً وجعل الشمس سراجاً" اور چاند کو منور اور سورج کو روشن چراغ بنایا" (۷۱-۱۶)

قرآن حکیم نے ایک جگہ ان اجرام فلکی (چاند اور سورج) کے ایک دوسرے افادیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ "هو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب" وہی وہ خدا ہے جس نے آفتاب کو نور افروز اور ماہتاب کو منور بنایا۔ اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم لوگ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو" (۶-۱۰)

خالق مطلق نے اپنی ان عظیم صناعیوں کی افادیت کا جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے مگر نہ تو ذہن انسانی کا فہم وہاں تک پہنچ پا رہا ہے اور نہ جدید سائنس نے ہی اتنی پیش رفت کی ہے جو ان تعلیمات کو پورا سمجھ سکے اخیر میں اس سلسلے کی ایسی ہی ایک آیت کے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جس میں ان تفصیلات کا ایک اجمالی ذکر ہے۔

"وآية لهم اللیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون ○ والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم ○ والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ○ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون ○" اور (میری قدرت کی) ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ کر نکالتے ہیں (زائل کر دیتے ہیں) تو بس اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور ایک نشانی آفتاب ہے جو ٹھیک اپنے ایک ٹھکانے پر چل رہا ہے یہ (سب سے) غالب واقف کار (خدا) کا (باندھا ہوا) اندازہ ہے۔ اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ وہ پھر (آخر ماہ میں) کھجور کی پرانی ٹہنی سا (پتلا اور ٹیڑھا) ہو جاتا ہے دن سے یہ نہیں بن پڑتا کہ وہ ماہتاب کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سورج چاند اور تارے) ہر ایک اپنے آسمان (مدار) پر چکر لگا رہے ہیں۔ (۳۶-۳۶ تا ۴۰)

مختلف قسم کی تاریکیاں اور روشنیاں:-

سورج کی نور افشانیوں اور ضیا پاشیوں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے کچھ اور بھی دوسری اطلاعات دی ہیں۔ خالق مطلق جو اس کائنات کا بنانے والا بھی ہے اور علیم و حکیم بھی فرماتا ہے "ان اللہ لطیف خبیر" بے شک خدا بڑا باریک بین اور واقف کار ہے (الحج-۱۰) اور اسی نے ان نورانی کرنوں اور شعاعوں کو بھی خلق کیا ہے قرآن پاک میں ایک جگہ اس نے انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور" سب تعریف خدا کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اس میں مختلف قسموں کی اندھیریاں اور روشنی بنائی (۶-۳)

مختلف قسم کی تاریکیوں کا ذکر تو قرآن میں اکثر مقامات پر آیا ہے۔ کسی طرح کی تاریکیاں

سے ہم واقف بھی ہیں جیسے گناہوں کی تاریکیاں۔ جہالت کی تاریکیاں۔ دلوں کی تاریکیاں۔ بداعمالیوں کی تاریکیاں عام راتوں کی تاریکیاں برسات کی راتوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں۔ پانی کے اندر مختلف گہرائیوں کی تاریکیاں پردوں کی تاریکیاں۔ شکم مادر کی تاریکیاں وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کے علاوہ اگر کچھ ایسی تاریکیاں بھی ہوں جو ابھی جدید سائنس کی نگاہوں سے اوجھل ہیں تو پھر ہمیں ان کے لئے وقت کے ساتھ ساتھ قدرت کی رہبری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اب جہاں تک مختلف قسم کی روشنیوں اور شعاعوں کا سوال ہے۔ تو ان میں سے کچھ تو جدید سائنس کے علم میں آچکی ہیں اور کچھ پر ابھی تحقیق و تجسس جاری ہے اور دھیرے دھیرے واقفیت ہو رہی ہے جیسے گاما ریز GAMMA RAYS ، ایکس ریز (X-RAYS) ماورائے بنفشی شعاعیں ULTRAVIOLET RAYS ماورائے احمر شعاعیں INFRA-RED RAYS وغیرہ انہیں سب سے زیادہ تیز اور سب سے قریبی اور رفعت والی لہریں GAMMA RAYS کی ہوتی ہیں اس کے بعد ہوتی ہیں ایکس ریز کی پراسرار اور قریبی رفعت رکھنے والی لہریں اور پھر اس کے بعد نمبر آتا ہے ماورائے بنفشی اور پھر ماورائے احمر شعاعوں کا اور سب سے آخر میں ریڈیائی لہروں RADIO WAVES کا جنکی لہریں سب سے دور کی رفعت رکھتی ہیں وہ روشنی جسکو ہم دھوپ کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں انہیں کو روشنی یا VISIBLE LIGHT کہتے ہیں اور باقی اس کے علاوہ ساری شعاعیں نابینائی کی شکل کی ہوتی ہیں جو ہم کو نظر نہیں آسکتیں مگر ان کے مثبت اثرات ساری کائنات پر اور خصوصاً ہمارے نظام شمسی پر براہ راست ہوا کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے مقدار سے زیادہ یا کم ہو جانے پر منفی اثرات بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کی شعاعیں نابینائیوں کی حامل ہونے کی وجہ سے بڑی زود اثر ہوتی ہیں ان لہروں کا ایک اجمالی جائزہ لینا ضروری ہے جو موجودہ دور میں تحقیق و جستجو کے ذریعے دریافت ہو رہی ہیں۔

ان کرنوں میں سب سے پہلے تو سورج کی ان شعاعوں (کرنوں) کا ایک مختصر تذکرہ کرتے چلیں جو عام فہم بھی ہیں اور نظر آنے والی بھی اور انہیں شعاعوں سے ہر جاندار۔ انسان۔ چرند پرند اور نباتات غرض سب کو توانائی حاصل ہوتی ہے موجودہ دور میں انہیں کرنوں سے بجلی بنانے کا کام بھی لیا جا رہا ہے جسکو SOLAR-ELECTRICITY یا شمسی برقیہ کہتے ہیں سورج سے بجلی حاصل کرنے کا یہ طریقہ دنیا میں بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے آج ہر جگہ دنیا میں شمسی سیل SOLAR CELLS بنانے کے کارخانے قائم کئے گئے ہیں اسکی تیز رفتار ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں [illegible] میں اس سے صرف M.W. 2 میگا واٹ بجلی پیدا کی جاتی تھی جبکہ آج اسکی مقدار بڑھ کر MW ۵۵۰ میگاواٹ یعنی ۵۵ کروڑ واٹ ہو گئی ہے اور اس طرح اس کی ترقی کی رفتار ہر سال ۱۵ فیصد کے حساب سے بڑھ رہی ہے سورج سے بجلی حاصل کرنے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سورج ہی ایک ایسا انفرادی ذریعہ ہے جس سے بجلی براہ راست حاصل کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے کسی دوسرے متوسل یا معاون کی ضرورت نہیں۔

پڑتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے بہت سے اندرونی اور دور افتادہ علاقوں میں جہاں بجلی لے جانا یا کسی
دوسری قسم کی توانائی کا پہنچانا یا تو ممکن ہی نہیں ہے اور یا تو پھر بہت دشوار اور مہنگا ہے وہاں پر
شمسی توانائی ہی عملی طور پر ممکن اور کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔ مصنوعی سیارے SATELLITES
بھی شمسی سیل سے ہی کام کر رہے ہیں۔ جو سورج کی کرنوں سے چارج بھی ہوتے رہتے ہیں۔ آج کل
ترقی یافتہ ملکوں میں پانسو میگاواٹ کے پاور ہاؤس بھی بن چکے ہیں جنہیں سورج کی کرنوں کو
براہ راست برقی توانائی میں تبدیل کرنے کا کام لیا جا رہا ہے پھر بھی اس سلسلے میں ابھی بہت زیادہ
پیش رفت نہیں ہو پائی ہے اور ابھی تک شمسی توانائی سے دنیا کی ضرورتوں کا مشکل سے ایک فیصد ہی
پورا ہو پا رہا ہے مگر آئندہ دور میں شاید سورج ہی برقی توانائی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔

کوئلہ، تیل اور دوسرے ذریعے جن سے آج بھی ہم بجلی پیدا کر رہے ہیں یا کسی طرح کی توانائی
حاصل کر رہے ہیں وہ سارے کے سارے جلد یا بدیر ختم ہو جانے والے ہیں جس کی مثال ایک موم بتی
سے دی جا سکتی ہے جو روشنی دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی رو بہ اختتام ہوتی ہے اور پھر آخر کار جل کر ختم
ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ اسکی ساری نور افشانیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہم
سورج کو دائمی کہہ سکتے ہیں اگرچہ مجازاً ہی سہی۔ سورج میں انرجی، توانائی اور ایندھن کا لامحدود
بھنڈار ہے اور یہ ایک ایسا برقی آتشیں جز بڑا ہے جس میں ہر ایک سیکنڈ میں تقریباً ۴۲ لاکھ ٹن۔
ایندھن (۱۰۲۶) حراروں CALORYES میں تبدیل ہوتا رہتا ہے گو کہ ایندھن کے استعمال ہوتے
رہنے کی یہ مقدار اور رفتار دونوں ہی بہت زیادہ ہے لیکن سورج میں ایندھن بھی اسی رفتار
سے آ رہا ہے جو وہ ہر لمحہ ایٹمی دھماکوں اور ہائیڈروجن کے کیمیاوی ردعمل سے حاصل ہوتا رہتا
ہے اور پھر بھی سورج کی جسامت اتنی بڑی اور عظیم ہے کہ اسکا ایندھن جلتا رہے گا ابھی اربوں سال
تک سورج میں توانائی پیدا کرنے کا یہ عمل جاری رہتا ہے اور یہ توانائی مختلف رنگوں کی کرنوں
کے ذریعے ہم تک پہنچتی رہتی ہیں اگر سورج میں توانائیوں کے تیار ہونے کا یہ عمل ختم ہو جائے یا
ان کا مختلف کرنوں کے ذریعے اخراج نہ ہو سکے تو دنیا کے سارے کام ٹھپ پڑ جائیں پھر نہ تو کسی
جاندار میں کام کرنے کی طاقت رہ جائے اور نہ یہ کل اور کارخانے ہی کام کر سکیں۔ سورج میں
توانائی پیدا کرنے کا یہ عمل ہائیڈروجن کے سالمہ (MOLECULE) کے پگھل کر ہیلیم کے سالمہ میں
تبدیل ہونے کا ردعمل REACTION کے وجود میں آتا ہے اور اس طرح ہائیڈروجن کے دو سالمے
کے پگھل کر ملنے کے ردعمل میں ہیلیم کے ایک سالمہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے جو وزن میں ہائیڈروجن
کے دو سالموں کے برابر ہی ہوتا ہے مگر اس کا حجم بہت کم ہو جاتا ہے اور حجم کی اسی کمی سے
پیدا ہونے والی خلا کو جوہری توانائی بھرتی رہتی ہے۔

سورج اپنی اسی انرجی کو مختلف کرنوں کے ذریعے اپنے تحت نظام شمسی کے ستاروں
تک پہنچا رہا ہے۔ سورج میں پیدا ہونے والی صرف وہی توانائیاں ہماری دنیا تک پہنچ سکتی

ہیں جو مقناطیسی قوت ELECTROMAGNATI ہوتی ہیں اور خلاؤں کو پار کر کے مقناطیسی کشش
کے ذریعے ہم تک پہنچ سکتی ہیں جنکو مقناطیسی برقی لہریں ELECTRO MAGNATIC RADIATION
کہتے ہیں سورج سے نکلنے والی جوہری توانائیاں جو رنگین کرنوں کے وسیلے سے ہماری دنیا تک پہنچتی
ہیں وہ زیادہ تفصیل طلب ہونے کے ساتھ ساتھ اس عنوان سے ہٹ کر ہیں اس لئے ان رنگین
شعاؤں اور کرنوں کی معلومات ان کے اثرات اور افادیت کے پیش نظر اس عنوان پر ایک الگ
مضمون "رنگین کرنیں اور تابکاریاں" کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

رنگین کرنیں اور تابکاریاں

قرآن حکیم میں رنگین کرنوں کا ذکر بھی آیا ہے اور ان کی افادیت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس
محترم کتاب کو خدائے کریم کیطرف سے نازل ہوئی کتاب آسمانی ہونے کا یقین نہ رکھنے والے
محققین اور حقائق کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیں کہ اس عظیم علم کی تعلیم اسوقت
دی جا رہی ہے جب ساری دنیا پر اور خصوصاً جزیرہ نما عرب پر علم کی کم مائیگی کا ایسا جمود
طاری تھا کہ ان علمی اشارات کیطرف ان کے ذہنوں کا رجوع اور متوجہ ہونا ہی ناممکن تھا۔
آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے جب عام برقی قوتوں اور الیکٹرانکس کا علم بھی انسان کو نہیں تھا
تو ایسی عظیم معلومات کی تحقیق اور دریافت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایسے دور میں جب
ساری دنیا پر جہالت اور توہمات کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے اس وقت سوائے خالق کائنات
اور مالک دو جہاں کے اپنی اس عظیم اور بعید از فہم تخلیق کیطرف کون اشارہ کر سکتا تھا۔
سائنسدانوں نے برقی قوتوں و الیکٹرانکس کے علم میں تدریجی ترقی کی ہے جس کی ابتدا ہی بیسویں
صدی کے ساتھ ہوئی ہے جو ایک لمبی داستان ہے۔ اور اسطرح موجودہ دور کی جدید سائنس
نے ان علمی سائنس کے شعبوں جو بھی ترقیاں اور دریافتیں کی ہیں وہ محض انیسویں صدی کی باتیں
ہیں اور خصوصاً کرنوں اور شعاؤں پر ان کی معلومات محض بیسویں صدی کی تحقیق و دریافت کا
نتیجہ ہیں اور ان کرنوں کی تابکاریوں پر آج بھی تحقیق و انکشافات ہو رہے ہیں اور سائنسدانوں
نے ابتک مختلف قسم کی رنگین کرنوں اور تابکاریوں کو ان کی مختلف قسم کی سرعت FREQUNCY
کے ذریعے پہچان لیا ہے اور ان سے فائدے بھی حاصل کئے جا رہے ہیں۔ حقیقت میں ان
رنگین کرنوں کا منبع سورج ہی ہے اگرچہ ان کرنوں کا کچھ حصہ کا نکاس بھی ہوتا ہے۔ جو
پہاڑوں۔ ریگستانوں۔ دور دراز تک پھیلی ہوئی چٹانوں اور لامحدود سمندروں سے بھی

حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کچھ تابکاریاں دور دراز خلاؤں میں گردش کر رہے اس نظام شمسی
کے دوسرے اجرام فلکی سے نہ کہ نظام شمسی سے بھی دور دراز وسعتوں کا فاصلہ طے کرکے ہماری زمین پر
آتی رہتی ہیں۔ قرآن حکیم نے ان تابناک اور روشن کرنوں کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں آیا ہے۔
"الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور" سب
تعریف خدا کے لئے ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اسمیں مختلف قسم کی تاریکی اور روشنی
بنائی۔ (۶-۱)

مختلف قسم کی تاریکیاں تو جو ظاہر ہیں وہ پہچانی ہی جا چکی ہیں ان کے علاوہ اگر کچھ ایسی تاریکیاں
بھی ہیں جن سے ہم ابھی تک واقف نہیں ہو پائے ہیں تو جدید سائنس کو ابھی تک انکا کوئی قابل ذکر
انکشاف نہیں ہو پایا ہے جہاں جدید سائنس نے بیسویں صدی میں مختلف قسم کی کرنوں۔ رنگوں
اور تابکاریوں کے سلسلے میں قابل قدر ترقی کر لی ہے اور اس سلسلے میں انکی کاوشیں آج بھی جاری
ہیں اور ساتھ ہی ساتھ عجیب و غریب انکشافات بھی ہو رہے ہیں۔ ابتک سائنسدانوں نے جن کرنوں
کو ابتک معلوم کیا ہے انہیں سلسلہ وار (۱) گاما ریز GAMMA-RAYS (۲) ایکس ریز (X-RAYS (۳)
ماورائے بنفشی کرنیں ULTRAVIOLET-RAYS (۴) دھوپ SUN (۵) ماورائے احمر کرنیں
INFRA RAD RAYS (۶) کائناتی شعاعیں COSMIC RAYS (۷) ریڈیو لہریں WAVES
RADIO (۸) وغیرہ ہیں انہیں سب سے تیز رو اور قریبی سرعت FREQUENCY رکھنے والی گاما ریز
ہوتی ہیں اس کے بعد سرعت کے اعتبار سے دوسرا نمبر ایکس ریز کا آتا ہے اس کے بعد سرعت کے اعتبار
سے نمبر ماورائے بنفشی پھر ماورائے احمر اس کے بعد کازمک کرنیں اور پھر سب سے لمبے فاصلہ کی
سرعت رکھنے والی ریڈیو لہریں۔

ان سب میں سورج کی روشنی (دھوپ) SUN کی ہی ایسی کرنیں ہیں جو ہم کو نظر آتی
ہیں باقی سب کرنیں اپنی تابناکی اور سرعت کے اندازے سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔ اور ویسے ہم انکو عام حالات
کے تحت دیکھ بھی نہیں سکتے۔ کرنوں کی تابناکی کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات واضح
ہیں۔ یہ شعاعیں جو بہری تابناکیوں کی حامل ہونے کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز۔ ہر شے اور دنیا میں
ہر طرح کی زندگیوں پر ہر لمحہ اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ ان کرنوں کو استعمال میں لائے جانے اور انکی
افادیت کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد ہم خدا کی عنایتوں اور بخششوں کا اندازہ بہترین انداز میں لگا سکتے
ہیں۔

کرنوں میں سب سے پہلے سورج کی ان شعاؤں کا ذکر کرنا ضروری ہے جنھیں ہم دھوپ SUN
کہتے ہیں ان کرنوں کو ہم عام حالات میں اور بلا واسطے دیکھ سکتے ہیں اور حرارت کو محسوس بھی
کر سکتے ہیں۔ دھوپ انسانوں اور دنیا کے تمام جانداروں۔ چرندوں۔ پرندوں اور نباتات
کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر دھوپ نہ ہو تو دنیا کی ساری زندگیاں مفلوج ہو کر رہ جائیں

ساری نباتات اور روئیدگی ناتواں اور بے جان ہو کر رہ جائیں موجودہ دور میں سورج کی توانائی
SOLER ENERGY سے کئی طرح کے کام لے جا رہے ہیں جن کی تفصیل "نور آفریں سورج اور
سور جامز" کے تحت آ چکی ہے۔

سورج کی ان ظاہری کرنوں دھوپ کے بعد دوسری نایاب کرنیں سورج سے نکل کر اور
خلاؤں سے گذر کر ہماری دنیا تک پہونچ سکتی ہیں جو اپنے اندر مقناطیسی قوت برقیہ رکھتی ہے ان
کرنوں میں سب سے پہلے وسعت کے اعتبار سے پہلا نمبر ماہرین کا آتا ہے۔ ان کرنوں کی لہریں سب
سے زیادہ لمبی اور تیز رفتار رکھنے والی ہوتی ہیں۔ یہ لہریں ہماری دنیا تک سب سے کم مقدار میں
پہونچ پاتی ہیں ان لہروں کے بعد انفرا ریڈ کا نمبر آتا ہے یہ کرنیں بھی عام حالات میں نظر نہیں آتی
ہیں۔ اس کے بعد تیسرا نمبر اودے بنفشی کا آتا ہے جو نکلنے کے فوراً بعد والا رنگ ہوتا ہے جو نہ تو
عام حالات میں نظر ہی آتا ہے اور نہ ان کرنوں کا کوئی دوسرا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سرخ
کے لحاظ سے دھوپ (SUN) کا نمبر آتا ہے جن کے فائدے اور استعمال بھی بے شمار ہیں۔ دھوپ کے بعد اودے
ارغوانی شعاعوں کا نمبر آتا ہے یہ رنگ سرخ رنگ کے فوراً بعد آتا ہے۔ اور اس کا بھی کوئی نام نہیں دیا
جا سکتا ہے۔ یہ کرنیں درد چوٹ کی سینک اور دوسری طرح کی طبی ضرورتوں میں استعمال ہوتی ہیں اس
کے بعد ریڈیائی لہروں کا نمبر آتا ہے ان لہروں کے بھی منفعت بہت زیادہ ہیں مگر لاعلمی کی وجہ سے
یا استعمال میں بے اعتدالی برتنے کی وجہ سے یہ کرنیں مضر اور خطرناک بھی ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے سورج سے یہ شعاعیں ہماری دنیا اور اس نظام شمسی کے دوسرے
ستاروں تک مقناطیسی برقیہ کے ذریعہ سے پہنچتی رہتی ہیں۔ علم سائنس کے اصول کے مطابق
مقناطیسی برقی شعاعیں کائنات کا جس قدر لمبا فاصلہ طے کرتی ہیں اسی قدر کمزور اور منتشر ہو جاتی ہیں
ہماری دنیا سے سورج کا فاصلہ تقریباً ۱۵۰ ملین کلومیٹر ہے اور اس طرح یہ سورج کا محض ایک تنہا
سیارہ ہے جس پر سورج کی توانائی کا بہت قلیل حصہ ہی پہونچ پاتا ہے اور ہماری دنیا تک پہونچ
پانے والی ان شعاعوں کا بھی تقریباً ۳۲ فیصدی بادلوں اور ہواؤں سے منعکس ہو کر یہ منتشر
ہو کر واپس چلا جاتا ہے ان شعاعوں کا تقریباً ۱۰ فیصدی اوزون OZONE، مانسون MONSOON
اور دوسری گیسوں میں جذب ہو جاتا ہے اور اس طرح شمسی توانائی کا آدھے سے
بھی کم حصہ غیر معمولی طریقوں سے ہم تک پہونچ پاتا ہے مگر قدرت کے حکیمانہ نظام کے تحت یہی ہماری دنیا
کے عین مطابق اور موافق ہوتا ہے۔

مقناطیسی برقیہ میں ملفوف ہو کر اور اس کے سہارے پر آنے والی ان کرنوں اور شعاعوں
کی معلومات کے بعد جدید سائنس نے اس صدی کے اوائل میں ایک اور نئی شعاعوں کی معلومات
کی ہے یہ شعاعیں بہت دنوں تک سائنسدانوں کے لئے ایک معمہ بنی رہیں کہ یہ کہاں سے آ رہی
ہیں پہلے ان کا یہ قیاس تھا کہ یہ شعاعیں سورج سے نہ آ کر کائناتی شعاعیں ہیں جو ستاروں کی روشنی

کی طرح دنیا پر ہر طرف سے پڑتی رہتی ہیں اور اسی لئے انھوں نے اس کا نام COSMIC RAYS
یا کائناتی شعاعیں رکھ دیا۔ ان شعاؤں کی تابکاری مسلسل ہوتی رہتی ہے۔ ان تابکار کرنوں کا علم
سب سے پہلے ہنری بیکوریل HENRI BECQUREL کو اس وقت ہوا جب وہ یورینیم پر سریع الاثر
جوہری تابکاری کے سلسلے میں کچھ تحقیقی کام کر رہے تھے۔ اس دوران انھوں نے ناگہانی طور پر
اپنے تجرباتی آلے میں کچھ غیر معمولی لطیف اور حساس مگر ایک عجیب طرح کی نئی تابکاری کا احساس کیا۔ اس
کے بعد انھوں نے اپنے تجرباتی آلہ میں کچھ اصلاحات کرنے کے بعد اس پر ایک نئی قسم کی جوہری تابکاری
کے اخراج کا یقینی احساس کر لیا اور پھر یہیں سے اس نئی سرعت والی شعاؤں کا ایک ناگہانی انکشاف
ہوا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۱۲ء میں آسٹریلین سائنسداں وکٹر ہیز VICTOR HESS نے ان شعاؤں
کے اخراج کے سلسلے میں مزید تحقیق و تفتیش شروع کی۔ اور یہی وہ پہلے سائنسداں ہیں جنھوں نے
ان شعاؤں کے اخراج کے سلسلے میں مکمل معلومات حاصل کی۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے
کچھ خصوصی قسم کے تجرباتی آلات استعمال کئے مگر زمین کی سطح پر اور بھی دوسری طرح کی جوہری
شعاؤں کے اثر انداز ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ اس کے
بعد انھوں نے اپنے اس تجرباتی آلہ کو ایک صندوق میں بند کیا تاکہ کسی دوسری قسم کی شعاؤں
کی تابکاری سے اثر انداز نہ ہو سکے مگر پھر بھی وہ ان سے چھٹکارہ حاصل نہ کر سکے۔ آخر کار وہ ان آلات
کی صندوق کے ساتھ گیس کے غبارے میں بیٹھ کر فضاؤں میں بلند ہوئے۔ پہلے تو ان کے آلہ سے
دوسری طرح کی شعاعیں ٹکراتی رہیں مگر پھر ۵۲۰۰ میٹر کی بلندی پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں
کامیاب ہو گئے اور اس طرح انھوں نے اس بات کا پتہ چلا لیا کہ یہ شعاعیں بھی شمسی تابناکیوں میں
سے ہیں۔ اور اس کا انعکاس بھی فضائے بسیط اور خلاؤں میں بہت کم ہوا کرتا ہے۔ اور یہ کرنیں
بھی مقناطیسی کشش کے تحت زمین کی طرف آتی ہے۔ جو عظیم برقی قوت HIGH VOLTAGE کی حامل
ہوتی ہیں۔ یہ کرنیں چونکہ بڑی توانائی سے بھی مطابقت رکھنے کی وجہ سے انھیں میں مدغم رہتی ہیں جن کا زیادہ
تر حصہ مثبت برقیہ، کچھ حصہ منفی برقیہ اور ایک بہت قلیل سا حصہ نیوٹران (غیر جانبدار) ہوتا
ہے۔ انکی اس دریافت کے صلہ میں وکٹر ہیز کو ۱۹۳۶ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

سورج سے نکلنے والی یہ رنگین کرنیں اور دھوپ و سنہری کرنیں۔

انسانی زندگی، دوسرے جانداروں، درختوں، سبزیوں اور دوسری اشیاء کے لئے نہایت اہم
اور ضروری ہیں۔ اگر یہ سنہری کرنیں (دھوپ) نہ ہو تو روئے زمین کی تمام زندگیاں مفلوج ہو کر
رہ جائیں۔ ہماری بیشتر ارضی اور جسمانی توانائی سورج سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے مختلف
شعبوں، ملوں اور کارخانوں کی سرگرمیاں انھیں کرنوں کی کار فرمائی کا نتیجہ ہیں۔ یہ رنگین
کرنیں اپنی تابکاری کا عمل ہر وقت جاری رکھتی ہیں اور انھیں زندگی کے ہر شعبے اور صنعت
و حرفت میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ جس کا ایک مختصر سا ذکر خدا کی بے انتہا مہربانیوں اور بخششوں

کا احساس دلانے کیلئے کیا جا رہا ہے۔

فیکٹریوں اور کارخانوں میں رنگین کرنوں اور تابناکیوں کی مدد سے صنعتی اور کیمیاوی رنگ تیار کیے جا رہے ہیں۔ دھاتوں کے بنے ہوئے اوزاروں اور پرزوں کی مضبوطی کی آزمائش کرنے میں بھی ان کرنوں کا استعمال ہو رہا ہے اسٹیل اور دھاتوں کے بنے ہوئے پہیوں، گیئر پائپ اور ریلوں کی موٹائی معلوم کرنا جو عام حالات میں ممکن نہیں تھا وہ بھی آج کے دور میں نہایت سہولت کے ساتھ ایک ملی میٹر کے دسویں حصہ تک معلوم کی جا سکتی ہے موجودہ دور میں جو جہاز انجن بجلی گھر بن رہے ہیں جنہیں ان کرنوں کی مدد سے بڑی بڑی ٹربائنیں چلائی جا رہی ہیں جن سے بجلی تیار کیا جا رہا ہے محکمہ رسل و رسائل اور خبر رسانی و اطلاعات کو بھی ان سے بڑے فائدے پہنچ رہے ہیں اور بیشتر آسانیاں فراہم ہو رہی ہیں ریڈیائی لہروں کی مدد سے خبر رسانی کا سلسلہ پلک جھپکتے ہی دور دراز ملکوں سے قائم ہو جاتا ہے۔ مصنوعی سیاروں کی مدد سے کسی بھی ملک سے ملک کے کسی کونے میں ٹیلی فون سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور ٹیلی ویژن پر دنیا کے کسی حصے ممالک کے پروگراموں سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔

انھیں رنگین شعاعی لہروں کی مدد سے مائکرو ویو اسٹیشن قائم کیے گئے ہیں جو تجارت صنعت و حرفت وغیرہ سے متعلق خبریں اور اہم اطلاعات فوراً بھیج دے سکتے ہیں اور دور دراز مقامات سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے شیشے کے باریک ریشہ دار ریشوں GLASS FIBER کے ذریعہ سے ان کرنوں کو گذار کر رنگین فلموں اور ٹیلی ویژن کا آغاز ہو چکا ہے۔

میڈیکل سائنس کو بھی ان کرنوں سے بڑے فائدے حاصل ہو رہے ہیں ایکس ریز گہری عکاسی کیٹ اسکین، ڈائی تھرمی اور الٹرا ریڈ ریڈیئٹنگ کا کام اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ یہ سب انھیں رنگین کرنوں کے طفیل کا نتیجہ ہیں سائنسدانوں نے الٹرا ساؤنڈ ULTRA SOUND کا ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس میں اور سینٹیوں کی آوازیں بچہ کو اونچی فریکوئنسی یا بیٹوں کے الٹرا سونک کرنوں کی مدد سے گردش دیتے اور انہیں بجلی کی لہروں دوڑنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ان آوازوں کی مختلف لہروں سرعت اور بچوں کو بڑے خاص کمپیوٹروں کے وسیلے سے نما جاتا ہے۔ الٹرا ساؤنڈ کی مدد سے جسم کے بہت سے پوشیدہ امراض۔ ٹیومر، کینسر، گال بلاڈر اور گردہ کی پتھریوں، دل کی بے قاعدگی اور بے ربطی کی نشاندہی ہو سکتی ہے ساتھ ہی ساتھ اسکینر کے پردوں پر انکی واضح شکلیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ الٹرا ساؤنڈ کی مدد سے حاملہ عورتوں کے جنین کے حالات کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ انکی نشو و نما اور قلب کی حرکت صحیح ہو رہی ہے یا اس میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو رہا ہے۔ کرنوں کی مدد سے دماغی ٹیومر اور گردے کے پتھروں کا علاج بھی بلا آپریشن کے ممکن ہو چکا ہے۔

ان شعاعوں کی مدد سے نازک مشینوں اور گھڑیوں کے پرزوں کی صفائی اور باریک

بڑی آلات کی ویلڈنگ بھی کامیابی کے ساتھ کیجا رہی ہے۔ موجودہ دور میں ریموٹ کنٹرول CONTROL
REMOT اور مختلف قسم کی الیکٹرانک مشینوں کا استعمال بھی انھیں ریڈیائی کرنوں کی مدد سے کیا
جارہا ہے۔ اسی طرح آلٹراوائلیٹ کرنوں کی مدد سے نقصان دہ عناصر کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے۔ مگر
ساتھ ہی ساتھ ان شعاؤں کے سامنے زیادہ عرصہ تک رہنے کے نتیجہ میں جلد پر آفتابی اثرات کا برا اثر
بھی پڑ سکتا ہے۔ اور جلدی کینسر جیسے امراض کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کرنوں کی مدد سے ضرر
رساں بیکٹیریا اور وائرس کو ختم کیا جاسکتا ہے بڑے بڑے اسپتالوں اور نرسنگ ہوم میں ان کرنوں
سے جراثیم کش بلب GERMICIDAL LAMPS بھی بنائے گئے ہیں۔ جن سے جراحی کے اوزاروں اور
آپریشن کے کمروں۔ پانی اور دواؤں کے دوسرے سامانوں کو اسٹرلائز کیا جاتا ہے ان شعاعی کرنوں
کی مدد سے جسم کے اندر کی وٹامن "ڈی" D کی کمی کو بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔ جلدی امراض۔ ہڈیوں
کی بیماریاں اور چوٹ کا علاج بھی کامیابی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ ان کرنوں کی مدد سے دواؤں
میں طاقت فارمولوں کی درستی اور ان کے اثرات کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے کے
تجربات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شہد کی مکھیوں اور تتلیوں کو یہ کرنیں نظر بھی آتی ہیں اور انھیں
کرنوں کی عکاسی سے ان کے پروں پر رنگین نقشے اور دھاریاں نظر آتی ہیں ان کرنوں کی مدد سے
ہی وہ ملنے کے موسم میں اپنے جوڑے بھی تلاش کر سکتی ہیں۔

آثار قدیمہ کے ماہرین انھیں رنگین کرنوں اور نابجیوں کی مدد سے دور گذشتہ کی
قدیم تاریخی عمارتوں پتھروں اور مورتیوں کی قدامت اور عمر کا صحیح اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔
رنگین کرنیں فوجی اور دفاعی ریسرچ اور تحقیق کے کاموں میں بھی استعمال ہو رہی ہیں ان کرنوں
اور نابجیوں کا استعمال راڈر سائنس میں بھی کیا جارہا ہے جو ریڈیائی لہروں کی مدد سے
دشمنوں کے ہوائی جہازوں۔ میزائلوں پانی کے غوطہ زن جہازوں اور دشمنوں کی نقل
وحرکت کو سیکڑوں میل کی دوری سے دیکھا اور بتلایا جاسکتا ہے ان رنگین کرنوں کے بیشمار
فائدوں میں سے صرف چند کا ذکر تفصیلاً کیا گیا ہے جنکی طرف قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات
میں ذکر آیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ اسی نے تمہارے واسطے رات کو اور دن کو اور سورج کو
چاند کو تمہارا تابع بنا رکھا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم سے تمہارے فرماں بردار ہے کچھ شک نہیں
کہ اسمیں سمجھدار لوگوں کے واسطے یقیناً (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور جو طرح طرح
کے رنگوں کی چیزیں اسنے تمہارے واسطے زمین پر پیدا کیں کچھ شک نہیں کہ اسمیں بھی عبرت و
نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے (قدرت خدا کی) بڑی نشانی ہے (۱۶-۱۲ و ۱۳)

الغرض یہ طرح طرح کی رنگین شعاعیں اور کرنیں جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے خداوند کریم نے
انسانوں کی بہتری کیلئے ہی بنائی ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ "اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو چیزیں
ان دونوں کے درمیان میں ہیں بیکار نہیں پیدا کیا" (۳۸-۲۷)

یہ اس پروردگار حقیقی کا ہم پر احسان ہے جسنے یہ عنایتیں کی ہیں اور جنکا ذکر اہل دنیا کو
احساس دلانے کیلئے فرمایا ہے۔

"اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ
ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
مُّنِيْرٍ ۔ کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ
سب کچھ خدا نے یقیناً تمہارے تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور چھپی ہوئی نعمتیں پوری کر دیں
(۳۱-۲۰)

قبل کی آیات میں خداوند علیم و حکیم نے اپنی ان عظیم عنایتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس
کائنات سے متعلق ہیں ان آیات قرآنی میں ہماری دنیا کے اہم روابط کے ساتھ ساتھ ان شعاعوں
اور تابکاریوں کا ذکر بھی آیا ہے جو زمین پر مسلسل توانائیوں کی بارش کرتی ہیں اور ان شعاعوں
کا بھی جو منعکس ہو کر آسمانوں کی طرف واپس چلی جاتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ
وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۔

"ہر قسم کی تعریف اسی خدا کے لئے ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ
سب کچھ اسی کا ہے اور آخرت میں بھی (ہر طرف) اسکی تعریف ہے۔ اور وہ بڑا واقفکار اور حکیم
ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے۔ جو چیز آسمان سے نازل ہوتی
اور جو چیز اس پر چڑھتی ہے (سب کچھ جانتا ہے) اور وہی بڑا بخشنے والا ہے"۔ (۳۴-۱،۲)

قرآن حکیم میں زمین کے استحکام کا ذکر

زمین کی ساخت، بناوٹ اور اس کے استحکام کے سلسلے میں قرآن حکیم نے متعدد جگہوں پر
نہایت واضح اور معقول طریقوں سے ہماری رہبری کی ہے جیسا کہ معلوم ہے زمین میں دو قسم کی
حرکتیں ہو رہی ہیں ایک تو وہ خود اپنے محور (Axis) پر لٹو کی طرح سے نہایت تیز رفتاری کے

ساتھ جاری ہے جس کی رفتار تقریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہے اور اسطرح زمین اپنا چکر ۲۴ گھنٹوں میں
پورا کرلیتی ہے اسکی دوسری حرکت اپنے مدار (ORBIT) پر ہوتی ہے جو یہ سورج کے گرد اپنے
بیضوی راستے پر چل کر ایک سال میں پورا کرلیتی ہے ان دو قسموں کی گردش میں ایک کو
"محوری حرکت" کہتے ہیں جس سے دن اور رات کا تعین ہوتا ہے اور یہ چوبیس گھنٹہ میں زمین
کا اپنے محور پر ایک چکر لگانا ہوتا ہے اور دوسری قسم کی حرکت کو "مداری حرکت" کہتے ہیں جو یہ سورج
کے گرد اپنے مدار پر ایک سال میں کرلیتی ہے جس سے موسموں میں تبدیلی عمل میں آتی ہے۔
زمین یہ حرکتیں نہایت تیز رفتار سے بڑی غیر متوازن اور ناہموار ڈھنگ سے لہراتے
اور ڈگمگاتے انداز سے بڑے ہیبت ناک طریقے سے کررہی ہے جس کے لئے ہمیں خداوند کریم کے
قائم کئے ہوئے بڑے اور یقینی حفاظتی نظام کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے رحم و کرم
کے انتہائی شکر گذار بھی ہونا چاہیے جس نے ہمارے سکون اور تحفظ کا ایسا انتظام کیا ہے
کہ ہم یہ بھی محسوس نہیں کرپاتے کہ دنیا کسی قسم کی حرکت بھی کررہی ہے دنیا کے دانشور مدتوں
اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ دنیا ساکن اور جامد ہے اور یہ چاند ستارے اور سورج اس کے
گرد چکر لگارہے ہیں اور یہ "سکون و مرکزیت" کا نظریہ ان کے ذہنوں پر ایک ہزار سال قبل
تک مسلط رہا۔ اس سلسلے کے قدرتی تحفظی نظام کا قرآن حکیم کی آیت میں اسطرح ذکر آیا ہے۔
"خلق السموٰت بغیر عمد ترونها والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم" اسی نے آسمانوں
کو ستونوں کے بغیر جیسا کہ تم دیکھتے ہو پیدا کیا اور زمین پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے تاکہ تم کو لیکر ناموزوں
طرح سے نہ ہلا ڈالے" (۳۱-۱۰)

اس آیت میں اس نظریہ کا مفصل اور مکمل درس پنہاں ہے جس کی وجہ سے اس زمین کی
ہیبت ناک ڈگمگا کر چلنے والی غیر متوازن چال اور سرعت رفتار کے باوجود نہ تو اس کے مستحکم
وجود کو کوئی خطرہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ اپنے رہنے والوں کے لئے کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی
کا باعث ہو سکتی ہے انہیں سے ایک تو یہ قوت جاذبہ اور کشش ثقل ہے وہ نہ نظر آنے والے ستون
جنکے سہارے پر دوسرے ستاروں کے ساتھ ایک مقررہ فاصلہ اور ایک مقررہ راستے (ORBIT) پر
چلا رہی ہے۔ نہ تو وہ کسی طرف کو غیر متوازن ہو کر جھک سکتی ہے اور نہ اپنے راستے سے بھٹک
سکتی ہے اور دوسرے ہیں اس پر وزنی اور سنگین پہاڑ جو زمین کے لئے میخوں کا کام
کر رہے ہیں اور اسکی تیز رفتاری کے ساتھ دو طرح کی گردشیں کرنے کے باوجود اسکو کسی طرح غیر
متوازن نہیں ہونے دیتے اور اس پر ہونے والے ہر طرح کے انتشار سے اس کو بچاتے رہتے ہیں
اور اسطرح زمین پر رہنے والوں کے لئے کسی طرح کی دقت یا پریشانی کا احساس نہیں ہوتا اور
ان دونوں انتظامات کا اوپر کی آیات میں ذکر ہے۔
گلیلو (GALILEO) نے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے زمین کی حرکت اور گردش

کا نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جبکہ اس وقت زمین کو جامد اور ساکت سمجھا جاتا تھا اور اس وقت یونانی مفکر بطلیمی (۱۵۰ء) کا سکون و مرکزیت کا یہی نظریہ ساری دنیا کے دانشوروں کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ یہ محض ساڑھے تین سو سال پہلے کی بات ہے جب گلیلیو کے نظریہ کو نہ صرف ٹھکرا دیا گیا تھا بلکہ اسکو بڑی سختیاں بھی جھیلنی پڑی تھیں۔ مگر قرآن ہی وہ آسمانی کتاب ہے جس نے گلیلیو سے بھی ایک ہزار سال پہلے اپنی آیات گرامی میں اس بات کی نشاندہی کر دی تھی کہ زمین ایک پُر اسرار قوت "جذب و کشش" کے سہارے اپنے محور پر گردش کر رہی ہے اور اسکی غیر متوازن چال اور ناموزوں حرکت کو قابو اور کنٹرول میں رکھنے کے لئے اس پر وزنی اور مستحکم پہاڑوں کو میخوں کی طرح قائم کیا گیا ہے۔ یہ نظریہ تاریخ کے اس دور میں قرآن حکیم نے پیش کیا ہے جب عقل انسانی اس اعلیٰ سطح کے علم کو نہ تو سمجھ ہی سکتی تھی اور نہ اس کے اہل تھی۔

اس سلسلے کی ایک دوسری آیت دوسرے انداز میں زمین کو ایک گہوارے سے تعبیر کرتی ہے کہ زمین اس طرح اپنی ناموزوں حرکت کے باوجود اس پر رہنے والوں کو ایسا سکون اور اطمینان دے رہی ہے جیسا کہ گہوارہ میں لیٹے ہوئے بچے کو سکون و آرام ملتا ہے اگرچہ گہوارہ حرکت میں ہوتا ہے۔

"الم نجعل الارض مهٰدا والجبال اوتادا" کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا اور پہاڑوں کو اس کی میخیں نہیں قرار دیا" (۷۸: ۶-۷) ان آیات میں زمین کے لئے گہوارہ کی مثال نہایت ہی مناسب اور حقیقتوں پر مبنی ہے زمین نا ہموار ہونے کی دو طرح کی نامناسب اور قیامت خیز حرکتوں کے لئے قابو میں رکھ کر اسکی رفتار کو اس قدر ہموار اور غیر محسوس بنائے ہوئے ہیں۔

زمین کو رب العالمین نے زرخیز اور قابل کاشت بنایا ہے اور یہ اس وجہ سے بھی ملائم اور مساوی ہے کہ اس پر رہنے والوں کے کسی طرح کی دقت یا تکلیف کا باعث نہ ہو سکے۔ اور ان کے راستے طے کرنے زراعتی کاموں اور تعمیرات کے لئے مناسب رہ سکے۔ ملائم اور ہلکی ہونے کی وجہ سے اسکا ثقل اور وزن بھی کم ہے اس لئے ہیں اگر پہاڑوں کی میخیں قائم نہ ہوتیں تو یہ اپنی تند و تیز دو طرح کی حرکتوں اور لامتناہی کشش جاذبہ کے تحت کسی طرف کو جھک کر اپنے مدار سے الگ ہٹ کر بڑی انتشاری حالت میں کب کی نیست و نابود بھی ہو چکی ہوتی۔ قرآن حکیم نے اس طرف بھی بڑے عالمانہ انداز میں اشارہ کیا ہے۔

"وهو الذی مد الارض وجعل فيها رواسی وانهارا" وہ ذات جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کر دیئے (۱۳: ۳) اسی طرح ایک دوسری آیت میں پہاڑوں کی میخیں قائم کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا ہے "والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم" اور زمین میں اس نے پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ وہ تم کو لے کر کسی طرف جھک نہ جائے۔" (۱۶: ۱۵)

پھر اسی نظریہ کی وضاحت ایک نئے انداز میں اسی طرح کی ہے "وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بکم" اور ہم نے زمین پر پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے ہلنے اور جھکنے نہ لگے (۲۱: ۳۱)

ایک عجوبہ زمین کے بیڈولوں سی ہلنے ڈولنے کی حرکت کو اونٹ کی چال سے بھی نسبت دی گئی ہے جو نہایت
ہی مناسب اور برمحل ہے۔ میرے خیال سے اسکی اس ہیبت ناک اور غیر متوازن حرکت کو اس دن
بہتر ڈھنگ سے دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے جب پورا چاند ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل چاند
گرہن COMPLETE LUNAR ECLIPSE بھی ہو۔ یہ میں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ خوش
قسمتی سے مجھے یہ منظر دیکھنے کا اور زمین کے غیر متوازن حرکتوں کی انتہائی حدوں کو محسوس
کرنے کا ایک ایسا ہی موقع ۱۹۸۹ء میں مل چکا ہے جب میں بحیثیت ریلوے انجینئر لیبیا میں تعینات
تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب چاند گرہن مکمل ہو گیا۔ ایسے میں زمین کا سایہ ہر لحظہ کبھی چاند کے داہنے
کنارے کو تو کبھی بائیں کنارے کو اسکی سطح کے تقریباً ۱/۴ حصہ تک سے ہٹ کر چاند کو ظاہر کر رہا تھا۔
مجھے میں یہ منظر بڑا ہی ہیبت ناک اور شورش کر دینے والا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ زمین جو
جسامت میں چاند سے بڑی ہے اسکا یہ سایہ بڑا ہو کر ہی چاند پر پڑ رہا ہوگا مگر اس کے باوجود یہ
کبھی تو چاند کو اس کے داہنے کنارے کی طرف سے تو کبھی بائیں کنارے کی طرف سے اس کے قطر
(DIAMETER) کے تقریباً ۱/۴ حصے سے ہٹ کر اسکو نمایاں کر دیتا تھا۔ یہ منظر ہم کو زمین سے نظر آ رہا
تھا جو چاند سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل دور ہے تو زمین کی اس غیر متوازن اور ڈگمگا کر چلنے والی
حرکت کی انتہا کیا ہوگی۔ اس طرح اگر اس پر پہاڑوں کی میخیں اور کشش ثقل کے ساتھ ساتھ
چاند وغیرہ کی کششیں شامل نہ ہوتیں تو پھر اس دنیا کے ساتھ ہمارا وجود بھی فنا کی تاریکیوں میں گم ہو چکا
ہوتا۔ زمین کی ان بیڈولی اور غیر متوازن حرکتوں کا عمل ہر آن جاری ہے مگر ہمیں اس بات کا
احساس تک نہیں ہو پاتا۔ آج سے تقریباً چار سو سال پہلے تک اہل علم اور دانشور دنیا کو ساکن
سمجھتے تھے اور اس کو مرکزیت کا درجہ دے کر اور تمام سیاروں، چاند اور سورج کو اس کے
اردگرد گردش کرتا سمجھ رہے تھے۔

اگر زمین پر اتنے زیادہ بلند وزنی اور سنگین پہاڑوں کا وجود نہ ہوتا تو چاند اور دوسرے
سیاروں کی کشش ثقل کی وجہ سے اس پر ہر آن مدوجزر، بھونچال اور زلزلوں کی سی کیفیت
بپا رہتی۔ اسکی تمام سطح پر اس قدر تلاطم، سنامی اور زرخیزی ہونے کی وجہ سے یہ سب کی منتشر
ہو جاتی۔ تباہیاں لانے والے سیلاب، طوفان اور طغیانی آب کو تہہ و بالا اور ویران کر
ڈالتے۔ یہ پہاڑوں کا ہی وجود ہے جو سب ان آفات سے زمین کی نہایت ہی پائیدار اور مستحکم
طریقوں سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ انھیں سنگین پہاڑوں کا وجود ہے جو آنے والے تباہ کن اور
ہلاکت خیز زلزلوں اور بھونچالوں کا اثر بھی بڑی حد تک کم کرتے رہتے ہیں اور انسانی ہلاکتیں اور
مال کی بربادیاں بڑی حد تک کم کر دیتے ہیں اور ان پر انکا وزنی اور سنگین تسلط اور اقتدار
قائم رہتے ہیں۔ پہاڑوں کی وجہ سے سمندر کے جوار بھاٹوں اور طغیانیوں سے زمین کی تراش
خراش اور کتر بیونت بھی بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح انسانی زراعت اور

تجارت کے پیچھے مستحکم اور پرسکون طریقوں پر قائم ہیں۔

زمین کے اندر ابلتی اور جوش کھاتی ہوئی آتش سیال جو اپنی حدت اور گرمی کی وجہ سے جوش کھا کر آتش فشاں پہاڑوں کی شکل میں ابل پڑتی ہے اور پگھلے ہوئے دھاتوں اور مادوں کے اس سیل رواں کو میدانی علاقوں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے یہ عظیم اور سنگین پہاڑ ہی رکاوٹوں کا کام کرتے ہیں اور انہیں زرخیز اور میدانی علاقوں تک نہیں جانے دیتے اور سد راہ بن جاتے ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ آتش سیال میدانوں تک پھیل جاتی اور اس پر پگھلے ہوئے دھاتوں اور پتھروں کی ایک موٹی تہہ جم جاتی ہے اور پھر ان سرسبز زراعتوں اور چراگاہوں کی ایک دوسری ہی صورت ہوتی۔ جہاں ہر طرف ویرانیوں اور موت کا سناٹا چھایا ہوتا اور زندگی جینے کی جھلک بالکل نظر آتی۔ موجودہ دور کے علم جغرافیہ کا ایک دانشور پہاڑوں کے افادیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اگر پہاڑ اس ہموار اور طاقتور زمین پر قائم نہ ہوتے تو اس کی اوپری سطح کی ملائم تہ کب کی گھس کر بہہ گئی ہوتی۔ زلزلوں اور بھونچالوں کی تباہ کاریوں کا جو اثر آج ہو رہا ہے وہ اس سے کہیں گنا زیادہ ہوتا کیونکہ یہ پہاڑ ہی ہیں جو آنے والے بھونچالوں کو بڑی حد تک بے اثر بناتے رہتے ہیں۔ اگر پہاڑوں کی رکاوٹیں نہ ہوتیں تو زمین کے اندرونی تہوں سے آتش فشاں پہاڑوں کے ذریعے آتش سیال کے سیل رواں زمین پر ہر طرف پھیل جاتی اور پھر اس زمین کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

قرآن علم و دانش کا ایک ایسا اتھاہ سمندر ہے جس میں جس قدر غوطہ زنیاں کی جائیں اور تلاش کی جائے اسی قدر گوہر گرانقدر حاصل ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ابتدائے آفرینش سے کر قیامت تک کے علوم بھرے پڑے ہیں جنہیں انسانی ارتقاء، علمی رسائی اور تلاش و جستجو کے ذوق و ذریعہ سے دھیرے دھیرے حاصل کیا جا رہا ہے اور آج ہر مذہب و ملت کا دانشور اس بات پر متفق ہے کہ قرآن حکیم نے ان حقائق سے آج ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی آگاہ کیا ہے جو تقریباً چار سو سال پہلے تک عقل انسانی کے لئے ممکن نہیں تھے۔ اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن ایک آسمانی کتاب ہے۔ جس کو خدائے بزرگ و برتر نے جو اس کائنات کا خالق بھی ہے ہماری رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

سات آسمانوں کے مثل زمین

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے کہ میں نے سات آسمانوں کے مثل زمین کو بنایا ہے۔ یہ آیت دعوت غور و فکر دینے کے ساتھ ساتھ ایک عالمی حقیقت کی نشاندہی بھی کر رہی ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل تک آسمانوں اور زمین کی حقیقت سے آشنا ہونے کی وجہ سے اسوقت کے اہل علم او منجم اس سلسلے میں بہت سے قیاسی اور تخمینی نظریات پیش کیا کرتے تھے۔ مختلف

قومیں اس سلسلے میں اپنے الگ الگ عقائد اور قیاسی اور توہماتی نظریات پیش کیا کرتی تھیں۔
کوئی تو کہتا تھا کہ خداوند کریم نے سات آسمانوں کی طرح سات الگ الگ زمینیں بھی بنائی ہیں۔
کسی کے توہمات تھے کہ زمین چپٹی ہے اور اس کے نیچے بھی ہماری دنیا کی طرح سے سات طبقات ہیں۔ وہ
قیاس کرتے تھے کہ اس زمین کے نیچے والی سات پرتوں اور طبقات پر بھی مخلوق آباد ہے۔ اور انھیں
بنیادوں پر بہت سے فرضی اور مضحکہ خیز قصوں کہانیوں نے بھی جنم لیا تھا کوئی تو کہتا تھا کہ زمین کے نیچے
بالشتیے (ایک بالشت قد والی مخلوق) آباد ہیں اور وہ لوگ بھی ہماری طرح رہتے اور زندگی گذارتے
ہیں کچھ قوموں کا خیال تھا کہ اس دنیا کے نیچے والی دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی ہے جس میں آبی مخلوق رہتی
ہے اس آبی دنیا میں بھی ہماری دنیا کیطرح آبی انسانوں کی حکومتیں ہیں اور ان کے بادشاہ
اکثر چاندنی راتوں میں ہماری دنیا کے سمندروں پر اپنے خوبصورت بجروں اور شکاروں میں سیر
کرتے نظر آتے ہیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ خداوند کریم نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی
بنائی ہیں۔ کچھ محققین اس بات پر بھی متفق تھے کہ زمین چپٹی ہے اور آسمان اول اس کو ایک شامیانے
کی طرح سے چاروں طرف سے ڈھکے ہوئے ہے اور اسی طرح کے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر
گنبدوں کی طرح سے محیط ہیں جنکی چھتیں چاند اور تاروں سے سجائی گئی ہیں۔ انکا یہ بھی گمان تھا کہ پہلا
آسمان فیروزہ کا ہے جو نیلے رنگ کے شامیانے کی طرح زمین پر چھایا ہوا ہے اور اسی طرح کے سات
آسمان اوپر تلے چھائے ہوئے ہیں جنکا نچلا حصہ زمین پر رہنے والوں کے لئے آسمان ہے اور اوپری
حصہ اس آسمان کی زمین ہے اور اسطرح ہر آسمان سے متعلق اسکی زمین بھی ہے۔

مگر اب جدید سائنس کے دور میں علم افلاکیات اور علم طبقات الارض نے ان سارے
فرضی قیاس آرائیوں کو مہمل اور بے بنیاد قرار دیا ہے اور اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے
کہ زمین اور اس نظام شمسی سے تعلق رکھنے والے سات سیارے کروی شکل کے ہیں جو سورج کے
چاروں طرف گردش کر رہے ہیں۔ جدید سائنس کی یہ معلومات قرآن حکیم کے عین مطابق ہیں کہ
یہ زمین اور سات آسمان اپنے اپنے مدار پر ان ستونوں (کشش ثقل) کے سہارے جنکو تم نہیں دیکھ
سکتے گردش کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم نے کسی مقام پر اس بات کیطرف اشارہ نہیں کیا کہ ہم نے اس
نظام شمسی کے تحت سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی بنائی ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق
کے سلسلے میں جتنی بھی آیات نظر آتی ہیں ان میں ہر جگہ زمین کے لئے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے
جبکہ آسمانوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جنکی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

بل لہ ما فی السموات والارض ط کل لہ قانتون ٥ بدیع السموات والارض ط
جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ وہی آسمانوں
اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (٢-١١٦، ١١٧)

قل من رب السموات والارض ط ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون

ہے۔ (۲۰ ۱۳ - ۱۶) یا

ان اللہ علم غیب السموات والارض ط بے شک خدا ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ
باتوں کا جاننے والا ہے " (۳۵ - ۳۸)

اور اسطرح قرآن حکیم میں کہیں بھی ایک واحد زمین سے زیادہ کا ذکر نہیں ملتا۔
اگر زمین بھی ایک سے زیادہ ہوتی تو آسمانوں کی تخلیق " فضائے بسیط کی تفصیل خلاؤں کے تذکرے
اور کائنات میں وسعتوں کے ذکر کیطرح اس کی اطلاع بھی ضرور ہوتی۔ مگر اس سلسلہ میں ایک نقطہ
غور طلب ضرور ہے کہ قرآن حکیم میں کم از کم ایک جگہ اس بات کا ایک عالمانہ اشارہ ملتا ہے کہ جس نے
سات آسمانوں کے مثل زمین کو بھی بنایا ہے مگر اس آیت میں بھی زمین کو واحد ہی گردانا ہے جبکہ
ساتھ ہی ساتھ اس بات کیطرف بھی اشارہ ہے کہ جس نے اس زمین کو بھی سات آسمانوں کا مثل بنایا
ہے۔

" اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن ط اللہ وہی ہے جس نے سات
آسمانوں کو پیدا کیا اور انھیں کے مثل زمین کو۔ (۶۵ - ۱۲)

قرآن حکیم کی اس آیت میں خداوند کریم نے زمین کو آسمانوں کے مثل ہونے کیطرف اشارہ کرتے
ہوئے انسان کو دعوت غور و فکر دی ہے۔ زمین کو آسمانوں کا مثل ہونے کے سلسلے میں (آجتک
کی حاصل شدہ معلومات کی بنیادوں پر) ہمیں مندرجہ ذیل مماثلت پائی جاتی ہے۔

(۱) زمین بھی اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کی طرح گردی اور مدوری ہے۔

(۲) زمین بھی اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کیطرح ایک مقررہ رفتار سے سورج کے
گرد چکر لگا رہی ہے۔

(۳) زمین بھی اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کیطرح سورج اور دوسرے سیاروں
کی کشش ثقل کے زیر اثر اپنے مدار پر ایک محفوظ فاصلہ قائم رکھتے ہوئے گردش کر رہی ہے۔

مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ اس آیت میں خالق مطلق نے اپنی حکمت کیطرف اشارہ کیا ہے
اور وہ ہے زمین کا سات آسمانوں کے مثل ہونا!! زمین کے سلسلے کی آیات تواترات اس بات
کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ زمین ایک ہی ہے جسے علم الافلاک اور نجوم نے بھی تسلیم کیا ہے تو پھر
لازماً ان سات زمینوں سے ان سات زمینی پلیٹوں کی طرف اشارہ ہے جن پر ہماری دنیا قائم
ہے اور جنکا علم ابھی بیسویں صدی کے اوائل ہی میں ہوا ہے۔ اور یہی سات زمینیں یا
زمین کی اندرونی سات پلیٹیں ہیں جو سات آسمانوں کیطرح متحرک بھی ہیں اور چل بھی رہی ہیں
اور اسطرح قرآن حکیم نے زمین کو سات آسمانوں کے مثل بتا کر انھیں سات متحرک پلیٹوں
کیطرف اشارہ کیا ہے اور اس پر از حکمت عالمی صداقت کیطرف متوجہ کیا ہے۔ ہماری دنیا جن
سات زمینوں (پلیٹوں) پر قائم ہے وہ بھی گردش میں ہیں اور چل رہی ہیں۔!! بیسویں صدی

کے وائل میں یہاں سات طبقاتی پلیٹوں کی علم طبقات الارض نے بھی تصدیق کر دی ہے اور اسی نظریہ کو
پلیٹ ٹیکٹانک تھیوری PLATE TECTONIC THEORY کہتے ہیں اس نظریہ کا ایک اجمالی جائزہ
لینے کے بعد اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ زمین کی مشابہت اور مماثلت سات حرکت کرنے والے
آسمانوں سے کس بنیاد پر ہے۔

علم طبقات الارض کے ماہرین اور دانشوروں کے مطابق زمین کے اندرونی طبقات کی ساخت
کچھ اس طرح سے ہے اس زمین کی سب سے اوپری تہہ ۵ میل سے لے کر ۲۵ میل تک موٹی ہے جس کو
ٹھنڈا کہا جا سکتا ہے مگر اس سے نیچے کی پرت انتہائی گرم دھاتوں اور چٹانوں کی ہے۔ زلزلوں
کی وجہ سے زمین میں پڑنے والی مہیب دراڑوں اور آتش فشاں سے نکلے ہوئے لاووں سے ماہرین
طبقات الارض نے یہ حقیقت دریافت کی ہے ان کے مطابق زمین کی اوپری سطح کرسٹ CRUST
سے نیچے والی زمین تین نمایاں تہوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ زمین کی سطحی پرت CRUST (جس کی
موٹائی ۵ میل سے ۲۵ میل تک ہے) کے بعد والی پہلی پرت ہے جو اندرونی دہکتی ہوئی بھٹی جیسی طبق
اور زمین کے اوپری سطح کے درمیان ایک آتش پوش پرت جالی یا سرپوش کا کام کرتی ہے اور اسی
مناسبت سے اس کو مینٹل MENTLE یا آتش پوش جالی کا نام دیا گیا ہے مینٹل ٹھوس اور ثقیل چٹانوں کی
ایک ایسی پرت ہے جس کی موٹائی تقریباً (کیلومیٹر ۲۹۰۰) ۱۸۰۰ میل ہے اور جو سلی کون، ایلومونیم اسپات
اور میگنیشیم کی ہے۔ مینٹل کے اوپری حصہ کا درجہ حرارت تقریباً ۸۷۰ ڈ ہے جو بتدریج بڑھتا ہوا اپنے
انتہائی زیریں حدود پر تقریباً ۳۲۰۰ ڈ درجہ حرارت تک پہونچ جاتا ہے مینٹل کے انتہائی حدود کے
نیچے زمین کے مرکزی اور مغزی حصہ کی حد شروع ہو جاتی ہے اس طبق کو مغز کا بیرونی طبق CORE
OUTER کہتے ہیں اس طبق کی موٹائی تقریباً ۱۴۰۰ میل (۲۲۵۰ کیلومیٹر) ہے جو پگھلی ہوئی اسپات اور
نکل جیسی دھاتوں کی ہے اس طبق کے اوپری حصہ پر درجہ حرارت تقریباً ۳۲۰۰ ڈ اور اس کے انتہائی
اندرونی سطح کا درجہ حرارت تقریباً ۵۰۰۰ ڈ تک پہونچ جاتا ہے اس کے بعد زمین کا تیسرا اور مرکزی
طبق گیند جیسا ہے جس کو اندرونی کور INNER CORE کہتے ہیں اسکا مرکز (زمین کا اندرونی مرکز)
زمین کی سطح سے تقریباً ۴۰۰۰ میل ہے اور اس طبق کی موٹائی تقریباً ۸۰۰ میل ہے طبقات الارض کے
محققین اور دانشوروں کے اندازہ کے مطابق زمین کا یہ مرکزی گولا بالکل ٹھوس اسپات اور نکل کا ہے
جس کا درجہ حرارت ۵۰۰۰ ڈ سے بھی بہت زیادہ ہے۔

زمین کی بالائی سطح CRUST اور شعلہ پوش MANTLE کے درمیان سطح پر سات ٹھوس اور عظیم
چٹانوں کی سلیں ہیں جنکو علم طبقات الارض میں پلیٹس PLATES کا نام دیا گیا ہے زمین کی اندرونی
تہوں میں تقریباً اسی قدر چھوٹی چھوٹی پلیٹیں بھی ہیں مگر وہ کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہیں اور
اسی سلسلے میں دریں سات پلیٹیں قابل ذکر ہیں جنکی تفصیل ماہرین طبقات الارض نے بھی دی ہے۔
اور جنکی وضاحت جدید سائنس کے طبیعاتی PHYSICS ماہرین نے بھی کر دی ہے۔ یہ ساتوں پلیٹیں زمین

کے بالائی طبق CRUST اور شعلہ پوش طبق MANTLE کے درمیان ایک سال میں ۲ سنٹی میٹر سے ۱۰
سنٹی میٹر تک کھسکتی اور چلتی رہتی ہیں ان کے اس طرح کھسکتے رہنے کی وجہ سے بڑے اہم اور مہیب نتائج
آتش فشاں پہاڑوں، عام پہاڑی سلسلوں، لرزہ خیز اور تباہ کن زلزلوں اور زمین پر بڑی بڑی دراڑوں
اور گھاٹیوں کی شکلوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان پلیٹوں کے چلتے رہنے کے نتیجے میں زمین
پر براعظموں کی لاکھوں برس سے نئی نئی جغرافیائی تشکیل ہوتی آ رہی ہے اور اس طرح زمین کی سطح پر
ہونے والی یہ تبدیلیاں لاکھوں برس پر پھیلی ہیں۔

پلیٹ ٹکٹانک تھیوری PLATE TECTONIC THEORY کے مطابق ان سات پلیٹوں
کو ان کے محل وقوع کی مناسبت سے (۱) یوریشین پلیٹ EURASIAN PLATE (۲) پیسفک
بحرالکاہل پلیٹ PACIFIC PLATE (۳) شمالی امریکن پلیٹ NORTH AMERICAN PLATE (۴)
جنوبی امریکن پلیٹ SOUTH AMERICAN PLATE (۵) افریقن پلیٹ AFRICAN PLATE (۶)
عربین پلیٹ ARABIAN PLATE اور (۷) ہند آسٹریلین پلیٹ INDIAN AUSTRALIAN PL
کا نام دیا گیا ہے اور یہی مہیب پلیٹیں اپنے اوپر دنیا کے تمام براعظموں اور بحر اعظموں کو لئے ہوئے ایک
انچ سے چودہ انچ تک ہر سال چلتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے کا ایک تجرباتی مشاہدہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے
عظیم پہاڑوں کے جغرافیائی سلسلے، آتش فشاں پہاڑوں کے نقطات اور زلزیاتی خطے BELTS
SEISMIC انھیں پلیٹوں کے سرحدی حدود اور باؤنڈریوں پر واقع ہیں۔ پلیٹ ٹکٹانک تھیوری
کے مطابق دو پلیٹوں کے ایک دوسرے کی طرف کھسکتے رہنے کے نتیجہ میں براعظموں میں ابھار اور
بلندی نظر آتی ہے سمندروں کی گہرائی میں نئے نئے جزیرے ابھرتے ہیں۔ بلند و بالا پہاڑی سلسلے
اور آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں جبکہ دوسری طرف دو پلیٹوں کے مخالف سمت کی طرف چلنے کے
نتیجہ میں براعظموں میں دراڑیں گھاٹیاں بنتی ہیں اور مہیب زلزلے آتے ہیں۔ سمندر کی اندرونی تہوں میں
دراڑیں پڑتی ہیں گہرائیاں اور بھی زیادہ اور وسیع ہو جاتی ہیں جزیرے تہ آب ہو جاتے ہیں اور جوار
بھاٹا سے طوفان اور سیلاب آتے ہیں پلیٹ ٹکٹانک تھیوری کے مطابق یہ پلیٹیں زمین کی بالائی
تہوں اور شعلہ پوش MANTLE پر مشتمل ہوتی ہیں جو اندرونی پگھلی اور ابلتی ہوئی دھاتوں پر آہستہ
آہستہ رینگتی رہتی ہیں اور زمین پر حرکت کرنے والی ان سات پلیٹوں کے حرکت کرنے کے ساتھ ان کے
اوپر تمام دنیا کے سارے براعظم، بحر اعظم، پہاڑ، سمندر سب انھیں کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے
رہتے ہیں۔

یہ پلیٹیں تین طرح سے حرکت کرتی ہیں (۱) ایک دوسرے کے مخالف سمت میں دور ہٹتی ہوئی (۲) آمنے
سامنے ایک دوسرے کی سمت بڑھتی ہوئی (۳) ایک دوسرے کے مقابل رگڑ کر ایک دوسرے
پر پھسلتے ہوئے۔

جب یہ پلیٹیں ایک دوسرے کے مخالف سمت میں چلتی ہیں تو اس کے نتیجے میں ایک طرف

سمندری تہوں میں فراخی پیدا ہوتی ہے گہری وادیاں اور گھاٹیاں وجود میں آتی ہیں۔ زمینوں اور خشکیوں میں دراڑیں پیدا ہو سکتی ہیں زلزلے آتے ہیں اور براعظم اکثر ٹوٹے ٹکڑے بن کر ایک دوسرے سے الگ ہوتے رہتے ہیں۔ سمندروں میں جزیرے تہ آب بیٹھتے دیکھے گئے ہیں اور ایک نئے ڈھنگ سے جغرافیائی حالات بدلتے پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح جب پلیٹیں ایک دوسرے کی طرف کھسکتی ہیں تو دو عظیم پلیٹوں کے درمیان دباؤ کے بڑھنے کی وجہ سے سمندروں میں جزیروں کے سلسلے اور خشکیوں میں پہاڑوں کے سلسلے ابھرتے ہیں ان پلیٹوں کے دباؤ کی وجہ سے اکثر شعلہ پوش پرتوں سے پگھلتی اور کھولتی ہوئی دھاتیں اور چٹانیں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے لاوے کی شکل میں ابل کر بڑے ہی ہیبت ناک اور تباہ کن حالات پیدا کر دیتی ہیں۔

ان پلیٹوں کی تیسری قسم کی حرکت اسوقت پیدا ہو جاتی ہے جب اوپر کے دباؤ اور وزن اور نیچے کی پگھلی ہوئی دھاتوں کے زیر اثر پلیٹیں ایک سطح پر ہو کر ایک دوسرے کے نیچے اوپر ہو کر گذرتے ہوئے کھسکتی ہیں جسکا انجام سب سے زیادہ حادثاتی اور ہیبت ناک ہوتا ہے اس کے نتیجے میں ان کے بنیادی حدود سے کہیں بہت دور اور نامعلوم مقامات پر رخنے پڑ جاتے ہیں جنھیں فالٹس (رخنہ) FAULTS کہتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کے اوپر سے گذرتے ہوئے ان کے اوپر کی چٹانوں اور پہاڑوں پر SHEAR FORCE مقراضی اثر ہوتا ہے اور اسطرح زمین کے سطحی چٹانوں اور پہاڑوں میں تناؤ اور دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اور پھر ایک دوسرے کے دباؤ میں پڑ کر یہ چٹانیں اور پہاڑ ٹوٹتے ہیں پہاڑ دباؤ میں آکر اپنی جگہ چھوڑنے لگتے ہیں اور کھسکتے ہیں جس کے نتیجے میں عظیم زلزلے آتے ہیں اور بڑی تباہ کاریاں ہوتی ہیں۔ بحر اعظموں اور سمندروں میں ہیبت سیلابی طوفان آجاتے ہیں اور زمین کے اوپر نئے جغرافیائی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہی ہے ان سات پلیٹوں کی تھیوری THEORY OF PLATE TECTONICS جس کی ماہرین طبقات الارض نے دریافت کی ہے اور جسکا ذکر قرآن حکیم نے اپنی آیت میں کیا ہے اور انھیں سات پلیٹوں (طبقات) کیطرف اشارہ کرتے ہوئے اس کو سات آسمانوں کی حرکت اور گردش کا مثل قرار دیا ہے۔

زمین کے حجم میں ابھار اور افزائش

علم کیمیا CHEMISTRY علم جغرافیہ GEOGARAPHY اور علم طبقات الارض GEOLOGY کے ماہرین نے لگاتار غور و خوض اور مسلسل تحقیق کے بعد قدرت کے اس راز کو سمجھ لینے میں کامیابی حاصل کر لی ہے کہ بارش ہونے کے بعد کن وجوہات کی بنا پر زمین کے حجم میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ

اپنے سطح کی طرف ابھر آتی ہے ساتھ ہی ساتھ نباتات میں بالیدگی خلاف توقع بہت زیادہ دکھلائی دیتی
ہے اور ہریالی میں اضافہ ہو جاتا ہے یہ معلومات موجودہ صدی کی ایک عظیم دریافت ہے جس نے
علم جغرافیہ میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے اس مضمون کے تحت اس علم کی طرف کئے گئے قرآن کے
اشارات اور اس سے متعلق جدید سائنس کی اب تک کی معلومات کا ایک اجمالی جائزہ قارئین کرام کے سامنے
پیش کر رہا ہوں جو قرآن حکیم کو کتاب سماوی نہ سمجھنے والوں کے لئے تازیانہ ندامت سے کم نہیں ہے۔ وہ علم
جو آج بھی تکمیل تک نہیں پہنچ سکا اور جس کے تحقیق و تجسس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے مگر جس کا مکمل اشارہ
قرآن کی آیات نے چودہ سو سال قبل ہی دے دیا ہے۔

بارش کی آمیزش سے پیدا ہونے والے کیمیاوی ردعمل REACTION کی وجوہات نتائج
اور فوائد کے سلسلے میں کچھ تحریر کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس دنیا کی جغرافیائی ساخت پتھر
کی چٹانوں اور سنگلاخ زمینوں کی سخت ان کے مسامات، رخنوں اور شگافوں کے ذریعہ سے بارش کے
پانی کے داخل ہونے سے دو سب اہم تغیری نتیجے برآمد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ مسامات اور رخنوں میں
بھری ہوئی آکسیجن ہوا پانی کے بلبلوں میں مقید ہو کر اور بھی اندر کی طرف کا رخ کرتی ہے۔ دوسرے
بارش کا پانی ان رخنوں اور شگافوں کا گرد و غبار ذرات اور کرچیں بھی اپنے ساتھ بہا کر اندر کھینچ
لے جاتا ہے اور یا تو سطح پر بہا لے جا کر باہر نکال کر آئندہ کے لئے پانی کی روانی کا ایک صاف واضح راستہ
بنا دیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد دوسری بارش کا پانی اور بھی زیادہ مقدار اور رفتار کے ساتھ داخل ہو کر
یہ کیمیاوی عمل انجام دیتا ہے۔ یہ پانی ان رخنوں میں تیزی کے ساتھ داخل ہو کر اور مقید ہواؤں کی
آمیزش سے زمین کے اندر ہیجان اور ردعمل کے نتیجے میں ہائیڈروجن گیس HYDROGEN پیدا کر کے
تیزابی اثرات پیدا کرتا ہے جس سے زیر زمین چٹانوں کے درازوں میں عجیب قسم کی حرکت اور جنبش
پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس ردعمل کے نتیجے میں چٹانیں ٹوٹتی ہیں درازیں اور شگاف بڑھتے ہیں اوپر بالائی
حصہ کی چٹانوں کے ٹکڑے اور پتھر اور بھی باریک ہو کر مٹی کے ذرے کی شکل اختیار کرتے اور زرخیز مٹی میں
بدلتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف نباتات کی جڑیں بھی ان بڑھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی درازوں
میں بہت دور تک بڑھتی پھیلتی اور موٹی ہوتی رہتی ہیں اور اس طرح بارش کے پانی کو اور بھی آسانی کے
ساتھ چٹانوں کے اور بھی اندرونی تہوں میں داخل ہو کر اسی طرح پتھروں کی کھینچنے۔ درازیں پیدا ہونے
ٹوٹنے بکھرنے اور ملائم ہونے کے راہیں ہموار کرتی ہیں اسی طرح اندرونی تہوں میں رکی ہوئی ہوائیں
اور آکسیجن جڑوں کے ذریعہ سے نباتات اور پودوں کی غذائیت فراہم کر کے ان کی نشوونما اور پرورش
کا بہترین ذریعہ بن جاتی ہیں نتیجہ اور گھنی چٹانیں جب ٹوٹ کر باریک اور ملائم مٹی میں تبدیل ہوتی
ہیں تو ان کا حجم بھی بڑھتا ہے اور وہ سطح ارض کی طرف پھول جاتی ہیں اس کے حجم کے بڑھنے میں
اندر کی جڑیں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں اس طرح دور حاضر کی سائنسی تحقیق کی ایک مختصر سی معلومات
حاصل ہو جانے کے بعد مندرجہ ذیل آیات کریمہ کو بہترین طریقے سے سمجھنے کا سلیقہ حاصل ہو جاتا ہے:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ (۲۲ — ۵)

اور تم زمین کو خشک دیکھتے ہو جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت و جنبش میں آجاتی ہے۔ اور ابھرنے لگتی ہے اور پھول جاتی ہے اور خوبصورت قسم کی گھاس اگانے لگتی ہے۔ (۲۲ — ۵)

اس سلسلے کی تحقیق و معلومات اور اسکی افادیت کا مختصر سا حوالہ ہے بغیر قرآن کے اس آیت کے علاوہ بعض اشارات اور اسمیں مضمر تعلیمات ادھوری اور مضمون نامکمل رہ جاتا ہے یہ علم آج بھی نامکمل، زیر تحقیق و تجربات ہے اور نئے نئے نتیجے آج بھی سامنے آتے جا رہے ہیں اور ہر دن اس سلسلے میں نئی معلومات ہو رہی ہے۔ اور ہر دن ان گیسوں اور تیزابی ردعمل کے نتیجے میں یہ چٹانیں اور سنگلاخی زمینیں ٹوٹتی ہیں۔ بکھرتی ہیں اور انمیں دراڑیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جنکی وجہ سے نباتات جڑیں اور بھی گہرائیوں کی طرف داخل ہوتی رہتی ہیں اور اسطرح ان کو بڑھنے پھیلنے اور مضبوط ہونے کا کافی موقع ملتا ہے ساتھ ہی ساتھ یہ ان سنگلاخی زمینوں کو جو باریک ہو کر حجم میں بڑھتی اور اوپر کیطرف کو پھولتی ہے اور اس حرکت عمل میں اور بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں بارش کے بلبلوں میں قید ہو کر اور بھی زیر سطح میں رکی ہوئی آکسیجن ملی ہوا جڑوں کے ذریعہ نباتات کو بہترین غذائیت فراہم کرتی ہے۔ علم نباتات BOTANY نے انکشاف کیا ہے کہ نباتات کی غذائیت کا ۹۵٪ فیصدی حصہ جڑوں کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں نباتات اور درخت خوب بڑھتے ہیں اور پھیلتے ہیں۔

تحقیق جدید کی آیات قرآنی سے اسقدر مطابقت اور موافقت دیکھ کر غیر مسلم مفکرین اور سائنسدانوں نے بھی اسے کتاب آسمانی ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں اس نظریہ پر ہو رہی تحقیق کے سلسلے میں نیشنل جغرافیہ کا ایک حوالہ مع ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

انگریزی عبارت

NATIONAL GEOGRAPHER - VOL., XXX VI - NO. 2 DEC. 1991.

" Factors which propose for the formation of soil are applicable for weathering process also, in addition the rate of weathering is dependant of porosity & permeability of rocks which controls the case with which the water can enter & remove elements due to the water action. Porosity and permeabilty are controlled by the grain packing and the amount of space between the gram as well as the structure tex tune . Hydrolysis as mjor process in chamical weathering of minerals . Water dissocites purity into hydrogen and HYDRXYLIONS and

behaves as weak acid. Carbon dioxide in solution increases the HYDROGEN concentration and there by increases the HYDROLIC Action of Water. The activity may further be increased by the presence of organic substance and roots."

"جو مجوزہ عناصر زمین کو ہموار بناتے ہیں وہی عناصر چٹانوں کو بھی منتشر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی چٹانوں کے تغیرات کا اور ان کے ہموار ہونے کا انحصار اکثر اوقات چٹانوں کے مسامات اور درز شگاف ہونے پر ہے۔ کیونکہ یہی مسامات اور رخنے چٹانوں کے اندر پانی کے زیادہ سے زیادہ مقدار کو تیزی کے ساتھ داخل ہونے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پانی چٹانوں کے منتشر اور ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں اور ذرات کو بہا کر اور بھی زیادہ چوڑے رخنے اور مسامات پیدا کر کے پانی کے لئے راہیں ہموار کرتا رہتا ہے۔ پانی کے ان اثرات اور عمل سے چٹانیں اور بھی زیادہ ٹوٹتی اور ریزہ ریزہ ہوتی ہیں۔ پانی کے ذریعے سے ہی چٹانوں میں کیمیائی ردعمل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں پانی کی ایک کافی مقدار ہائیڈروجن گیس کی شکل میں اور پھر ہائیڈروجن برقی پاروں کی شکل میں بدلتی رہتی ہے اور اسطرح ان میں ایک تلاطم خیز تیزی اور ہیجانی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیمیاوی ردعمل اور بھی زیادہ بااثر اسوقت ہو جاتا ہے جب اس میں اگنے والے پودوں کی جڑیں بھی اس نباتاتی محلول میں تیزابی شدت پیدا کرنے میں مددگار ہو جاتی ہیں۔"

ان سارے عمل اور ردعمل کے نتیجے میں زمین کا اوپر کی طرف کو پھولنا یقینی اور لازمی ہو جاتا ہے جس کی دو خاص وجہیں ہوتی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب ٹھوس اور ٹھوس زمین اور چٹانیں ٹوٹ کر پھیلتی ہوتی ہیں تو ان کے حجم اور ضخامت میں افزائش ہوتی ہے۔ وجہ وہ اوپر کی طرف کو ابھرنے لگتی ہے اور دوسرے جڑوں کے زمین کے اندر داخل ہونے اور موٹے ہونے کے عمل میں بھی زمین اوپر کی طرف پھولتی ہے۔

اسی عمل کے سلسلے میں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت نے بھی پانی کے اس کیمیاوی ردعمل کے نتیجے میں نوامُو کا نہایت ہی سلیس انداز میں ذکر کیا ہے۔

"انا صببنا الماء صبا ۝ ثم شققنا الارض شقا ۝ فانبتنا فیھا حبا ۝ (۸۰-۲۵ تا ۲۶)

جبکہ ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیر پھاڑا پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا" (۸۰-۲۵ تا ۲۶) ان آیات کریمہ میں ابتدائی چٹانوں کے زرخیز زمینوں میں تبدیل ہونے کے مراحل مختصر مگر مکمل طریقے سے ذہن نشین کرائے ہیں جن میں سب سے اہم اور موثر رول بارش کا ہوتا ہے۔ بارش کے علاوہ دوسرے عناصر جیسے برف اور اولے اور کہر اور شبنم بھی اپنی جگہ پر اس طرح کی تنگ

شکست کے فطری عمل میں بھی تعاون کرتے ہیں رخنوں میں بھرے ہوئے پتھروں کے ریزوں اور برادوں کو دریائی بہاؤ ڈھلانیں یا موسمیات پر اثر انداز ہو کر چٹانوں کے چٹخنے اور شگافتہ ہونے میں کیمیائی عمل کے بجائے یہ عناصر فطری ردعمل کی باثر مثالیں ہوسکتی ہیں اور رخنوں اور درازوں کو وسیع اور دراز کرنے میں بھی یہ اس فطری ردعمل میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ پانی اس اہم رول کو اسوقت اور بھی پراثر انداز میں ادا کرسکتا ہے جب چٹانیں زیادہ سے زیادہ خریک اور درازوں والی اور زیادہ سے زیادہ مسامدار ہوتی ہیں تاکہ انمیں زیادہ سے زیادہ پانی داخل ہوسکے۔ چٹانوں میں رخنے پیدا کرنے میں نباتات کا بھی بڑا اہم کردار رہتا ہے زیادہ بارش والے خطوں میں گھاس پھوس کی جڑوں کو رخنوں میں داخل مل جاتا ہے اور ذرا بھی موقع ملنے پر یہ جڑیں ہر رخنے اور باریک سے باریک دراڑ میں اپنا مقام بنالیتی ہیں اور پھر بارش کے پانی کے ساتھ ان کے ردعمل کی صورت میں کیمیائی اثرات کے تحت ان چٹانوں میں رخنے اور دراڑیں بڑھتی رہتی ہیں اور انکی وجہ سے بارش کے پانی۔ اولے۔ برف کے اندر تک پہنچ جانے میں بڑی مدد ملتی ہے ان کے علاوہ چٹانوں پر موسمیات کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ ایسے علاقہ جہاں گرمی کافی پڑنے کے ساتھ بارش بھی زیادہ ہوتی ہے ان علاقوں میں چٹانوں کو ٹوٹنے۔ پرشگاف اور مسامدار ہوتے زیادہ پایا گیا ہے۔ جبکہ ان علاقوں کی چٹانیں جہاں بارش برائے نام ہوتی ہے وہاں بہت گھنے مسامات والے اور بڑے ٹھوس قسم کے پتھر اور چٹانیں پائی جاتی ہیں جیسے راجستھان کے گرے نائٹ اور سنگ مرمر وغیرہ اس کے برعکس مغربی بنگال اور آسام کے علاقوں میں چٹانوں کا چٹخنا۔ ٹوٹنا اور ہر طرف ہرے بھرے جنگل نظر آئیں گے اس سلسلے میں کچھ جانور بھی بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں جیسے چوہے۔ نیولے اور خرگوش وغیرہ ذرا بھی موقع اور گنجائش پاجانے پر اپنی لمبی لمبی سرنگ نما رہائش گاہیں بنالیتے ہیں اور سنگلاخ زمینوں کو کاٹ کر بہت دور تک پولی کردیتے ہیں اور پھر شدید بارش میں یہ چٹانوں اور ان سنگلاخ زمینوں کو توڑنے پھوڑنے اور ذخیرہ بنانے میں بڑی مدد کرتے ہیں۔

بارش کے ایام میں پتھروں اور چٹانوں پر اگنے والی ایک خاص قسم کی کائی لیچن LINCHON بھی اس سلسلے میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے وہ چٹانوں میں رخنہ نہ ہونے کی صورت میں بھی لگاتار بارش کے ایام میں خود بخود اگ آتی ہے اور پھر اسکی بال جیسی باریک اور چھوٹی چھوٹی جڑیں ان چٹانوں کے مسامات میں داخل ہوجاتی ہیں۔ اور پھر بارش کے پانی کے ساتھ انکا کیمیائی ردعمل چٹانوں میں باریک دراڑ اور رخنے پیدا کرتا رہتا ہے جو بتدریج بڑھتے رہتے ہیں اور پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی کے زیادہ سے زیادہ داخلے کے امکانات پیدا کرتے رہتے ہیں چٹانیں اس طرح بتدریج ٹوٹتی ہیں جن میں چھوٹی ہوتی ہے پھر ریزہ ریزہ ہوکر باریک اور زرخیز مٹی کی شکل میں ابھرتی ہیں ہری بھری نباتات اگانے لگتی ہیں اور یہ ٹوٹتے رہنے کا سلسلہ زمین کی گہرائیوں

میں بہت دور تک چلا جاتا ہے سب سے اوپر کی مٹی زیادہ باریک پھر اس سے نیچے کی اس سے کم اور اسی
طرح یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ابتدائی مراحل میں ہائیڈروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی آمیزش سے تیزابی
ردعمل کے نتیجے میں چٹانیں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے لگتی ہیں پانی جیسے جیسے نیچے کی طرف سرایت کرتا ہے ان
چٹانوں کے ٹوٹنے بکھرنے کا سلسلہ بھی نیچے کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور اوپر کی سطح جس رفتار سے ریزہ
ریزہ ہوتی ہے نیچے کی چٹانیں اسی رفتار سے چٹختی اور ٹوٹتی رہتی ہیں۔ علم طبقات الارض میں بارش
کے پانی میں سب سے پہلے چٹخنے اور اثر انداز ہونے والی چٹانوں کو DISINTEGRATING ROCKS
اور سب سے نیچے کی ثابت چٹانوں کو BED. ROCKS کہتے ہیں سطح زمین پر چٹانوں کے ٹکڑوں کی
جسامت اور سائز سب سے چھوٹی ہوتی ہے جس پر نباتات اور پودے اگ آتے ہیں یا وہ جانور یا کیڑے
کوڑے جو ان چٹانوں میں رہتے ہیں ان کے باقیات اور اجزا کے تحلیل ہو جانے اور سڑ گل جانے
کے ساتھ ساتھ ان پر کائی کی پیداوار ہو جاتی ہے جس سے ایک بار تیزاب پیدا ہو کر ردعمل ظاہر
کرتا ہے اور اس تیزابی ردعمل کے نتیجے میں دراڑیں تعداد میں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں اور پھر
اس طرح نباتات اور حیوانات کے عمل سے ردعمل کے نتیجے میں مضبوط زمین گیر اساسی چٹانوں کی
سطح پہلے سنگلاخ اور دراڑوں سے ملائم اور زرخیز مٹی بن جاتی ہے۔

یہ خدا کی قدرت کا کتنا بڑا شاہکار ہے کہ یہ نازک ترین عناصر قدرت سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ
کرنے میں ایک اہم مربوط اور طولانی عمل بجا لاتے ہیں جو چٹانیں سخت ہوتی ہیں اور انہیں کوئی دراڑ یا رخنہ
نہیں ہوتا وہاں ان چٹانوں کے محض مسامات کے ذریعے لکن (کائی) LINC MON کی سوئی سے بھی
باریک جڑیں داخل ہو جاتی ہیں اور پھر بارش کی آمیزش سے ردعمل پیدا کر کے انہیں چٹخنے پر
مجبور کر دیتی ہے اس کے بعد ان چٹی چٹی اور چھوٹی چھوٹی دراڑوں پر چھوٹی چھوٹی گھاس اور سبزی
اگنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح انکی جڑیں اور بھی اندر تک داخل ہونے کی کوششوں میں لگ
جاتی ہیں پھر بارش کے بعد ان جڑوں کے انجذاب سے تیزابی اثرات چٹانوں کو اور بھی زیادہ گہرائیوں
تک توڑتے رہتے ہیں اور اس طرح اوپری سطح سے شروع ہو کر یہ عمل اور ردعمل زمین کے بہت نیچے گہرائیوں
تک جو جڑوں کے مفاد میں ہو سکتی ہیں بڑھتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نباتات کی جڑیں ان
کو اپنی رہبری میں ان گہرائیوں تک اپنا عمل جاری رکھنے کی رغبت دلاتی رہتی ہیں جو گہرائیاں خود
ان کے مفاد میں ہوتی ہیں اور پھر اس کے نیچے BED ROCKS (پختہ چٹانیں) اپنے ابتدائی حالات
میں آج بھی طبقات الارض کا ایک حصہ بنی ہوئی ہیں جو بارش کے بار بار ہونے اور کچھ خصوصیات
میں تبدیلیاں آنے اور کچھ دوسرے نباتاتی اور حیاتیاتی عناصر کی مدد سے ٹوٹنا اور باریک ہونا
شروع ہو جاتی ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ زمین کے نچلی سطح کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے زمین کے
اوپری سطح کے نچلے ذرات باریک ہو کر ملائم اور زرخیز مٹی بن جاتے ہیں۔ اور اوپر کی طرف

پیدا کرتے ہیں جو نباتات اور درختوں کے لئے زمین کو زرخیز اور ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ بہترین غذائیت
بھی فراہم کرتے ہیں اسطرح کا یہ مربوط عمل اور ردعمل اسقدر فطری ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے اس پر یقین
کے لئے کئی جگہ دہرایا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ (۸۶ - ۱۱،۱۲)

"قسم ہے چکر کھانے والے آسمان کی اور قسم ہے پھٹ جانے والی زمین کی" (۸۶ - ۱۱،۱۲)

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے زمین کے بالائی سطح کی چٹانیں سب سے پہلے اس ردعمل سے متاثر ہوتی ہیں
اور ان کی ظاہری حالات دیکھ کر اس چٹان اور اس مٹی کی ساخت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔
کسی مٹی کے ذرات کا ایک دوسرے میں چپکے رہنا اور پھر اسی وابستگی کی حالت میں قائم رہنا اس مٹی کی
زرخیزی کی نشاندہی کرتا ہے ایک ہی جگہ کی مٹی کے ایک ساتھ کئی ساخت اور مرکبات ہو سکتے ہیں کچھ
مٹیاں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جنکی کوئی مخصوص ساخت ہی نہیں ہوتی یعنی اس قسم کے مٹی کے نہ
کوئی ساخت ہوتی ہے اور نہ انمیں ہم آہنگی ہی پائی جاتی ہے۔

چٹانوں سے باریک ریزوں میں تبدیل ہونے کے سلسلے میں اور ان پر ہونے والے قدرتی عناصر
… عمل کے اثرات کو جلد قبول کر لینے کے سلسلے میں انکی تین قسمیں دیکھی گئی ہیں ان چٹانوں میں پہلی
… سلوں SILL ROCKS جیسی ساخت کی ہوتی ہیں دوسری کنارے والی لیبوٹری قسم کی جنکو
نرم راک PRISM ROCKS کہتے ہیں اور تیسری قسم بلاک یا BLOCK STONES کہلاتی ہیں۔ جو
تمام سے اوپر پائی جاتی ہے۔ نرم قسم کی چٹانوں کے ٹکڑے زمین کی سطح سے بہت تھوڑی سی گہرائی
پر پائے جاتے ہیں بلاک پتھر جو سڈول اور گول قسم کے بھی ہو سکتے ہیں اور جنکی لمبائی اور چوڑائی
تقریباً برابر ہوا کرتی ہے عموماً زمین کی سطح پر ہی پائے جاتے ہیں یہ بلاک حیاتیاتی اور فطری عمل سے
ٹوٹ پھوٹ کر چھوٹے ہوتے ہیں اور انکی سائز ایک انچ سے چھ انچ تک کی ہوتی ہے ایسی جگہوں پر جہاں
یہ حالات پائے جاتے ہیں آرگینک عناصر اور مادے۔ نباتات اور غذائیت وافر مقدار میں پائی جاتی
ہے جسکی وجہ سے نباتات کے اگنے کا عمل تیز ہو جاتا ہے ایسی زمین کی سطح سے سنگلاخی علاقے اس طرح
… ایک ہو کر ایک دن زرخیز اور ملائم مٹی بن جاتے ہیں سب سے نچلی سطح پر ڈھس اور سلوں جیسی عمیق
… مٹی شورہ بھی ہو سکتی ہے۔ تیزابی بھی اور نمکین بھی۔ کچھ مٹی کی ایسی قسمیں بھی ہیں جو نہ شوریدہ ہوتی
ہیں اور نہ نمکین۔ ایسی مٹی ہر طرح کے اثرات سے مبرا و بے اثر ہوتی ہے مٹی میں شوریدگی اور نمک
… حیاتیاتی اور معدنیاتی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ بہت زیادہ تیزاب یا نمک نباتات کے لئے کئی
… مضر بھی ہوتا ہے۔ بے اثر NUTRAL قسم کی مٹی میں حیاتیاتی اور کیمیاوی حرکت خوب
… ہوتی ہے جسکی وجہ سے سرسبز اور بارآور نباتات اور پیڑ پودے زیادہ غذائیت ملنے کی وجہ
سے … جاسکتے ہیں۔ کچھ ایسی مٹی ہوتی ہے جو مثبت چارج (+) سے چارج ہوتی ہے تو کچھ اس
کے برخلاف منفی چارج (-) ہوتی ہے اور اسطرح انمیں بھی ہم آہنگی ارتباط اور اختلاط کا جذبہ پایا

اور اسکی وجہ سے ایسی مٹی جاندار مادوں سالمات اور غذائیت کو پانی میں بہہ جانے سے روکتی ہے اس کے علاوہ مٹی میں نمی کو برقرار رکھنے والے عناصر اور ذرات بھی ہوتے ہیں جو اس زرخیز پھولی ہوئی اور ملائم مٹی میں اچھی فصلیں اگانے کے ضامن ہوتے ہیں الغرض سارے اعمال و درجات کی وضاحت قرآن حکیم نے آیات میں اختصار کے ساتھ دیکر انسانی ذہنوں کو دعوت غور و فکر دی ہے۔

زمین کی مدوری (گردی) شکل

آج سے چودہ سو سال پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زمین مدوری اور گردی GLOBULAR شکل کی ہے جو اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے اسوقت کے مہذب اور ترقی یافتہ کہے جانے والے ممالک کے ماہرین اور منجمین کا خیال تھا کہ زمین چپٹی ہے یہی نہیں انکا خیال تھا کہ زمین ہی کائنات کا مرکز ہے اور سورج چاند اور دوسرے سیارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اسطرح کے توہماتی اور قیاسی مفروضات کے حامل دماغوں اور ذہنوں میں اس حقیقت کا آجانا دشوار ہی نہیں تھا بلکہ ان پست معاہدات اور غیر حقیقت پسندانہ ذہنوں کو سترھویں صدی عیسوی تک کسی ذہین دانشور کی اس سلسلے میں تحقیق و جستجو اور حقیقت بیانی بھی گوارہ نہیں تھی جبکہ قرآن حکیم کی پر از حکمت آیات ساتویں صدی عیسوی کے اوائل سے ہی اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ یہ زمین اور سارے کرات آسمانی اپنے مستقل اور واضح مداروں پر گردش کر رہے ہیں ان اجرام فلکی کا اپنے اپنے مدار خاص پر گردش کرتے رہنا اور ایک دوسرے کے کشش ثقل کے سہارے پر قائم و متوازن رہنا ہی اس کے مدوری اور گردی ہونے کی دلیل ہے۔!!

اللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝

خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں کو ازیچ ستونوں پر بلند کیا۔ اس کے بعد عرش پر غالب آیا اور چاند اور سورج کو تمہارا تابع بنا دیا۔ ان میں سے ہر ایک (آسمانی کرہ) ایک مدت تک اپنی گردش کو جاری رکھتے ہیں۔ خدا جہان ہستی کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور اپنی نشانیوں کی تمہارے لئے تشریح کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روز قیامت اور لقائے الہی پر یقین کرو۔ (۱۳ - ۲)

اسی طرح قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت زمین کے گردی اور مدوری ہونے کے سلسلے میں ایک واضح دلیل ہے جسمیں زمین کے گردی ہونے کے سلسلے میں متعدد مشرقوں اور متعدد مغربوں کا بطور کنایہ ذکر آیا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ۔ ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی
قسم ہم طاقت رکھتے ہیں۔ (۷۰ — ۴۰)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ متعدد مشرق اور متعدد مغرب اسی وقت ہو سکتے جب زمین گردی ہوگی
اور اس طرح وہ اپنے گرد بے شمار مشرق اور بے شمار مغرب نقطے واضح کر سکے گی اور زمین پر رہنے والوں کے
لئے ایک سمت مشرق ہوگا تو دوسری سمت رہنے والوں کے لئے وہی نقطہ مغرب ہوگا اور یہ اسی
وقت ممکن ہوگا جب دنیا مدوری GEOMUAR ہو۔ اس حقیقت کی آگاہی سب سے پہلے نیوٹن NEWTON
کو ہوئی اور یہی اسکی قوت جاذبہ عمومی UNIVERSAL GRAVITY کی دریافت کا ذریعہ بن سکی جس نے
اسے بین الاقوامی سطح کا ایک مشہور عالم سائنسداں بنا دیا اور اسطرح اس نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ یہ
اجرام فلکی ایک دوسرے کی کشش ثقل سے اسی وقت متاثر ہو سکتے ہیں جب وہ گردی اور مدوری ہوں۔

قدیم تاریخوں کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے تک علم
انسانی میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ زمین گردی ہے اور سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ اس عنوان کے
تحت کچھ تاریخی حوالے بھی دلچسپ اور معلوماتی ہوں گے سب سے پہلے جن دو دانشوروں نے اپنے علمی اور
سائنسی بنیادوں پر اس حقیقت کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ دنیا چپٹی نہیں گول ہے اور سورج
کے چاروں طرف چکر لگا رہی ہے پرکنیس PERKANECE اور گلیلیو GALILEO تھے۔

پرکنیس نے روم (اٹلی) میں علم افلاکیات سے متعلق زمین، چاند اور سورج و سیاروں کی چال اور
گردش پر کافی مطالعہ کیا اور ان حقائق کے متعلق اسنے ایک کتاب بھی لکھی مگر اسوقت کی عالمی ذہنیت کو دیکھتے
ہوئے اسنے ڈر کے مارے اس کتاب کو شائع نہیں کیا۔ یہاں تک ۱۵۴۳ء میں اس کے مرنے کے بعد جب
اسوقت کے منجموں اور پادریوں نے اس کتاب کو دیکھا تو اسے بہت برا بھلا کہا۔ اور اسکی کتاب کو جلا ڈالا
مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ تو ایک عالمی حقیقت سے روشناس ہونے کی راہیں ہموار کر ہی گیا تھا۔

اس کے بعد اٹلی کے ایک دوسرے نوجوان دانشور گلیلیو نے اس نظریہ کو ثابت کرنے کی کوشش
کی اور اپنی انتھک کوششوں سے ان حقائق کو دنیا کے سامنے رکھنے کا ذمہ لیا۔ گلیلیو ہی پہلا شخص ہے
جس نے ۱۶۱۰ء میں دوربین TELESCOPE ایجاد کی۔ اس دوربین کی مدد سے جب اسنے چاند،
سورج اور دوسرے اجرام فلکی کا مطالعہ کیا تو اسکو یقین آ گیا کہ حقیقت میں زمین ہی سورج کے گرد
گردش کر رہی ہے۔ اس کے بعد اسنے اس صداقت کو علی الاعلان اور کھلم کھلا لوگوں کو بتلانے اور
سمجھانے کی کوشش جاری رکھی مگر اسوقت کے منجمین اور خصوصاً عیسائی رہنما اور پادری اس کے خلاف
ہنگامہ اور ظلم لگا دیا کہ گلیلیو اپنے اس نظریہ سے باز آ جائے۔ مگر اپنے نظریہ سے دستبردار ہونے کے
بجائے اسنے حقائق کو ثابت کرنے کے لئے ۱۶۳۲ء میں ایک کتاب ہی لکھ ڈالی اور ثابت کر دیا
کہ زمین ہی سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں اسوقت کے حاکموں نے اس ستر سال
کے بوڑھے کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر سختیاں کی گئیں۔ مقدمہ چلایا گیا اور اس کو اس قدر

جہاں اسے دھمکیاں دی گئیں کہ اس نے اس قید سے چھٹکارہ پانے کیلئے مجبوراً کہہ دیا کہ یہ نظریہ غلط تھا کہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ یہ بات اس نے محض ٹیک کر قسم کھاتے وقت کہی۔ مگر جب اٹھا تو آہستہ سے کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ اس پر اسکو ایک طویل قید کی سزا بھگتنی پڑی مگر بہت عرصہ بعد اسکی ضعیفی اور کمزوری کا خیال کرتے ہوئے اسکی تنبیہ کرتے ہوئے چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارے۔ گلیلیو گوشہ نشین ہو کر بھی کائناتی اور افلاکیاتی مشاہدات کرتا رہا اور آخرکار وہ کمزور اندھا بہرہ ہو کر ۷۸ سال کی عمر میں مر گیا مگر مرنے سے پہلے اس باہمت انسان نے علم افلاکیات کے لئے نئی راہیں ہموار کر دیں اور حقائق کی نشاندہی کر دی۔ آج سائنس کی معلومات اور تحقیقیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے نظریات کتاب آسمانی اور آیات قرآنی سے کہیں بھی انحراف نہیں کرتے۔

قرآن حکیم کی آیات کے مطابق بھی زمین کے بے شمار مشرق اور بے شمار مغرب ہیں۔ یہ دو بناء پر ہے زمین کے گول ہونے کی وجہ سے اور اپنے محور پر گھومنے اور گردش کرنے کی وجہ سے ہی اسکا ہر حصہ کبھی مشرق ہوتا ہے اور کبھی مغرب ہوتا ہے۔ آیات قرآنی میں مشرقوں اور مغربوں کی قسم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ زمین کے متعدد مشرق اور متعدد مغرب ہیں اور اسطرح سورج کے طلوع کرنے اور غروب ہونے کے بھی متعدد نقطے ہیں جو زمین کے گول شکل ہونے ہی کی وجہ سے ممکن ہو سکتے ہیں۔ ماہر فلکیات کے مطابق ۳۶۵ مشرق اور ۳۶۵ مغرب ہیں اور اس طرح جب سورج ایک دن مشرق کی طرف کسی معلوم مقام سے طلوع کرتا ہے اور اسدن مغرب کے کسی ایک مقام پر غروب کرتا ہے تو پھر وہ دوبارہ اسی نقطہ طلوع پر مشرق کی طرف اور اسی نقطہ غروب پر مغرب کی طرف ۳۶۵ دنوں کے بعد (ٹھیک ایک سال کے وقفے کے بعد) دوبارہ واپس آکر طلوع کرتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ اور اسطرح سورج کے طلوع کرنے اور غروب ہونے کے انتہائی شمالی اور انتہائی جنوبی حدود خط سرطان اور خط جدی کو ۳۶۵ منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور اسطرح سورج ہر روز ایک نئے نقطہ پر طلوع کرتا اور غروب کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے مشرقوں اور مغربوں کے ان دو انتہائی نقطوں کا ذکر بھی اسطرح سے کیا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ وہی دونوں مشرقوں کا مالک ہے اور دونوں مغربوں کا مالک ہے (۵۵ — ۱۷)

اسطرح حضرات اجرام فلکی کے ذریعے دانشوران علم افلاکیات کی رہبری کی ہے جنھوں نے بارہ دن کو معین قرار دے کر انھیں برج کا نام دیا ہے جنھیں ہندی میں راس اور عربی میں برج کہتے ہیں۔ انہیں سے وہ برج جہاں سے سورج انتہائی شمال کی طرف ۲۲ جون کو طلوع کرتا ہے خط سرطان اور انتہائی جنوب کا وہ برج جہاں سے سورج ۲۲ دسمبر کو طلوع کرتا ہے خط جدی کہلاتا ہے۔ اور انھیں نقطوں پر اس کے غروب کرنے کا انتہائی مقام بھی ہوتا ہے اور اسطرح وہی نقطہ جو مشرق ہوتا ہے ٹھیک بارہ گھنٹوں کے بعد مغرب ہو جاتا ہے اور اسطرح زمین کا ہر ہر نقطہ کبھی مشرق تو کبھی مغرب اسی صورت میں

یہ جب زمین کروی اور مدوری ہوگی قرآن حکیم نے سورج کے ساتھ خط سرطان اور خط جدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایسی عام فہم اور شافی تعلیم دی ہے جو نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے انہیں دونوں شرقوں اور مغربوں کی وضاحت کرتے ہوئے باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ جاڑے کا شرق علیحدہ اور غرب علیحدہ ہے اور گرمی کا شرق علیحدہ اور مغرب علیحدہ ہے۔ کیا تم کو یہ بات سورج کے نزدیک اور دور ہونے سے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اسوقت ذہن اور علم انسانی ان حقائق کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ مگر آج دانشوران علم افلاکیات نے اس حقیقت کو پالیا ہے اور انھوں نے سورج کی ان منزلوں کو معلوم کرلیا ہے۔ جن پہ سورج روزانہ بتدریج ہٹتا ہوا طلوع وغروب کرتا ہے اور سورج کی روز اول طلوع اور غروب ہونے والی منزل دوبارہ ٹھیک ۳۶۵ دنوں بعد ہی آتی ہے۔ سورج نہ تو اس سے پہلے اس منزل پہ پلٹ کر آتا ہے اور نہ اس منزل سے ایک دن آگے یا پیچھے ہوسکتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (وہ معبود) جو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب کا مالک ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا بھی مالک ہے۔ (۳۷-۵)

یوں تو زمین کے کروی اور مدوری ہونے کے متعدد ثبوت جیسے سورج کی کرنوں کا ایک وقت میں زمین کے محض نصف حصے پر دائرہ نما پڑنا۔ اور نصف کرہ کا تاریک ہونا۔ یا پھر سمندر کے ساحل پر کھڑے ہوکر آتے ہوئے جہاز کے مستول کا سب سے پہلے نظر آنا وغیرہ تمثیلات عام ہیں جو علم جغرافیہ کے ابتدائی طالب علم کو بتلائی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ پھر بھی اس سلسلے کی چند مفید اور معلوماتی باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے جو تاریخی نقطہ نگاہ سے بھی اہم اور دلچسپ ہیں۔

۱۸۷۰ء میں انگلینڈ کے ڈاکٹر ویلس DR. VILES نے زمین کے قطر DIMETER کو سب سے پہلے معلوم کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک نہر پر تین بلیاں ایک ایک میل (۱۔۶) کیلومیٹر کی دوری پہ اس طرح سے نصب کیں کہ ہر بلی کا اوپری سرا پانی کی سطح سے اوپر برابر (اونچائی پر) تھا اس کے بعد جب انھوں نے ایک سرے سے نظر کی تو درمیانی بلی کے سرے کی دونوں طرف والی بلیوں سے بلند دکھائی دی جبکہ انھوں نے LEVEL INSTRUMENT "سطح بین" کی مدد سے دیکھا تو درمیانی بلی دونوں طرف والی بلیوں سے ۱۲ سنٹی میٹر اونچی ملی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کروی ہونے کی وجہ سے زمین کی سطح ہر ایک میل کے فاصلے پر (۱۔۶ کیلومیٹر) کے فاصلے پر ۱۲ سنٹی میٹر بلند ہوتی ہے اور اس حقیقت کی مدد سے زمین کے قطر DIMETER اور محیط CIRCUMFERENO کا صحیح صحیح علم ہوسکا یہ بھی ایک مشاہدہ ہے کہ زمین سے ۲۰۰ میٹر کی بلندی پر پہونچ کر اپنے اطراف میں ۵۰ کیلومیٹر تک دیکھا جاسکتا ہے۔

زمین کے مخروطی ہونے کا ایک دوسرا ثبوت قطب ستارہ کے ذریعے دیا جاتا ہے جو ہمیشہ قطب شمالی کے ٹھیک اوپر نظر آتا ہے اگر زمین گول نہ ہو کر چپٹی ہوتی تو قطب ستارہ زمین پر کسی بھی جگہ سے ایک ہی بلندی پر نظر آتا جبکہ اگر قطب ستارہ کو استوائی علاقوں سے دیکھا جائے تو یہ زمین سے بہت

بہت قریب نظر آئے گا اور پھر جیسے جیسے شمال کی جانب بڑھیں قطب ستارہ کی اونچائی بھی بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ زمین کے انتہائی شمال (قطب شمالی) پر یہی ستارہ ٹھیک سر کے اوپر عمودی نظر آئے گا۔
اسی طرح اگر ہم خط استوا سے جنوب کی طرف چلیں تو یہی قطب ستارہ بتدریج نیچا ہو کر زمین سے ملتا ہوا نظر آئے گا اور آخر کار قطب جنوبی تک پہونچنے سے بہت پہلے ہی نظروں سے اوجھل ہو جائیگا
ہماری زمین کسی فٹ بال یا گیند کی طرح بالکل گول نہیں بلکہ دونوں طرف قطبین پر چپٹی ہے اور اسطرح اسکی شکل نارنگی سے ملتی جلتی ہے اس حقیقت کو سمجھنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینا ضروری ہوگی کہ زمین کے انتہائی اندرونی مرکز میں جو بالکل ٹھوس، سیال اور گرم ہے خدا کی قدرت نے اس قدر بااثر اور طاقتور قوت جاذبہ POWE OF GRAVITATION رکھی ہے جو اسپر قائم ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہی وجہ ہے چیزوں کے وزنی ہونے کی۔ اسطرح اس کے ثبوت کے لئے کہ زمین قطبین پر چپٹی ہے۔ اگر کسی چیز کا وزن زمین کے استوائی حدود میں لیا جائے اور پھر اسی چیز کا وزن دوبارہ ٹھیک قطبین پر لیا جائے تو یہ وزن استوائی حدود میں لئے گئے وزن سے زیادہ ہوگا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ زمین قطبین پر چپٹی ہے۔ اور قطبین خط استوائی علاقوں سے زیادہ زمین کے مرکز سے قریب ہیں اور کشش ثقل سے زیادہ اثر انداز ہو رہے ہیں۔
خط استوا پر زمین کا درمیانی اور افقی قطر HORIZONTAL DIAMETER ۱۲۷۵۶ کیلومیٹر ہے جبکہ قطبین پر زمین کا عمودی قطر VERTICAL DIAMETER ۱۲۷۱۳ کیلومیٹر ہے۔ اور یہ قطبین پر زمین کے چپٹی ہونے کا دوسرا ثبوت ہے۔ اس طرح زمین کا محیط CIRCUMFERENCE تقریباً ۴۰۰۰۰ کیلومیٹر ہے جس کو سب سے پہلے یونان کے محقق ایراٹاستھنز ERATOSTHENES نے معلوم کیا تھا۔ اس تحقیق کے سلسلے میں اسنے اسوان میں زاویہ پیما آلے PROTRACTOR کی مدد سے دیکھا کہ سورج ٹھیک سر کے اوپر عمودی ۹۰ کا زاویہ بنا رہا ہے اسوان سے ۷۸۷ کیلومیٹر دور ایک سال پہلے ٹھیک اسی دن اور اسی وقت اسکندریہ میں اسنے سورج کو زاویہ پیما آلے PROTRACTOR کی مدد سے دیکھا تھا تو سورج عمود سے ۷ درجہ کا زاویہ بنا رہا تھا۔ زمین گول ہونے کی وجہ سے اسکا وسطی نقطہ ایک مکمل دائرے کے لئے ۳۶۰ کا زاویہ بناتا ہے اور اسطرح وہ زمین کے محیط کے نکالنے میں کامیاب ہو سکا جو تقریباً ۴۰۰۰۰ کیلومیٹر ہے۔
زمین کے تقریباً ۷۱ فیصدی حصہ پر سمندر پھیلا ہوا ہے جبکہ اس پر خشکی کا حصہ محض ۲۹ فیصدی کے قریب ہے۔ زمین اپنے محور پر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے (ROTATION) سورج کے گرد ایک ہزار میل (۱۶۷۵ کیلومیٹر) اسکی دوسری گردش اپنے مدار پر ۱۸۰۵۲ میل (۲۹.۹۰ کیلومیٹر) فی سکنڈ کی رفتار سے ناچتے رہنے کی ہے۔ جبکہ اسکی ایک تیسری گردش بھی ہے جو سورج کی گردش سے متعلق ہے کیونکہ سورج بھی اپنی کہکشاں ملکی وے MILKY WAY کے گرد چکر لگا رہا ہے جو یہ ایک چکر تقریباً ۲۵۰ ملین برس میں پورا کرتا ہے۔ اس جگہ عنوان کے پیش نظر ہمیں

بالخصوص ان دو گردشوں کے سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ زمین کی اپنے محور AXIS پر ناچتے رہنے کی گردش کے ذریعہ اپنا ایک چکر ۲۴ گھنٹے میں پورا کر لیتی ہے دن اور رات کا تعین ہوتا ہے اور اسی چکر اور گردش کے ذریعے ہی دنیا کے کسی شہر یا مقام کے وقت اور فاصلے کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے زمین اپنی دوسری گردش اپنے محور ORBIT پر سورج کے گرد ۳۶۵¼ دنوں میں پوری کرتی ہے زمین کا یہ قیاسی مدار بیضوی ELLIPTICAL ہے جس پر گردش کرتے ہوئے یہ سورج سے ۹۳ ملین میل اپنا ایک محفوظ فاصلہ قائم رکھتی ہے۔ زمین ایک طرف تو سورج کی قوت جاذبہ کے تحت نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کی مانند اس کے گرد گردش کرتی ہے تو دوسری طرف وہ اور دوسرے اجرام فلکی کے قوت جاذبہ کے زیر اثر ہے اس محفوظ فاصلے سے ہٹ کر سورج کے اور قریب نہیں جا سکتی۔ زمین سورج کے گرد اپنا ایک چکر ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ یا ¼۳۶۵ دنوں میں پورا کر لیتی ہے اور اسی لئے اس بڑھے ہوئے دنوں کو ہر چوتھے سال لیپ ایر (سال کبیشہ) LEP YEAR میں فروری کا ایک دن بڑھا کر پورا کر لیا جاتا ہے۔ زمین کی سورج کے گرد یہ گردش عمل ہموار نہ ہو کر چاند کی کشش کے زیر اثر ڈگمگاتی اور جھکولے کھاتی ہوئی ہوتی ہے۔

اس طرح قرآن حکیم نے زمین کے گردی اور گول شکل کی حقیقت کی ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہی تعلیم دی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پیغام اس علیم بے مثال اور خالق بے مثال کا ہے جس نے زمین اور اس ساری کائنات کو خلق کیا ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہ اس وقت اور زمانہ کا پیغام ہے جب وقت اس حقیقت کی طرف قیاس انسانی کا گذر بھی نہیں ہوا تھا اور جس اور گلیلیو کے نظریات کی ابتدا ہی سترھویں صدی کے اوائل میں یعنی نزول قرآن سے تقریباً ایک ہزار سال بعد کی ہیں جنھیں اس وقت کے حکام اور دانشوروں نے ایک طرف اپنی لاعلمی اور کم علمی کی بنا پر تو دوسری طرف کلیسا کے راہبوں نے اپنی مفاد پرستی کے تحت ٹھکرا دیا تھا۔ ادھر پیش نظر نیوٹن۔ ڈاکٹر ہرچس اور ڈاکٹر آرنسٹم وغیرہ کو اپنے اس سلسلے کے نظریاتی انکشافات اور تجربات سے یہ بات اس حد تک ثابت کرنے کے باوجود دنیا کے دانشوروں اور محققوں کو اس بات کا اعتراف کرنے میں انیسویں صدی اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔

آج ساری دنیا کے سائنسدان اور دانشور خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی بھی رنگ و نسل کے ہوں تاریخ کی حقیقت کی روشنی میں اس بات کو قبول کریں کہ قرآن حکیم ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس کے پیغامات اور جن کی تعلیمات خداوند حسیم و کریم کی طرف سے ہیں جو ساری کائنات پر حاوی اور اپنی تخلیق سے باخبر ہے۔ !!

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۔ "خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ غالب ہے دانا ہے حکیم ہے۔ (۶ – ۱۸)

دنوں اور راتوں کا گھٹنا بڑھنا

جب دنیا کے کروی اور محوری شکل ہونے کی واضح معلومات اور تسلی بخش نظریات ہی انسان کو انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں حاصل ہو سکے تو پھر دن اور رات کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق قدرت کے عظیم حکیمانہ نظام کا معلوم کرنا انسان کے لئے ساتویں صدی عیسوی میں کب ممکن ہو سکتا تھا جبکہ اسی زمانہ میں قرآن حکیم نے اپنی پر از حکمت آیات میں اس حقیقت کی طرف کئی مقامات پر اشارہ کیا ہے کہ دن اور رات کے گھٹنے بڑھنے کا خداوند عظیم نظام نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اور زمین کا اپنے محور پر گھومتے رہنے کا عمل خالق مطلق کا مربوط کیا ہوا ایک ایسا مستقل نظام ہے جس میں کبھی کسی طرح کی بے ترتیبی یا بے ضابطگی کا پیدا ہونا جب تک وہ خود نہ چاہے بعید از قیاس اور ناممکن ہے۔ زمین اپنے محور پر ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں بلا کسی تبدیلی یا تغیر کے ایک باضابطہ پابندی کے ساتھ لگاتار کرتی رہتی ہے اور انہیں چوبیس گھنٹوں میں قوانین قدرت اور نظام فطرت کے تحت کبھی تو دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں کبھی دن بڑے ہو کر راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں تو کبھی راتیں بڑی ہو کر دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور اسطرح خداوند علیم و حکیم اپنی حکیمانہ قدرت کے تحت کبھی تو راتوں کو چھوٹی کر کے حسب ضرورت دن بڑے کر دیتا ہے تو کبھی ضرورت کے مطابق دن کو چھوٹا کر کے راتوں کو بڑی کر دیتا ہے جسکا ذکر قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت میں اسطرح آیا ہے

ذَالِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

وہ اسلئے قادر ہے کہ رات کو بڑھا کر دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو گھٹا کر رات میں داخل کرتا ہے خدا یقیناً بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (۲۲-۶۱)

اس نظریہ کے سلسلے میں یہ واضح کر دینا بہت ضروری اور بنیادی ہے کہ ہماری زمین اپنے محور پر خط مستقیم پر قائم نہ رہ کر اپنے محور سے ۲۳ درجہ کے زاویہ پر جھکی ہوئی ہے اور اسطرح یہ اپنے افقی مدار پر ۶۶ درجے کے زاویہ پر جھکی ہوئی ہے خدا کے اسی حکیمانہ نظام کے تحت موسموں میں تبدیلی عمل میں آتی ہے اور اسی میں رات اور دن کے چھوٹے بڑے ہونے کا راز بھی مضمر ہے جسکا ایک مختصر سا جائزہ لینے کے بعد ہی خالق مطلق کی صناعی اور حکمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ زمین کا اپنے محور پر ۲۳ درجہ کا یہ نظریاتی اور مفروضہ جھکاؤ مستقل ہے جو ہر حال میں ہمیشہ اور ہر مقام پر ایک ہی طرف کو اور ایک دوسرے کے متوازی رہتا ہے۔ اور اسطرح زمین کی بناوٹ اسکا جھکاؤ اور سورج کے گرد اپنے مدار پر اسکی گردش کے مخروطی عمل کے نتیجے میں بڑے اہم اور نتیجہ خیز اثرات

رونما ہوتے ہیں جو زمین پر بسنے والوں پر اپنا بنیادی اثر ڈالتے ہیں اور موسموں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ دن اور رات کے گھٹنے بڑھنے کا بھی ذریعہ ہوتے ہیں جنکا ایک اجمالی تذکرہ کرنا ضروری ہوگا۔

معتدل موسم جنکو علم جغرافیہ "اکوی نوکسیز" EQUINOXES کہتے ہیں بہار اور خزاں کا موسم ہوتے ہیں زمین اپنے مدار پر سورج کے گرد گردش کرنے کے دوران سال میں دو مرتبہ یعنی ۲۱ مارچ اور ۲۳ ستمبر کے دن ٹھیک دوپہر کے وقت ایسے مقام پر ہوتی ہے جب سورج کی کرنیں خط استواء پر بالکل اور عمودی VARTICAL اور وہاں کے رہنے والوں کے ٹھیک سر کے پر پڑتی ہیں اس وقت سورج کی روشنی کا دائرہ CIRCLE OF ILLUMINATION خط استوا کے متوازی سارے خطوط (خطوط عرض البلد) کے ٹھیک نصف سے گذرتا ہے اور اسطرح عرض البلد کے ۱۸۰ درجہ مکمل طور پر سورج کی روشنی سے متاثر ہوتا ہے اسوقت ساری دنیا میں دن اور رات برابر ہوجاتے ہیں اور اسی وجہ سے علم جغرافیہ میں ۲۱ مارچ کو موسم بہار کا معتدل دن SPRING EQUINOX اور ۲۳ ستمبر کو موسم خزاں کا معتدل دن AUTUMN EQUINOX کہلاتا ہے اسوقت سورج کی قوت توانائی ENERGY SOLAR براست عمودی اور سب سے زیادہ خط استوائی علاقوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر خط استوا کے متوازی شمالی اور جنوبی عرض البلد کی طرف سورج کی یہ توانائی بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہاں تک کہ شمالی اور جنوبی قطبین پر سورج کی حرارت صفر کے برابر ہوجاتی ہے۔

اسی طرح سورج کے گرد گردش کرنے کے دوران زمین ایکبار ۲۲ جون اور ۲۲ دسمبر کے دن ایسے مقامات پر ہوتی ہے جب موسم گرما اور موسم سرما کی انتہائی منزلوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ جنکو علم جغرافیہ میں "سولسٹیسز" SOLSTICES کہتے ہیں۔

۲۲ جون کو زمین اپنے مدار کے نصف فاصلے اور دونوں نقاطہ اعتدال کے ٹھیک درمیان پہنچ جاتی ہے اسوقت اپنے محور پر زمین کا ۲۳½ درجہ کا یہ جھکاؤ سورج کی طرف ہوتا ہے جس کے نتیجے میں سورج کی کرنیں بھی شمال کی سمت ۲۳½ درجہ آگے تک بڑھ جاتی ہیں اور اس دن یعنی ۲۲ جون کو ٹھیک دوپہر کے وقت سورج کی کرنیں خط سرطان TROPIC OF CANCER پر بالکل عمودی ہوتی ہیں اور سورج کی مماس شعاعیں TANGENTIAL کرنیں قطب شمالی سے بھی ۲۳½ درجہ آگے تک پھیل جاتی ہیں جبکہ دوسری طرف یہ کرنیں قطب جنوبی تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی ۲۳½ کا مماس شعاع بناتی ہوئی ختم ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے میں قطب جنوبی سے بہت پہلے ہی رات کی تاریکی چھائی ہوتی ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۲۲ جون کو جب سورج استوائی علاقہ کے انتہائی شمال میں (خط سرطان) پر ٹھیک عمودی ہوتا ہے اسوقت روشنی کا دائرہ CIRCLE OF ILLUMINATION خط استوا کے متوازی تمام عرض البلد کے خطوط کو نصف سے نہ کاٹ کر ۲۳½ درجہ کے زاویہ پر ان خطوط کو کاٹتا ہے اور اسطرح وہ خط استوا کے درمیان سے (نصف سے) تو گذرتا ہے مگر خط استوا کے

شمالی عرض البلد کے خطوط کو نصف سے زیادہ اور خط استوا کے جنوبی خطوط عرض البلد کو نصف سے
کم پر کاٹتا ہے جس کے نتیجے میں خط استوا کے متوازی شمالی خطوط عرض البلد کا زیادہ حصہ روشنی کے
دائرے کٹتا ہے جسکی وجہ سے گرمیوں میں دنیا کے خط استوا کے شمالی حصوں میں دن بڑے ہو جاتے
ہیں جو بتدریج بڑھتے بڑھتے قطب شمالی اور اس سے بھی گذر کر ۲۳½ کے خط مماس مشترک کے انتہائی
حصوں پر لگاتار چوبیس گھنٹوں کے دن ہو جاتے ہیں اسی طرح قطب جنوبی کی سمت والے خطوط عرض البلد
کو روشنی کا یہ دائرہ نصف سے پہلے ہی کاٹتا ہے اور یہ فاصلہ بتدریج گھٹتے گھٹتے قطب جنوبی سے بہت پہلے ۲۳½
درجے خط مماس مشترک پر ختم ہو جاتا ہے جسکے نتیجے میں شمالی حالات کے برخلاف اسطرف دن چھوٹے
اور راتیں بڑی ہونے لگتی ہیں اور بتدریج بڑھتے بڑھتے قطب جنوبی سے بہت پہلے ہی لگاتار چوبیس
گھنٹوں کی راتیں ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح ۲۲ دسمبر کو زمین اپنے مدار پر ۲۲ جون کے ٹھیک مخالف سمت میں ہوتی ہے جہاں پر
اسکا عمودی ۲۳½ درجہ کا جھکاؤ سورج سے مخالف سمت میں ہوتا ہے اور اسطرح اس بار روشنی کا
دائرہ CIRCLE OF ILLUMINATION قطب جنوبی سے ۲۳½ درجہ آگے بڑھ کر اپنا مماس مشترک بناتا
ہے جبکہ دوسری طرف قطب شمالی سے بہت پہلے ۲۳½ درجہ پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے اور اسطرح ۲۲ دسمبر
کے جغرافیائی حالات ۲۲ جون سے بالکل برعکس ہوتی ہے ۲۲ دسمبر کے دن دوپہر کے وقت سورج کی
کرنیں خط جدی TROPIC OF CAPRICORN کے ٹھیک اوپر عمودی ہوتی ہیں۔ اور اسطرح روشنی
کا دائرہ خط استوا کو زاویہ عمودی درمیان سے کاٹتا ہے مگر ۲۳½ درجہ کا زاویہ بنا ہوا خط استوا کے متوازی
عرض البلد کے جنوبی خطوط کو نصف سے زیادہ حصوں سے اور خط استوا کے شمالی عرض البلد کے خطوط
کو نصف سے کم حصوں پر کاٹتا ہے جس کے نتیجے میں اس بار دنیا میں خط استوا کے جنوبی حصوں میں دن بڑے
ہو جاتے ہیں جو بتدریج بڑھتے بڑھتے قطب جنوبی سے بھی آگے ۲۳½ درجہ کے خط مماس مشترک تک
لگاتار چوبیس گھنٹوں کے دن ہونے لگتے ہیں اور اسی طرح خط استوا کے شمالی حصوں میں دن چھوٹے
اور راتیں بڑی ہو جاتی ہیں اور راتوں کے بڑھنے کا یہ سلسلہ بتدریج زیادہ ہوتا ہوا قطب شمالی سے
۲۳½ درجہ پہلے ہی روشنی کے دائرے کے خط مماس پر ختم ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں بڑھتے بڑھتے راتیں
قطب شمالی سے بہت پہلے لگاتار چوبیس گھنٹوں کی ہونے لگتی ہیں۔

یہی خالق مطلق کا وہ عجیب نظام ہے جس کے تحت راتوں کا حصہ گھٹ کر دن میں ملجاتا ہے جس کے
نتیجے میں راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہو جاتے ہیں اور دن کا حصہ گھٹ کر راتوں میں مل جاتا ہے تو اس
کے نتیجے میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہو جاتی ہیں جسکی طرف خداوند علیم و حکیم نے اپنی مندرجہ ذیل آیت
میں اشارہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (دن اور رات کے بڑھنے اور گھٹنے کی طرف اشارہ کیا ہے) اور سورج اور چاند کو اسنے مسخر کیا ہے کہ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ (۲۹-۳۱)

اس سلسلے میں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ سورج کے عمودی کرنوں کے زیر اثر گرمی کی توانائیاں اور تابناکیاں (جسکا احساس گرمی کی شدت اور کرنوں کی حدت سے بھی لگایا جا سکتا ہے) کے تناسب دنیا کے ہر حصے کو موسمات میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کم یا زیادہ مقدار میں حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ سال کے معتدل مہینوں یعنی ۲۱ مارچ اور ۲۳ ستمبر کے دن سورج کی سب سے زیادہ توانائی خط استوائی علاقوں کو حاصل ہوتی ہے جو خط استوا سے شمالی اور جنوبی حصوں کی طرف بتدریج اور تناسب کم ہوتی ہوئی قطبین پر صفر ہو جاتی ہے۔ جبکہ ۲۲ جون کے دن سورج کی سب سے زیادہ توانائی اور تابناکی خط سرطان کے علاقوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اسکے بعد خط استوا کے شمالی علاقوں کو ان توانائی کا نصف سے زیادہ حصہ ملتا ہے اور قطب شمالی سے بھی دوسری طرف جاری رہتا ہے مگر توانائیوں کا یہ سلسلہ قطب جنوبی سے بہت پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے مگر پھر ۲۲ دسمبر کے دن حالات ۲۲ جون کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اور سورج کی توانائی خط جدی کے علاقوں کو سب سے زیادہ حاصل ہوتی ہے پھر خط استوا کے جنوبی حصوں کو اسی طرح ان توانائیوں کا نصف سے زیادہ حصہ ملتا ہے اور خط استوا کے شمالی حصوں کو ان توانائیوں کا نصف سے کم حصہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ قطب جنوبی سے بہت پہلے ہی یہ سلسلہ بالکل ختم ہو کر صفر ہو جاتا ہے۔

اس عظیم نظام قدرت کا ایک مختصر سا خاکہ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں نہایت ہی عالمانہ اور حکیمانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ اور رات بھی ان کے لئے نشانی ہے جس میں سے ہم دن کو نکال لیتے ہیں۔ پھر یہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج (بھی ایک نشانی ہے) اپنے ایک مقررہ مقام کی طرف چلا جا رہا ہے (سورج کی اس حرکت کی طرف اشارہ ہے جو وہ اپنے کہکشاں (ملکی وے) کے گرد کر رہا ہے) یہ ایک بڑے زبردست صاحب قدرت اور صاحب علم کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اور چاند بھی ایک نشانی ہے جسکی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پلٹ کر کھجور کی پرانی شاخ کی سی (قوسی) صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات کی یہ قدرت ہے کہ دن سے

اکٹھے ہو جائے۔ حالانکہ کسی نہ کسی آسمان میں پھرتے رہتے ہیں" (۳۶ - ۴۰)
زمین کی ساخت اس کی کروی شکل، اسکا اپنے محور پر گھومتے ہوئے ۲۳ درجہ پر جھکاؤ۔ اسکی اپنے محور پر لٹو کی
طرح گھومتے رہنا اور اپنے مدار پر سورج کے گرد چکر لگاتے رہنے کا عمل جس کے نتیجے میں موسموں میں تبدیلیاں
رات اور دن کا مجموعہ ظہور عمل میں آتا ہے۔ ان سب میں اس خالق یکتا کے علم بے مثال اور حکمت با کمال
کی نشانیاں ہیں جن کا حضور صلعم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل قرآن حکیم میں بار بار ذکر
کیا ہے اور جن کا علم موجودہ دور کے ماڈرن سائنس کو آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ روز نئی گہرائی کھل رہے ہیں
کھلتے جا رہے ہیں کھلتے ہی رہیں گے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا نہ جانے کب تک —!!

زمین کا اسکے کناروں سے گھٹنا

قرآن پاک کی ایک آیت زمین کو اسکے کناروں سے گھٹاتے جانے کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔
یوں تو زمین اسقدر وسیع و عریض ہے کہ اس پر ہو رہی تراش و خراش اور کٹاؤ کا عمل جو اسقدر تدریجی ہوتا
ہے کہ حسب معمول ہی نظر آتا ہے اور لوگوں پر اسکا کوئی اضطراری اور انتشاری اثر نہیں پڑتا۔ قدرت کے
کئی ہتھیار ہیں جنہیں وہ زمین کے قطع و برید میں استعمال کرتی رہتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ دنیا پہلے آگ
کا جلتا ہوا گولا تھی اور جب ٹھنڈا پڑنے میں کروڑوں برس لگ گئے علم طبعیات PHYSICS کا یہ عام فہم اور
مانی نظریہ ہے کہ کسی چیز کو گرم کرنے سے وہ پھیلتا ہے اور ٹھنڈا ہونے پر اس میں سکڑن آجاتی ہے اور اسی طرح دنیا کے دائرہ اور حجم
میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوئی۔ اس میں جگہ جگہ رخنے اور شگاف پڑ گئے اور کٹاؤ کا یہ سلسلہ اسی وقت سے
شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ اس نقطہ نظر سے آج بھی جاری ہے۔ زمین کے اندرونی طبقات میں دھاتوں، پتھروں
اور چٹانوں کے پگھلتے رہنے کا عمل آج بھی جاری ہے۔ اور اکثر یہ طبقات اپنے انتہائی گرم مادوں کے ساتھ
آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے ابل پڑتے ہیں۔ نچلی طبقات کی حرارت میں کچھ کمی آنے کے ساتھ
ساتھ انمیں سکڑن آ جاتی، ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور اکثر چٹانیں سخت مادوں میں آکر عمودی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔
اور پھر زمین پر تخریب کاری کا ایک بہت اہم منظر سامنے آتا ہے زمین جگہ جگہ سے پھٹ جاتی ہے چٹانیں
ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر ڈھیر پڑ جاتی ہیں اور پھر بارش اور سیلاب کے پانی کے ساتھ بہہ کر سمندر
کی نذر ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں کی تباہ کاریوں کی وجہ
سے اکثر پورے کے پورے جزیرے اور سمندر کے نچلے ساحل غرق آب ہوتے رہتے ہیں۔ جنہیں بحر مردار
کا بحیرہ نیز سنڈم جزائر دنیاؤں اور اٹلانٹس جیسے غرقاب ملک کہ ... میں جگہ اچکے ہیں جن پر تحقیق و دریافت
کا سلسلہ آج تک جاری ہے یا تو بحر شمالی کی کراکاٹو کی بربادی اور اس کے ساحلی کناروں کے چھپ

...اور بندرگاہ کے سمندر میں غرق ہو جانے کی داستان ابھی بہت پرانی نہیں ہوئی ہے۔

ابھی حال ہی کا ایک واقعہ جو ۸ جنوری ۱۹۹۲ء کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہوا ہے اور جسکا عنوان ہے "ATINY MALDIVES ISLAND VANISHES" "مالدیپ کا ایک ننھا سا جزیرہ معدوم ہو گیا" اسوقت عالمی سائنسداں اور دانشور اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں اور انکا یقین ہے کہ اس حادثہ کی وجہ دنیا کی بڑھتی ہوئی حرارت ہے۔ ریاست مالدیپ کے یہ جزیرے محض ۲ میٹر سے ۳ میٹر تک ہی سطح سمندر سے اوپر ہیں۔ سائنسدانوں نے مالدیپ اور بنگلہ دیش کو سمندری طوفانوں کے خطرات سے آگاہ کر دیا ہے۔ یہ جزیرہ بحر ہند میں واقع ریاست مالدیپ کے ۱۱۹۰ جزیروں میں سے ایک تھا اور مصنوعی سیارہ SATELLITE نے اس جزیرے کی تصویریں بھی لی ہیں۔ مالدیپ کے ان جزیروں میں محض بارہ ہی آباد ہیں اور باقی سب غیر آباد اور زمین کے ٹکڑے ہیں جنمیں سے کچھ میں زراعت اور مقامی پیداوار بھی ہو جاتی ہے۔

سائنسدانوں نے ایسے دوسرے جزیروں کے متعلق بھی اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے جو سمندر کی سطح سے بلند نہیں ہیں۔ اور اسی طرح ایسے ساحلوں کو موسموں کی تبدیلی اور بڑھتی ہوئی حرارت سے غرقابی کا خطرہ لاحق بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے خیال سے دنیا کی اوسط حرارت کے بڑھنے کی خاص وجہ بہت زیادہ مقدار میں کارخانوں اور انجنوں سے نکلنے والا دھواں اور [illegible] وہ کاربن گیس ہے جو ڈیزل اور آٹو موبائل گاڑیوں سے بالائی کرہ کی لپیٹ کثیف اور گھنے پن کے ذریعہ مزاحم ہو رہی ہے اور زمین پر پڑنے والی سورج کی گرم شعاعیں منعکس ہو کر فضائے بسیط کی طرف جانے کے بجائے کرۂ ارضی پر باقی رہ کر اسکی حرارت کو بڑھا رہی ہیں۔ بعینہ حقائق کی روشنی میں دانشوروں نے موسمیات و تغیرات کے انٹرنیشنل پینل "INTERNATIONAL PANNEL ON CLIMATE CHANGE" (IPCC) نے گزشتہ سال یہ پیشین گوئی کر دی ہے کہ ۲۰۳۰ء تک دنیا کا ٹمپریچر 1.5c سے کر 4.5c تک بڑھ جائیگا جسکی وجہ سے قطبین کے برفیلے علاقوں اور پہاڑی گلیشروں کی برف پگھل کر سطح سمندر کو ۶۵ سینٹی میٹر 65cm تک اونچا بلند کر دے گی جس کی وجہ سے تقریباً آدھے سے زیادہ ساحلی علاقے اور جزیرے غرق آب ہو جائینگے۔ ۱۹۸۸ء کے مطابق اگر سمندر کی سطح ایک میٹر تک اونچی ہو گئی تو اس کے نتیجے میں مصر کا ۱۵ فیصد ساحل اور بنگلہ دیش کا ۱۷ فیصد ساحل زیر آب ہو جائے گا اور اسکے علاوہ انڈونیشیا اور ویتنام کی پوری پوری آبادی کو ہجرت کرنا ہوگا۔ ان خطرات کے پیش نظر ڈچ DUCH کے ملک ہالینڈ کے دانشوروں نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں خبردار کیا ہے کہ ۱۸۱ ساحلی اور جزیرائی ریاستوں میں ۳۳۵، ۳۳۵ مربع کیلو میٹر نچلی سطح ۶۳۰۰ مربع کیلو میٹر قابل کاشت زمین، ۱۰۳۲۵ مربع کیلو میٹر ریتیلے ساحل، ۱۶۲۵ بندرگاہیں ان سب پر غرق آب ہو جانے کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

عالمی دانشوروں کی ان تفصیلات کو پڑھنے کے بعد خدا کی اس آیت کا بہترین طریقے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح اطراف سے اور کیسے حربوں سے خلاق اعظم زمین کو گھٹاتا جا رہا ہے اور کسی میں طاقت نہیں ہے کہ ان کارفرمائیوں کو روک سکے۔ مگر ہمیں اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے

اور ضرورت ہے۔ یہ کائنات خدا کی ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے اور جو بڑا رحیم و کریم بھی ہے وہ انسان کی
جانوں اور مالوں کے تحفظ کی کوئی نہ کوئی صورت نکالتا ہی رہتا ہے جیسا کہ اس نے اپنی آیات گرامی میں فرمایا
ہے:

"یدبر الامر من السماء الی الارض ۵ ذلک عالم الغیب والشهادة العزیز الرحیم ۵"

آسمانوں سے زمین تک کے ہر امر کا وہی مدبر ہے۔ وہی ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور سب پر
غالب ہے" (۳۲-۵،۶)

زمین کے کٹنے کا عمل بہت تیزی کے ساتھ جاری ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ بارش اور
سیلاب ہے۔ باڑھ اور سیلابی دریاؤں کے ذریعہ زمین کی اوپری سطح کی کروڑوں ٹن مٹی ہر سال بہہ کر
سمندر میں چلی جاتی ہے۔ یہ فطری عمل جاری رہتا ہے سوچنے کی بات ہے کہ جب جھرنے اور آبشار پتھر
کی چٹانوں کو زہر خراش کر اور گھس کر قابل زراعت سطح تک پہنچا سکتے ہیں تو پھر ملائم مٹی کا کٹ کر بہہ جانا
تو معمولی بات ہے۔ بارش اور سیلاب کے قابل ذکر اور اہم رول کا اندازہ لگانے کے لئے بارش کے ایک
بوند کی مثال یہی کافی ہے کہ جب وہ بلندیوں سے ملائم زمین پر گرتی ہے تو اس جگہ ایک ننھا سا گڑھا پیدا
کر دیتی ہے تو ان لاکھوں اور کروڑوں بارش کی بوندوں کا اندازہ لگائیے جو ہموار، زرخیز اور ملائم زمین
پر گرتی ہیں اور پھر اس کے فوراً بعد آنے والے ان عجیب سیلابوں کا تصور کیجئے جو اس قدر طلاطم خیز اور تیز
رو ہوتے ہیں کہ سطح کی اس ملائم اور زرخیز مٹی کو لاکھوں ٹن تک بہا کر سمندر میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ ایک
حقیقت ہے جو اعداد و شمار پر مبنی ہے کہ ہندوستان کی سال بھر کی بارش تقریباً ۱۲۸۱ انچ ہوتی ہے جس
میں سے ابخرات اور بھاپ بن کر اڑ جانے والی EVAPORATION اور زمین میں جذب ہو جانے والی
ABSORPTION ہونے والی پانی کی مقدار کو کم کر دینے کے بعد تقریباً ۹۰۰ ہزار مکعب میٹر CU METRE پانی
زمین کی سطح پر رہ جاتا ہے جو سیلابی پانی کی شکل میں ہر سال لاکھوں ٹن مٹی بہا کر دریاؤں کے ذریعہ
سمندر میں لے جاتا رہتا ہے اور پھر جب ہم دنیا کے گول اور گردی شکل کو ذہن میں رکھ کر اس کے اوپری
پرت کے کٹنے اور بہہ جانے کا تصور کرتے ہیں تو دنیا کو اس کے کناروں سے کٹنے کا صحیح خاکہ ابھر کر سامنے آجاتا
ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

افلا یرون انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها افهم الغالبون کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے
کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں۔ (۴۴-۲۱)

انسان اسی طرح مٹی کے کٹاؤ کو دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے اس کے تحفظ کے اقدام کرتا ہے۔
SOIL CONSERVATION کے محکمے قائم کرتا ہے مگر کامیابی بہت کم حاصل کر پاتا ہے۔
اسی سلسلے کی ابھی حال ہی کی ایک رپورٹ کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے جو ۲۹ نومبر ۱۹۹۲ء کے ٹائمز آف
انڈیا میں وزارت زراعت کی طرف سے جاری ہوئی ہے جس کا اصل مفہوم اور ترجمہ مندرجہ
ذیل ہے

LUCKNOW NOV. 28 (PTI) about 533 lakh tones of soil is eroded in our country every year which in terms of money is equal to loss of 2800 crores. It is appracneted that one third of agricultural land would be eroded in coming 20 years. Teard did

SOIL CONSERVATION SERVICE UNITED NATIONS

لکھنؤ ۲۸ نومبر (پی ٹی آئی) ہمارے ملک میں تقریباً ۵۳۳۰۰ ٹن مٹی ہر سال کٹاؤ کی شکار ہو جاتی ہے اور
اس نقصان کا تخمینہ ۲۸۰۰ ہزار کروڑ روپے کا ہوتا ہے (اس سلسلے میں) اندیشہ ہے کہ آنے والے ۲۰ برسوں
میں قابل کاشت زمین کا ایک تہائی حصہ کٹاؤ کے نذر ہو جائے گا۔ جب صرف ہندوستان میں مٹی کے
کٹاؤ کی یہ رفتار ہے تو ساری دنیا پر اسکا کیا اثر پڑ رہا ہوگا۔ اسکو جاننے کے لئے دنیا کا ایک
سرسری جائزہ لے لینا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے زمین کے کٹاؤ اور اس کے بالائی زرخیز حصہ کی خراش کے
سلسلے میں امریکہ پر نظر ڈالتے ہیں جو دور حاضر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے اور جو سائنس کے
میدان میں بھی بہت بلند منزلوں پر فائز ہے دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح اس ملک کی ماقبل کی
تاریخ بتاتی ہے کہ جب زرخیز زمینوں کی افراط تھی اور آبادیاں کم تھیں اسوقت زمین کی سطح کی ملائم اور
زرخیز مٹی کے کٹ جانے کی طرف بہت کم دھیان دیا جاتا تھا اور کاشتکار اپنے کھیتوں کی سطح کے بہت زیادہ کٹ جانے
کے بعد جب اس پیداوار کی سخت کمی ہو جاتی تھی تو وہ ان زمینوں کو چھوڑ کر دوسری ہموار اور زرخیز زمینوں
پر کاشتکاریاں شروع کر دیتے تھے اور اسطرح دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح اٹھارویں صدی کے
وسط تک زمین کے بالائی زرخیز اور ملائم مٹی کے کٹنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جاتا تھا زمین کے کٹاؤ
کی طرف امریکہ کے جس مدبر کاشتکار نے سب سے پہلے توجہ دی وہ جیرڈ ایلیٹ JEARED ELIOT تھا۔
جس نے اپنی [illegible] معلومات اور اسوقت کے محدود ذرائع کی مدد سے زمین کے کٹاؤ کو روکنے میں کچھ پیش رفت
کی۔ اس نے محسوس کیا کہ زمین کے اوپری سطح کا کٹ کر بہہ جانا کاشتکاری اور زراعت پر بہت برا اثر
ڈالتا ہے اور پھر اس نے کچھ حفاظتی قدم اٹھانے کا منصوبہ بنایا اس کے منصوبے کا پہلا عملی قدم تو یہ تھا کہ
[illegible] بند باندھ کر سیلابی نالوں کو روک دیا جائے اور دوسرا قدم یہ تھا کہ زرخیز اور ملائم
زمینوں پر ایسی گھنی جھاڑیاں COVER CROPS اگائی جائیں جو بارش اور ہواؤں سے اسکا تحفظ کر سکیں
لیکن یہ اقدام بہت زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئے اور سیلاب کی تیز روانی کے ساتھ اکثر یہ بند ٹوٹ
گئے اور اسطرح اپنے ساتھ [illegible] بہت زیادہ مٹی بہا لے گئے اور اسطرح انیسویں صدی کے
نصف تک امریکہ کے بہت زیادہ زرخیز مٹی سیلابوں اور طغیانیوں کے نذر ہو چکی تھی جو آج بھی اس
کے ساحلی سمندر کی تہوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی طرح امریکہ میں [illegible]
[illegible] کے ساتھ ۱۹۳۰ [illegible] اور اسکو روکنے کے لئے سرکاری سطح پر
[illegible] ۱۹۳۵ میں SOIL CONSERVATION SERVICE (S.C.S.) کے نام سے ایک [illegible] قائم کیا گیا

رکھا گیا مگر دوسرے ملکوں کی طرح یہاں مجوزہ اقدامات زیادہ موثر ثابت نہیں ہو پا رہے ہیں۔ علم ارضیات اور زراعت کے ماہرین کا یہ شمار ہے کہ زمین کی اوپری ملائم سطح کے کٹنے اور برباد ہونے میں اور اسکے کٹ کر بہہ جانے میں ہوا کا تناسب ہوتا ہے اور اس طرح زمین کی سطح پر جو زرخیز مٹی کی تہہ دس برسوں میں بنتی ہے وہ ایک ہی سال کے سیلاب میں بہہ جاتی ہے۔ امریکہ کی دریائے مسوری کے بہاؤ میں ہر منٹ میں ۱۳۰ کھرب ٹن مٹی بہہ کر خلیج میکسیکو میں چلی جاتی ہے۔

اسکے ساتھ ہی عالمی برادری UNITED NATIONS کی ایک رپورٹ کا مختصر سا خاکہ پیش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں صرف انہیں ملکوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو زرخیز میدانی علاقوں کے مشہور ہیں TOP - SOIL۔ اس خاکہ میں کٹاؤ کی ان ساری وجوہات کو مد نظر رکھا گیا ہے جن میں بارش، سیلاب، آندھیاں اور زمین کے پھٹنے جیسے سارے عناصر شامل ہیں۔

۱.	امریکہ	۱۰ ٹن	ایکڑ	۱ سال	۲.	جرمنی	۱۳ ٹن	ایکڑ	۱ سال
۳.	تھائی لینڈ	۱۲ ٹن	ایکڑ	۱ سال	۴	گھانا	۱۰۰ ٹن	ایکڑ	۱ سال
۵.	ایتھوپیا	۲۰ ٹن	ایکڑ	۱ سال	۶.	برما	۱۳۹ ٹن	ایکڑ	۱ سال
۷.	بھارت	۳۰ ٹن	ایکڑ	۱ سال	۸.	نائجیریا	۱۹۰ ٹن	ایکڑ	۱ سال
۹.	کولمبیا	۱۸ ٹن	ایکڑ	۱ سال	۱۰	جاوا	۳۳۴ ٹن	ایکڑ	۱ سال
۱۱.	گوئٹے مالا		ایکڑ	۱ سال	۱۲.	بلجیم	۲۵ ٹن	ایکڑ	۱ سال

زمین کی بالائی سطح کے مختلف طریقوں سے گھٹتے رہنے کی عالمی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد جب قرآن حکیم کی متعلقہ آیت کو پڑھتے ہیں "کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں (۴۱-۱۳)" اور پھر زمین کی ساخت کا تصور کرتے ہیں جو گول اور کروی ہے اور جس کے کنارے اسکے محیط CIRCUM FERENCE پر ہر چہار جانب کی اوپری سطح ہی ہے جو اکثر ملائم اور زرخیز زمینوں پر مشتمل ہے اور جو لگاتار کٹ کر کم ہو رہی ہے تو قرآن کی عظمت کا اور اس کے کتاب آسمانی ہونے کا ہر مذہب و ملت کا دانشور صدق دل سے اعتراف کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن ایک ایسی پُر از حکمت کتاب ہے جو آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل ایک ایسے علم کی طرف اشارہ کر رہی ہے جب خود انسان نے اسکے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا اور خصوصاً اس آیت کا مکہ اور مدینہ جیسی سرزمین پر نازل ہونا جہاں بارش اور سیلاب کا تو ذکر ہی کیا جہاں نام کے لئے ایک دریا بھی نہیں ہے ایسی جگہ اس کلام کو کسی عرب کے وابستہ کر دینا ہی ایک جاہلانہ اور کافرانہ تصور ہوگا۔ آخر میں اس عنوان کو قرآن حکیم کی ایک آیت پر ختم کرتا ہوں۔

وهو العزيز الحكيم ۝ وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون ۝

وہ تو خدا سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے اور ہم مثالیں لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اور ان کو تو بس علماء ہی سمجھتے ہیں۔ (۲۹ - ۴۳،۴۲)

یہ بلند و بالا پہاڑ بھی حرکت میں ہیں

قرآن حکیم میں خالق کائنات نے دنیا کی اپنے محور پر گردش اور سورج کے گرد اپنے مدار پر گھومتے رہنے کے ساتھ ساتھ زمین کے اندرونی طبقات کے متحرک ہونے کی بھی اطلاع دی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ بلند و بالا پہاڑ جنھیں تم جامد اور ساکت سمجھ رہے ہو یہ حقیقت میں متحرک ہیں اور بادلوں کی طرح اپنی شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہ پہاڑ سکون پذیر نہیں ہیں بلکہ ان کے ساخت اور ہیئت بدلتے رہنے کا یہ سلسلہ ہر آن جاری رہتا ہے اور اسطرح قانون حرکت و عمل جو سارے موجودات عالم پر جاری ہے اور جو انکے استحکام کی بنیاد ہے وہی قانون حرکت و عمل ان پہاڑوں پر بھی نافذ ہے۔

زمین میں اندرونی تہوں کی یہ حرکت نہایت ہی سست روی کے ساتھ عمل میں آتی ہے اور پھر ان بلند و بالا پہاڑوں کی شکلوں میں بادلوں کی طرح تبدیلی اور ان کے بلندی حجم اور وسعت میں رونما ہونے والے تغیرات کو بادلوں کی مثال دے کر خلاق عالم نے جس راز سے آج سے چودہ سو سال پردہ اٹھایا ہے اور رہبری کی ہے اسکا موازنہ آج بیسویں صدی میں طبقات الارض کے ماہرین کر رہے ہیں اور اپنی تحقیق و تجسس بسیار کے بعد جو انکشافات کر پا رہے ہیں وہ سب آیات قرآنی کے عین مطابق ہیں یہ معلومات ان ماہرین کو [illegible] میں ہوئی ہیں۔ اور اس سلسلے کی ان کی تحقیق آج بھی جاری ہے۔ بیسویں صدی کے وسطی دور کے بعد سے جاری اس سلسلے کی تحقیق و دریافت کا ایک مختصر سا تذکرہ کر دینے کے بعد قرآن حکیم کی صداقت اور اس کے کتاب آسمانی ہونے کا مکمل ثبوت مل جاتا ہے۔

پہاڑوں کی تخلیق اور ان کے ہیئت بدلتے رہنے کا یہ عمل بڑی آہستہ روی کے ساتھ مسلسل جاری رہتا ہے اور یہ عمل زمین کے اندرونی طبقات کے نہایت ہی عجیب اور زلزلائی کشمکش گرمی اور دباؤ کے زیر اثر ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے ابتدائی دور میں علم طبقات الارض کے ماہرین اور سائنسدانوں نے پلیٹ ٹکٹونک PLATE TECTONIC کی حقیقت دریافت کی اس انکشاف کے بعد انھوں نے پہاڑوں کے ظہور پانے کے ساتھ ساتھ دوسری طبقاتی عناصر کی تشکیل اور ان کے وجود و حرکت کے سلسلے میں معلومات حاصل کیں۔ اس نظریہ کے مطابق یہ زمینی طبقات سات بہت بڑی اور سنگلاخی پلیٹوں اور کچھ اتنی ہی چھوٹی سنگلاخی اور سخت پلیٹوں پر مشتمل ہیں۔ یہ پلیٹیں نہایت آہستہ روی کے ساتھ رینگ رہی ہیں۔ اور اسطرح دنیا کے سارے بر اعظم اور بحر اعظم انھیں پلیٹوں کے اوپر آہستہ آہستہ حرکت کر رہے ہیں اس نظریہ اور معلومات کے ثبوت کے لیے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اہم پہاڑی سلسلے اکثر انھیں پلیٹوں کی سرحدوں اور انکے بارڈر ریز پر نظر آتے ہیں ماہرین طبقات الارض نے ان پلیٹوں کے نام اسطرح